تاریخ ادب اُردو

(1838 تا 1857)

(جلد سیزدہم)

محمد انصار اللہ

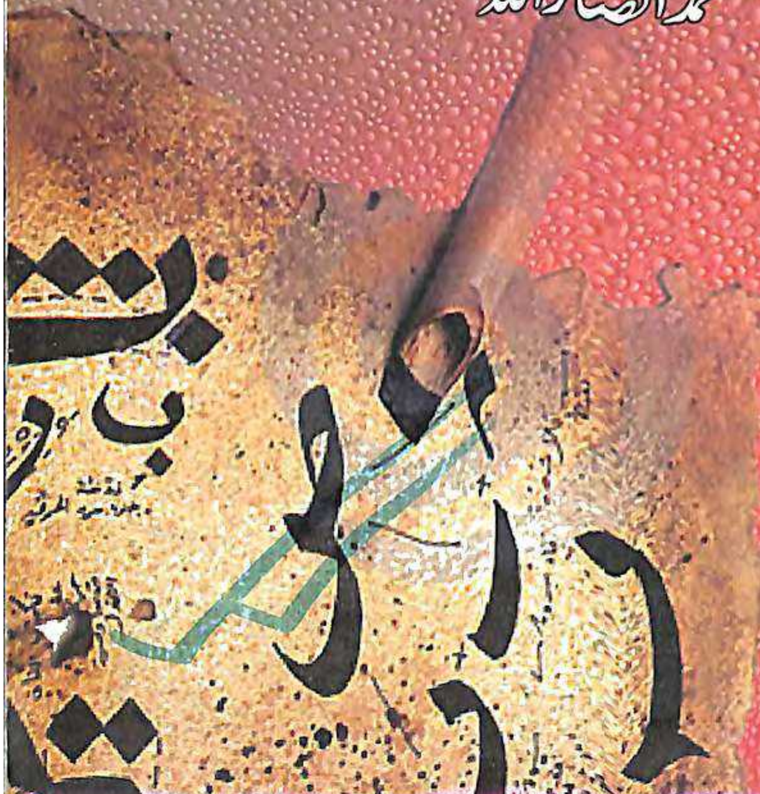

تاریخ ادب اردو

(۱۸۵۷ - ۱۸۸۸)

تاریخ ادب اردو

جلد چہاردہم

(1838 تا 1857)

محمد انصار اللہ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔110025

©قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت : 2015
تعداد : 550
قیمت : -/215روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1863

Tareekh-e-Adab-e-Urdu Vol.14

By: Mohammad Ansarullah

ISBN :978-93-5160-095-4

ناشر: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی110025، فون نمبر:49539000، فیکس:49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر- کے- پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر:26109746
فیکس:26108159 ای میل:ncpulsaleunit@gmail.com
ای میل:urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ:www.urducouncil.nic.in
طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی-110006
اس کتاب کی چھپائی میں70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جاسکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضیٰ کریم)
ڈائرکٹر

فہرست

	مقدمہ	vii
-1	خطۂ بہار	1
-2	بنگال اور مضافات	15
	i کلکتہ	19
	ii مرشدآباد	51
	iii ڈھاکہ	55
	iv سلہٹ	63
-3	اُڑیسہ	77
-4	گجرات	85
	i احمدآباد	91
	ii بڑودہ	101
	iii بھڑوچ	107
	iv سچین	123

v	سورت	127
vi	کھمبایت	139
-5	برار و صوبہ متوسط	149
i	ایلچ پور	153
ii	جل گاؤں	159
iii	ملکاپور	161
-6	بمبئی	165
-7	ناگپور و کامٹی	223
-8	دکن	249
i	حیدرآباد دکن	253
ii	ویلور	313
iii	کرنول	339
iv	بنگن پلی	363
-9	کرناٹک	369
-10	مدراس	409
	ضمیمہ	465
-1	نیپال	467
-2	برما	471
-3	جزائر انڈمان	475
-4	پنانگ	481
-5	مکہ معظمہ	485
	ماخذ	489

مقدمہ

شاہ عالم ثانی آفتاب تخلص کی وفات کے بعد ان کے فرزند دلبند محمد اکبر شاہ ثانی شعاع تخلص تخت نشین ہوئے۔ نام کے تو وہ اکبر تھے، لیکن فی الحقیقت باپ سے بھی زیادہ جکڑ بندوں میں تھے۔ ان کے عہد میں انگریزوں کا غلبہ بلکہ تسلط روز افزوں تھا۔

1253ھ/1837ء میں اکبر شاہ نے وفات پاء اور ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی خاتم سلاطین گورگانی ان کے جانشین ہوئے۔ سرکار کمپنی بہادر کی طرف سے ان کے مصارف کے لیے ایک لاکھ روپے ماہانہ مقرر کر دیا گیا لیکن اس رقم میں بھی موقع بہ موقع اپنی صواب دید کے مطابق کمپنی کی جانب سے تخفیف ہوتی رہی تھی۔

کمپنی کے معاملات میں استحکام آتا گیا۔ اس کی ضروریات ہی نہیں، مقاصد اور کارپردازیوں میں بھی ترقی اور اضافے ہوتے گئے۔ اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں اس کا حاکم اعلیٰ گورنر کہلاتا تھا۔ پھر وہ گورنر جنرل ہو گیا۔ شروع میں بادشاہی سکوں سے ہی کمپنی کا کام چلتا تھا۔ پھر کمپنی نے خود اپنا سکہ جاری کر دیا۔ ابتدا میں مدارس اور کلکتہ وغیرہ شہروں میں کمپنی کے نئے کارپردازوں کی تعلیم کے لیے اسکول کھولے گئے تھے۔ پھر خود ہندوستانیوں کی تربیت کے لیے تصنیف و تالیف کے کام بھی کیے گئے۔

تاریخ ادب اردو کی اس چودھویں جلد میں زبان وادب کے چھوٹے بڑے جن مراکز کی علمی کارکردگی کا احوال قلمبند کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

خطۂ بہار (عظیم آباد، پٹنہ)، بنگال اور مضافات (کلکتہ، مرشد آباد، ڈھاکہ، سلہٹ)، اڑیسہ، گجرات (احمد آباد، بڑودہ، بھڑوچ، بھیمن، سورت، کھمبایت)، صوبہ متوسط و برار (ایلچ پور، جل گاؤں، ملکا پور)، بمبئی، ناگپور، کامٹی، دکن (حیدر آباد، ویلور، کرنول، قمر نگر)، بیگن پلی، کرناٹک، مدارس مع ضمیمہ نیپال، برما، جزائر انڈمان، پنانگ (ملایا) مکہ معظمہ وغیرغور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام مراکز براہ راست اور بالواسطہ انگریزی عمل داری کے زیر اثر تھے۔ یہاں کی علمی، ادبی تخلیقات بھی ان اثرات سے کم وبیش خالی نہیں تھیں۔

تاریخ زبان کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ باہر سے آنے والی مسلم جماعتوں نے ہندوستان جنت نشان کی ایک ایک چیز سے (جس میں یہاں کی چھوٹی بڑی بہ کثرت زبانیں بھی شامل ہیں) کماحقۂ دلچسپی لی تھی۔ سلطان محمود غزنوی نے کلمۂ طیبہ کا سنسکرت زبان میں ترجمہ کروا کر اپنے سکہ پر نقش کروادیا تھا۔ اس کے اس عمل سے سنسکرت زبان ہی نہیں، اس زبان کے رسم خط اور لفظیات سے بھی اس کی دلچسپی ظاہر ہے۔ اس دلچسپی کا سلسلہ آج تک بھی جاری ہے چنانچہ سنسکرت کی بے شمار کتابیں اردو خط میں چھپی ہوئی کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ زبان اردو کی مذکورہ روایت کے پیش نظر انگریز حکام بھی اہل ہند سے کہنے لگے تھے کہ "سنسکرت کے علوم کو پھر زندہ کردو" اور ان کی ان ہدایتوں کے مطابق نظم ونثر کی مختلف اصناف میں، گوناگوں معاملات ومسائل سے متعلق کتابیں لکھی جانے لگی تھیں مثال کے طور پر چند کتابیں یہ ہیں:

الف۔ تصانیف فورٹ ولیم کالج، کلکتہ

سکنتلا (ناٹک)، سنگھاسن بتیسی، از کاظم علی جواں

آرائش محفل (داستان)، توتا کہانی، از حیدر بخش حیدری

نقلیات ہندی، تاریخ آسام، از بہادر علی حسینی

دستور ہند (بارہ ماسہ) از کاظم علی جواں

ب۔ تصانیف فورٹ سینٹ جارج کالج، مدراس

سفر نامۂ ایران، عرب، عراق، از تراب علی نامی
صنم کدۂ چیں، تذکرۂ احبا، از سید حسین شاہ حقیقت
انگریزی، اردو، فارسی لغت، دلیل ساطع (سنسکرت، فارسی، اردو لغت) از مہدی واصف
منتخب الصرف، مقدمہ دیوان افسوس، از میر حیدر بلگرامی
علی بابا چالیس چور (ڈراما) از کیپٹن گرین آوے

اس نہج پر یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بہت مشہور ہے کہ اردو کی نشو ونما کے سلسلے میں صوفیائے کرام نے بہت وقیع خدمات انجام دی ہیں لیکن اردو کی درسیات میں ان کی تصانیف کا مطالعہ برائے نام ہی شامل ہو پاتا ہے۔ اس پر ستم یہ بھی کیا ہے کہ ہمارے محققین نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ:

''یہ لوگ (صوفیائے کرام) اپنی نظموں میں عروض وقافیہ اور نظم وغیرہ کے اصول وقواعد کی پرواہ نہیں کرتے .... ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر لینا تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔''

صحیح حقائق تک پہنچنے کے لیے متون کی صحیح قرأت ضروری ہے اور اس کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ شاعر یا مصنف کے مسکن اور ماحول کا صحیح علم حاصل کیا جائے۔

مشہور ہے کہ اردو اور ہندی میں صرف رسم خط (تحریر) کا فرق ہے لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے چنانچہ

ڈہ (اردو اور ڈہ (ہندی)، یہ (اردو) اور یہ ہندی وغیرہ کے تلفظ سے ظاہر ہے۔ اسی طرح بعض آوازوں (حروف کا بھی معاملہ ہے مثلاً ڑاں (k.) (ہندی) اور ن (u) (اردو اور 'ژ' (اردو) کے وجود سے پتا چلتا ہے۔

اس کتاب میں بہ حد امکان صحیح حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی قسم کا دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا ہے البتہ قارئین سے درخواست ہے کہ کوتاہیوں اور خامیوں پر گرفت کرنے کے بجائے از راہِ علم نوازی ان کی تصحیح فرما کر احسان کریں۔ شکریہ۔

محمد انصار اللہ

4/1172 سرسید نگر، علی گڑھ (یوپی)

۱-خطۂ بہار

عظیم آباد (پٹنہ)

الف - شاعری 3

1- اظہر- میر غلام علی 4

2- تمکین- میر سعادت علی 4

3- بحر- نواب علی احمد خاں 4

4- سلطان- خواجہ سلطان خاں 5

5- ناطق- شیخ احمد شاہ 6

6- قیصر- سید محمود علی 6

7- حیران- میر منور 7

8- مستان- مستان شاہ 7

ب - نثر 9

1- منشی محمد بخش 9

2- سید محمد مرزا 10

3- سید محی الدین قادری 10

4- مولوی ولایت علی 11

الف - شاعری

شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی سے بہار، بنگال، اڑیسہ کی دیوانی حاصل کر لینے کے بعد ملک پر عملاً انگریز حکمراں ہو گئے تھے اور کلکتہ کو صدر مقام یا دارالامارت کا درجہ بھی حاصل ہو گیا تھا۔ انتظامی ضرورتوں سے 1825 (1240ھ) میں پٹنہ کو خاص ضلع بنا دیا گیا اور 1837 (1253ھ) میں عدالتوں اور سرکاری دفتروں میں فارسی کے استعمال کو اٹھا دیا گیا۔ یہ گویا اس بات کی علامت تھی کہ اب اس ملک سے زبان فارسی کا عمل اٹھ گیا۔ اسی زمانے میں بہار میں سید احمد صاحب کی تحریک جہاد زور پکڑ گئی چنانچہ مذکور ہے :

> "مولوی ولایت علی و مولوی عنایت علی و مولوی شاہ محمد حسین نے...... تمام بنگالہ و بہار کے لیے عظیم آباد پٹنہ کو اپنی تنظیم کا صدر مقام قرار دیا........ مولوی عنایت علی نے پھر ایک جمعیت قائم کر کے پنجاب پر دھاوا کیا لیکن انگریزوں نے پھر شکست فاش دی۔" 1

اس طرح عظیم آبادی کی نظم و نثر پر مذہب کا اثر غالب رہا تھا۔

مذکورہ حالات میں عظیم آباد سے مغرب کے دور دراز مقاموں تک آمد و رفت کے سلسلے جاری رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یہاں کی زبان پر دتی بلکہ پنجاب تک کی بول چال کا کم و بیش اثر

مرتب ہونے لگا تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہار میں انگریزی تسلط کے خلاف نفرت کے جذبات بھی نمایاں رہے ہیں۔

1- اظہر-   میر غلام علی

محسن نے ان کے حالات اس طرح لکھے ہیں :

"میر غلام علی مرحوم اظہر دہلوی، ترک دنیا کرکے عظیم آباد میں گوشہ نشین رہے۔ وہیں وفات پائی۔ صاحب دیوان فارسی و ریختہ شاگرد میر شمس الدین فقیر۔"2

ان کا ایک شعر یہ ہے ؎

نہیں ہے مردمکِ چشم ساتھ آنسو کے   نکل کے داغ جگر جم رہا ہے آنکھوں میں

2- تمکین-   میر سعادت علی

"تمکین تخلص، میر سعادت علی ساکن قدیم عظیم آباد، وارد حال دہلی، زبان پاکیزہ اور اشعار دلچسپ رکھتا ہے۔ سن پچاس سے متجاوز اور طبیعت میں ظرافت مضمر ہے۔"3

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

دردوغم، رنج واضطراب وقلق   حال کیجے بیاں تو کس کس کا

گر نشہ ہے یہی نگہ میں تری   مے کے پینے کی احتیاج نہیں

عظیم آباد میں لکھنو کے اثرات بھی پہنچ رہے تھے چنانچہ بعض شاعروں کا احوال اس طرح لکھا ہے :

3- بحر-   نواب علی احمد خاں

ڈپٹی کلب حسین خاں نادر نے ان کے بارے میں بس اتنی اطلاع قلمبند کی ہے کہ :

"بحر نواب علی احمد خاں رئیس عظیم آباد شاگرد ناسخ مرحوم "4

افسوس یہ ہے کہ نساخ نے بھی ان کے حالات میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ ان کی ایک غزل کا مطلع یہ ہے ؎

تیرے دنداں نے کیے گوہرِ غلطاں پیدا   لب رنگین سے ہوئے لعل بدخشاں پیدا

4- سلطان- خواجہ سلطان خاں

سعادت خاں ناصر کے تذکرے میں ان کا احوال اس طور پر درج ہے :

''خوش لہجہ شیریں بیان خواجہ سلطان خاں تخلص سلطان خلف الصدق نواب حسین علی خاں بہادر رئیس عظیم آباد۔ سلسلہ ان کے نسب کا خواجہ میر درد صاحب سے ملتا ہے۔ بہ طریق سیر لکھنؤ میں تشریف لائے تھے چنانچہ اکثر صحبت مشاعرہ میں قدم رنجاں ہوتے تھے۔ چونکہ احوال ان کی شاگردی کا مفصل معلوم نہیں لہٰذا اس فصل میں ان کو لکھا جاتا ہے۔''5

نساخ نے صرف بعض باتوں کا اضافہ کیا ہے، اس طرح :

''سلطان تخلص خواجہ طالب علی خاں عُرف خواجہ سلطان جان مرحوم......رئیس عظیم آباد مقیم گیا۔ اولاد میں خواجہ عبیداللہ احرار کے تھے۔ سلسلہ ان کے نانیہال کا درد سے ملتا ہے۔ موسیقی میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ بہت دنوں تک کلکتہ میں آ کر رہے تھے۔ تین دیوان ان کے نظر سے گذرے۔ اشعار اردو فارسی خوب کہتے تھے۔ 1272ھ (1856) میں کلکتہ سے گیا جی جا کر انتقال کیا۔ راقم کے دوستوں میں تھے۔

راقم نے یہ تاریخ ان کی وفات کی لکھی ہے ع

خواجہ سلطان جان، بمرد افسوس گفت ''6

1272ھ

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے کتب خانہ میں ان کا قلمی دیوان جو 1260ھ (1844) کا کتابت شدہ ہے محفوظ ہے۔7 ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

اک نئی طرح کا ہر حلقہ نے پھندا مارا تو نے اے زلفِ مسلسل مجھے اُلجھا مارا
کر چکی تو وہ گل ہنس کے بولا بھرا ہے پھولوں سے دامن ہمارا
چاہیے عاشق و معشوق میں گرما گرمی وصل کی رات نہیں خوب یہ شرما شرمی
پڑھی جو بادہ کشوں نے نماز استسقا تو جھوم کر طرفِ قبلہ سے گھٹا آئی

عظیم آباد کے بیشتر شاعروں اور نثر نویسوں کو دلّی، لکھنؤ اور کلکتہ وغیرہ مراکز کے نام بر آوردہ اربابِ فکر و فن سے کسبِ فیض کے مواقع موجود تھے۔ انھوں نے غزل کے ساتھ ساتھ دوسری مروّجہ شعری اصناف میں بھی اپنی لیاقت اور صلاحیت کے مطابق طبع آزمائی کی تھی اور بیشتر صاحب دیوان اور صاحبِ تصانیف بھی ہوئے تھے چنانچہ بعض کے حالات اس طرح ہیں :

5- ناطق- شیخ احمد شاہ

ناطق عظیم آباد کے خطّے کے رہنے والے پُرانے شاعروں میں سے تھے۔ سعادت خاں ناصر نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے :

> "عارف حقایق شیخ احمد شاہ تخلص ناطق خلف محمد شاہ، ساکن سکندر پور توابع عظیم آباد، شاگرد مرزا عنایت علی ماہ۔"8

شاعر کی حیثیت سے اپنے زمانے میں انھوں نے شہرت حاصل کی تھی اور معاش کے وسیلے سے مختلف شہروں میں مقیم رہے تھے۔ محسن نے ان کے بارے میں نسبتاً بہتر معلومات قلمبند کی ہیں :

> "وکیل عدالتِ دیوانی غازیپور شیخ احمد شاہ ناطق ولد شیخ محمد شاہ باشندہ سکندر پور توابع عظیم آباد بہ سبب قرابت شیخ محمد شفیع وکیل کمپنی صدر اکبر آباد میں ملازم ہیں۔ شاگرد مرزا عنایت علی ماہ۔"9

نساخ نے ناطق کے حالات میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ ان کا مطلع یہ ہے ؎

زلف کا مضموں کیا تحریر اپنے ہاتھ سے ہم نے ڈالی پاؤں میں زنجیر اپنے ہاتھ سے

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ناطق قادر الکلام شاعر تھے اور مشکل ردیفوں میں بھی غزل کہہ لیتے تھے۔

6- قیصر- سید محمود علی

> "سید محمود علی نام، قیصر تخلص، پھلواری کے رہنے والے، شاہ غلام اعظم افضل الٰہ آبادی کے شاگرد تھے۔ ان کے دیوان "طومارِ عشق" کا ایک ناقص الآخر قلمی نسخہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری کے کتب خانے میں ہے۔ اس کا آغاز اس مصرع سے ہوا ہے ؏
>
> کہہ تو ہر بابِ مہم میں لفظِ بسم اللہ کا"10

یہ نسخہ "ردیف الف تا راے فارسی" ہے۔

مذکورہ کتب خانے میں ایک "بیاض اشعار قیصر پھلواروی" بھی ہے۔11؎ ظاہراً اپنے علاقے میں یہ مقبول شاعروں میں سے تھے۔

7- حیران- میر منور

یہ بھی اپنے وقت کے قابلِ ذکر شاعروں میں تھے چنانچہ محسن نے لکھا ہے :

"میر منور مرحوم حیران عظیم آبادی مرثیہ گو۔ مرثیہ میں مظلوم تخلص، صاحب دیوان"12؎

ان کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ ان کا ایک مطلع یہ ہے ۔

وہ ظالم ایک دن بھی آن کر بیٹھا نہ پہلو میں مگر دیکھا ہے یہ حالِ دلِ دیوانہ پہلو میں

8- مستان- مستان شاہ

مستان شاہ نام تھا اور مستان تخلص کرتے تھے۔13؎ انھوں نے مثنوی مولانا روم کا اردو میں ترجمہ شروع کیا تھا اور اپنی مثنوی کا نام "باغِ ارم" رکھا تھا۔ شیخ میاں جان عظیم آبادی نے 1279ھ (63-1862) میں اس کی ایک سو اٹھاون صفحوں پر کتابت کی تھی۔ یہ قلمی نسخہ کتب خانہ خدابخش میں محفوظ ہے۔

ب - نثر

عظیم آباد میں اس زمانے میں نثر نویسی کا بھی رواج ہو چلا تھا اور مختلف موضوعات اور علوم سے متعلق نثری رسالے اور کتابیں لکھی جارہی تھیں۔

1- منشی محمد بخش

ڈپٹی عبدالغفور خاں نساخ نے شائق کا ذکر شاعر کی حیثیت سے کیا ہے:

''شائق تخلص منشی محمد بخش، ساکن حال عظیم آباد۔'' 1

اب ان کا کاسنہ سر پائمالِ عالم ہے　　کہ جن کا تھا نہ کوئی ہمسر آسماں کے تلے

انھوں نے حساب کا ایک رسالہ ''نسخہ مفید الحساب'' کے نام سے لکھا تھا جو سید امیر علی کے اہتمام سے مطبع کبریٰ شاہ ابوتراب میں چھپا تھا۔

''خاتمۃ الطبع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ کتاب پہلی بار مطبع کبریٰ عظیم آباد ضلع پٹنہ میں بہ تاریخ یکم صفر 1271ھ طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ آخر کتاب میں قطعہ تاریخ تصنیف از مصنف (= سید محمد بخش شائق) ہے جس سے 1271ھ (1855) برآمد ہوتے ہیں۔ کُل صفحات: 30'' 2

2- سید محمد مرزا

"سید محمد مرزا نام تھا۔ شاہجہاں آباد کے رہنے والے، عظیم آباد میں آ کر رہنے لگے تھے شعر بھی کہتے تھے۔[3] لیکن ان کا تخلص معلوم نہیں ہو سکا۔ انھوں نے اس زمانے کی ضرورت کے مطابق ایک رسالہ "پھینک یعنی رسالہ شمشیر زنی" لکھا تھا جس کی ضخامت کل چودہ ورق کی ہے۔ اس کی ابتدا اس شعر سے کی ہے ؎

کروں پھینک کا حال کل آشکار الٰہی بہ خوبی ہو انجام کار

رسالہ کو ذیل کے فقروں پر ختم کیا ہے :

"......اندر کی جان کٹی مار، باہر کی جان کی مار، پھر اندر کی جان کی مار، چیر مار، چھاتی پر کی انی مار، طپانچہ مار، باہرہ مار"

3- سید محی الدین قادری

سید محی الدین قادری نام تھا۔ ان کے حالات اس طرح لکھے ہیں :

" مصنف کے والد کا نام سید محمد علی ابوالبرکات تھا۔ وہ سید شاہ شمس الدین کے فرزند تھے۔ پھلواری وطن تھا جو عظیم آباد پٹنہ کا ایک قصبہ ہے۔ موصوف اپنے وطن سے نکل کر حیدرآباد آئے اور یہاں آصف جاہ رابع ناصر الدولہ نے منصب جاری فرمایا.....آصف جاہ کے حضور تک رسائی کا ذریعہ حکیم سید محمد صاحب مشہور سید صاحب ہوئے.....اس کے دیباچے میں ہے۔ ابن الحجر الہاشمی المکی کتاب صواعق محرقہ تصنیف فرمائے۔ سنہ 994ھ مولانا کمال الدین نے .....بہ فرمائش وزیر دلاور خاں عادل شاہی کے صواعق محرقہ کو فارسی زبان میں ترجمہ کیے اور نام اس کا براہین قاطعہ در ترجمہ صواعق محرقہ رکھے.....سید محی الدین قادری.....سنہ 1256ھ نبوی صلعم (1840) روز دوشنبہ غرہ شہر ربیع الاول میں اس کو زبان ہندی اردو میں کیا۔ اس کا نام "شرف الصحابہ ترجمہ براہین قاطعہ" رکھا۔ یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔"[4]

4- مولوی ولایت علی

مولوی ولایت علی کا ذکر شروع میں آچکا ہے۔ صادق پور کے رہنے والے اور علاقہ بہار میں حضرت سید احمد بریلوی کی تحریک کے روح رواں تھے۔ 1854 (71-1270ھ) میں وفات پائی۔ صادق پوری علما کی کئی تصانیف کا ڈاکٹر اختر اورینوی نے ذکر کیا ہے۔ مگر رسالہ نکاحِ ثانی ان کے علاوہ ہے۔ جناب نصیرالدین ہاشمی نے اس کے بارے میں لکھا ہے :

> "ہندو بیوہ کے عقد ثانی نہ کرنے کے باعث مسلمانوں میں بھی اس قسم کا دستور عام طور سے ہو گیا تھا۔ مولوی ولایت علی نے اس رسم قبیح کو دور کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس رسالہ کے ذریعہ اس خصوص میں عام فہم زبان میں شرعی احکام لکھے"
>
> آغاز - سب خوبیاں اللہ ہی میں ہیں اور اللہ کے ہوتے دوسرے کی تعریف کرنا اللہ کی قدر ردانی سے بعید ہے اور درود محمد مصطفیٰ صلعم کو، بعد ان کی آل و اصحاب کو کہ سوائے ان کی پیروی کے کسی طرح نجات نہیں........
>
> اختتام - رحم کر اپنی جوان بیٹی پر، کسی کو ڈھونڈ کر اس کا نکاح جلدی کر، ورنہ دیکھو مستی میں جس دن آوے گی ضرور گھر میں تیرے آگ وہ لگائے گی۔

ترقیمہ - اس رسالہ نکاح ثانی تصنیف مولوی ولایت علی واعظ ساکن عظیم آباد بہ ید محمد شرف الدین۔

ظاہر ہے کہ عظیم آباد میں اسی طور پر مختلف علوم و فنون سے متعلق اور کتابیں بھی لکھی گئی ہوں گی۔ زبان ان کتابوں کی عموماً صاف، سلیس اور بول چال سے قریب ہے۔ اسی لیے یہ کتابیں مقبول اور زیادہ مفید ثابت ہوئیں۔

OOO

حواشی

الف - شاعری

1-	تاریخ مگدھ		ص410 تا 411
2-	سراپا سخن		ص104
3-	گلستان سخن	جلد 1	ص352
4-	تذکرہ نادر		ص40
5-	خوش معرکہ زیبا	جلد 2	ص519
6-	سخن شعرا		ص219
7-	فہرست نمائش پٹنہ	جلد 1	ص11
8-	خوش معرکہ زیبا	جلد 2	ص606
9-	سراپا سخن		ص192
10-	فہرست نمائش پٹنہ		ص12
11-	ایضاً		ص15
12-	سراپا سخن		ص241

13۔	فہرست مخطوطات اردو	جلد1	ص12

ب - نثر

1۔	سخن شعرا		ص240
2۔	یادنامۂ داودی		ص225
3۔	علی گڑھ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص114
4۔	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص164 تا165
5۔	بہار میں اردو		ص385 ومابعد

2- بنگال اور مضافات

i- کلکتہ

ii- مرشد آباد

iii- ڈھاکہ

iv- سلہٹ

		کلکتہ	19
		الف - شاعری	21
1-	بسمل-	نواب امیر حسن خاں	21
2-	مسلم-	میر فرزند علی	22
3-	آشنا-	عبدالکریم خاں	23
4-	حیدر-	مصطفیٰ حیدر	23
5-	ارمان-	جے جی متر	24
6-	آگہ-	جوالا ناتھ	24
7-	ملک-	جگن ناتھ پرشاد	24
8-	اصغر-	نواب علی اصغر خاں	25
9-	حامد-	گھمنڈی لعل	26
10-	محوی-	میر باسط علی	26
11-	نادر-	سید آغا	26
12-	وحشت-	حافظ رشید النبی	26
13-	ضیغم-	حافظ اکرام احمد	27
14-	سلطان-	اعظم الدین	28

15-	بیدل-	عنایت علی	28
16-	نادر-	سید نجم الدین حسین	28
17-	انخ-	سید ابو تراب	29
18-	سلیم-	میر عباس	30
19-	بہار-	مرزا علی	31
		ب - نثر	33
1-	جیمس کارکرن		34
2-	عبدالرحیم		36
3-	احمد علی		39
4-	پادری شرمن		39
5-	عالم علی		39
6-	بدر عالم صاحب		41
7-	اس سلاٹر		42
8-	منگو پارک		42
9-	غلام نبی جان		42
10-	مولوی غلام نبی		44
11-	راجہ جنم جی متر		44
12-	امان علی		46
13-	امیر حسن خاں		49
		مرشد آباد	51
		الف - شاعری	51
1-	حسن-	حکیم احمد حسن	51
2-	شرف-	میر محمدی	52

	ب - نثر		53
-1	محمد مسیح الدین خان بہادر		53
	ڈھاکہ		55
	الف - شاعری		55
-1	حرق-	میر حسن مرزا	55
-2	شائق-	خواجہ فیض الدین	56
-3	ضیا-	منشی وارث علی	57
	ب - نثر		59
-1	آقا احمد علی		59
-2	سید واحد علی		60
	سلہٹ		63
	الف - شاعری		63
-1	بیخود-	مولوی فرجام علی	64
-2	آشفتہ-	منشی عبداللہ	64
-3	حسن-	مولوی محمد حسن	65
-4	خواجہ-	مولوی عبدالعزیز	65
-5	علی احمد-	محمد علی احمد خاں	65
-6	حامد-	اللہ بخش	66
-7	سعید-	سعید بخت	66
-8	مست-	اشرف علی	67
-9	عبدالقادر-	عبدالقادر رئیس	69
	حواشی		71

کلکتہ

دلّی اور لکھنؤ وغیرہ مراکز کے بسنے والوں کو اپنے اپنے شہر سے جو غیر معمولی جذباتی لگاؤ رہا ہے، اس سے قطع نظر یہ حقیقت ان پر بھی روزِ روشن کی طرح آشکار تھی کہ عملاً برصغیر کے بیشتر حصہ پر اب انگریزوں کا تسلط ہو چکا تھا اور اس ملک کا پایۂ تخت اب کوئی اور شہر نہیں، کلکتہ تھا جہاں انگریز گورنر جنرل ہندوستان کے مطلق العنان فرمانروا کے طور پر رہتا تھا۔ دوسرے مراکز سے قطع نظر خود لکھنؤ اور دہلی والوں کو بھی اپنے معاملات ومسائل کے حل کے لیے دارالسلطنت کلکتہ کے حکام سے رجوع کرنا پڑتا تھا۔ حالات کی اس تبدیلی کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ رفتہ رفتہ کلکتہ کو علمی اعتبار سے ملک کے ایک لائق توجہ مرکز کا درجہ حاصل ہو چلا تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کلکتہ کی تصانیف اور اس شہر میں ہونے والے مختلف علمی کاموں کے اثرات اطراف ملک کی نظم ونثر پر بسا اوقات بہت بدیہی طور پر نظر آتے تھے۔

فورٹ ولیم کالج کے زمانۂ عروج میں وہاں کے منشیوں نے اپنی نظم ونثر کے لیے ملک گیر سطح پر نام کما لیا تھا لیکن جب اس پر زوال آیا تو کلکتہ کے شاعروں اور نثر نگاروں کی شہرت بھی ماند پڑ گئی۔ یہ بھی ہوا کہ مقامی لوگوں کے تصنیفی اور تالیفی کاموں سے دلچسپی بھی کم تر ہوتی چلی گئی۔ اس زمانے کے مفید ترین علمی کاموں میں مولوی ظہور علی کی ''فہرس کتب قلمی ومطبوع

کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی'' بھی تھی جس کو جیمس پرنسپ نے خود اپنے اہتمام میں 1253ھ (13 نومبر 1837) میں مطبع گلدستہ نشاط میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس کا پورا نام اس طرح بتایا گیا ہے :

''فہرس کتب قلمی و مطبوع کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی.....مع کتب کالج فورٹ ولیم یعنی مدرسہ انگریزی شہر کلکتہ کہ نقل و تحویل دریں کتبخانہ رسیدہ۔'' 1

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں اور چیزوں سے قطع نظر خود فورٹ ولیم کالج کا نام بھی وضاحت (= تعارف) طلب ہو گیا تھا حالانکہ کالج لشتم پشتم ہی سہی، اس کے کئی برس بعد تک بھی موجود رہا تھا۔

الف - شاعری

لکھنؤ میں شاہی کے قیام کے زمانے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ حکام انگریزی کی زیادہ سے زیادہ توجہ ملک میں اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کی طرف رہی تھی۔ ہندوستانی زبانوں اور ادبیات کی ترویج و اشاعت کو گویا ضمنی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ اردو نظم و نثر کے سیکھنے کی طرف بھی یوروپ سے آنے والوں کی دلچسپی کمتر ہوگئی تھی۔ خود کلکتہ میں ایسے انگریز گنے چنے تھے جو اردو میں شعر کہنے پر قدرت رکھتے تھے، البتہ دو چار ایسے لوگ ضرور تھے جنھوں نے اردو نثر میں بعض کام کیے تھے۔

کلکتے کے مقامی شاعروں کی تعداد اس زمانے میں زیادہ نہ سہی، قابلِ ذکر ضرور تھی لیکن ان میں کم ایسے تھے جن کا نام اور کلام لکھنؤ اور دہلی تک پہنچ سکا ہو۔ بعض یہ ہیں :

1- بسمل- نواب امیر حسن خاں

مرزا قادر بخش صابر نے ان کے حالات میں مفید معلومات قلمبند کی ہیں۔ مختصراً اس طرح :

> ''بسمل تخلص، نواب امیر حسن خاں، ساکن دارالامارۃ کلکتہ۔ ہر چند دولتِ دنیا سے اس قدر بہرہ حاصل تھا کہ گدائے محلّہ اس کی زکوٰۃ سے صاحب نصاب ہو کر اپنی بضاعت سے اتنی زکوٰۃ نکالتا کہ اگر اس کا عشر عشیر خسرو پرویز کو ہاتھ لگتا تو آٹھواں خزانہ اور معمور ہو جاتا ......دقائقِ سخن سے کما ہی آگاہ اور صنائع

وبدائع میں کامل دستگاہ.....حضرت صہبائی سے.......خط وکتابت کے وسیلے سے رابطۂ خلت کو بڑھایا۔ ایک رقعہ الفاظ بے نقط میں ان کی خدمت میں بھیجا تھا......چند سال ہوئے کہ.....عالم آخرت کو راہی ہوا۔"2

نساخ نے ان کی ولدیت وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے:

"بسمل تخلص امیر حسن خاں خلف عاشق علی خاں سفیر شاہ اودھ باشندہ کاکوری، کلکتہ میں رہتے تھے۔ یہیں انتقال کیا۔ بیشتر فارسی کہتے تھے۔"3

ان کے اردو کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

ہائے کیا دیوانہ دل نے کام یہ بیجا کیا آپ تو دیوانہ تھا ہی مجھ کو بھی رسوا کیا
دریا میں رات کو جو نہانے لگا وہ شوخ فانوسیں گرد ہوگئیں روشن حباب کے

2- مسلم- میر فرزند علی

محسن کے تذکرے میں ان کا حال اس طرح درج ہے :

"میر فرزند علی مسلم ولد میر حسین علی وطن قدیم عظیم آباد، مسکن کلکتہ محرر صدر دیوانی کلکتہ"4

نساخ نے ان کے بارے میں قدرے بہتر معلومات قلمبند کی ہیں:

"مسلم تخلص میر فرزند علی خلف میر حسین علی محرر عدالت دیوانی صدر کلکتہ، باشندۂ کلکتہ شاگرد حافظ حسیم۔ شعر ان کے اچھے ہوتے ہیں۔ اپنی شاعری کا بڑا غرور رکھتے تھے۔ راقم کے ملاقاتیوں میں تھے۔ عین شباب میں 1276ھ (1259-60) میں فوت کی۔"5

راقم نے ان کے انتقال کی یہ تاریخ کہی ہے ع

مسلم ہے اب داخل جنت
1276ھ

مسلم کے دو شعر یہ ہیں ؎

عشق بتاں میں عمر کٹی آہ کیا کیا کیا منہ دکھائیں گے تجھے اللہ کیا کیا
رکھ کے سر سوئیں کبھی زانو پہ اے دل یار کے اپنی بھی تقدیر ہو تقدیر پشتِ آئینہ

کلکتہ کے اس زمانے کے قابلِ ذکر شاعروں میں سے بعض فورٹ ولیم کالج میں ملازمت کرتے تھے۔

3- آشنا- عبدالکریم خاں

گوکل پرشاد رسا نے ان کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ :

"آشنا مولوی عبدالکریم خاں منشی فورٹ ولیم کالج باشندہ کشن نگر اور کلکتے کی بود و باش پسند فرمائی تھی۔ شاعری کی طرف بہت کم متوجہ تھے۔ دس بارہ برس ہوے کہ دنیا سے مزرعۂ آخرت کی راہ لی۔" 6

ڈپٹی عبدالغفور خاں نساخ کے تذکرے میں ان کے حالات میں تحریر ہے :

"آشنا تخلص مولوی عبدالکریم خاں منشی فورٹ ولیم کالج، باشندہ کشن نگر، کلکتے میں رہتے تھے شعر بہت کم کہتے تھے لیکن جو کہتے تھے نہایت پاکیزہ کہتے تھے۔ سات آٹھ برس ہوے کہ انتقال کیا۔ راقم کے دوستوں میں تھے۔" 7

4- حیدر- مصطفیٰ حیدر

"حیدر تخلص، منشی مصطفیٰ حیدر خلف مولوی غلام حیدر مرحوم، سررشتہ دار فورٹ ولیم کالج کلکتہ ومدرس فارسی بہرہ مدرسہ عالیہ کلکتہ۔ وطن ان کا چاٹگام، مولد بنارس، مسکن کلکتہ اشعار اپنے راقم کو دکھلاتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں نہایت شوخی ہے۔ صاحب دیوان ہیں۔" 8

ان اقتباسوں سے معلوم ہوتا ہے کہ 1857 سے کچھ مدت پیشتر تک بھی فورٹ ولیم کالج کام کر رہا تھا۔

ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے بنگال میں اردو شاعری کے ذکر میں یہ عجیب بات تحریر کر دی ہے کہ:

"نصف 19 ویں صدی کے بعد ہم اردو شعرائے بنگال میں بنگالی ہندو نہیں پاتے ہیں لیکن مسلمان بنگالی شعرا یعنی وہ مسلمان جن کی مادری زبان بنگلہ ہے، ضرور پاتے ہیں۔" 9

یہ بیان نہایت گمراہ کن اور قطعی غلط ہے۔اس زمانے میں دوسرے شہروں کے علاوہ خود کلکتہ میں بھی ہندو شاعروں کی بہت اچھی تعداد تھی بلکہ ان میں سے بعض تو خاصے نام برآوردہ بھی ہوئے تھے۔مثلاً :

راج کشن دیپ بہادر راجا، جادب کشن دیب بہادر مشفق، اپورب کشن بہادر کنور وغیرہ۔

5- ارمان- جنمے جی متر

انھوں نے خود اپنے بارے میں اتنا لکھا ہے کہ :

''ارمان تخلص، نام جنمے جسے متر، مولف اس نسخۂ (دلکشا) کا، نبیرہ بیکنٹھ باشی راجا پتامبر متر بہادر۔کلکتہ کے باشندے۔''10

نساخ نے البتہ ان کے حالات میں معقول اضافہ کیا ہے :

''ارمان تخلص راجا جنم جی متر نبیرہ راجا پتمبر متر شاگرد حافظ اکرام احمد ضیغم، حوالی شہر کلکتہ میں سونزی میں رہتے ہیں۔راقم سے ان سے ملاقات ہے۔ان کا ایک تذکرہ شعرائے اردو نظر سے گذرا ہے

کام اپنا نہ کبھی تجھ سے مری جاں نکلا تن سے جاں نکلی مگر دل کا نہ ارماں نکلا

رات بھرنا لے کیا کرتا ہوں، گریہ دن کو پوچھتے کیا ہیں حقیقت مری اوقات کی آپ''11

6- آگہ- جوالا ناتھ

آگہ تخلص پنڈت جوالا ناتھ خلف داتا رام برہمن۔12فارسی بھی کہتے تھے۔کلکتہ میں رہتے ہیں ۔

جان جاتی ہے تڑپتا ہوں پڑا دیکھئے کیا ہو تماشا کیا ہے

تیرا دیدار میسر ہووے اس موا اور تمنا کیا ہے

7- ملک- جگن ناتھ پرشاد

ملک تخلص بابو جگن ناتھ پرشاد ملک رئیس کلکتہ شاگرد میر باسط علی مجوی،13راقم کے دوستوں میں ہیں ۔

دل پہ اک سانپ سا لہراتا ہے اس وقت ملک زلفِ جاناں کی صبا لے کے جو بو آتی ہے

خود ڈاکٹر شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے لکھا ہے کہ :

''لالہ کاشی راج فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ پنجابی میں منشی تھے۔ اردو میں ان کی ایک منظوم تصنیف ''قصہ دل ربا اور دل آرام'' ان کے شاعر ہونے کی دلیل ہے۔''14

کہا جا چکا ہے کہ کلکتہ عملاً پایۂ تخت کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ مختلف وجوہ سے اطراف و جوانب سے لوگ یہاں آتے تھے۔ بعض ان میں سے یہیں رہ جاتے تھے۔ ان کے واسطے سے اردو نظم و نثر کے مختلف اسالیب اور انداز یہاں پہنچتے رہتے تھے اور ان کی بدولت یہاں کی علمی کارکردگی کا معیار بہ تدریج بہتر ہوتا رہتا تھا۔ باہر سے آنے والے چند شاعر یہ تھے۔

8- اصغر- نواب علی اصغر خان

''اہلِ خطہ ظفر الدولہ معتبر الملک رفیع الامرا نواب علی اصغر خان بہادر ناصر جنگ اصغر تخلص، وزیر بادشاہ دہلی ولد علی اکبر، عزیزوں میں نواب شرف الدولہ بہادر وزیر اعظم شاہِ اودھ کے، وطن بزرگوں کا کشمیر، ان کا مولد و مسکن لکھنؤ، صاحب دیوان شاگرد آتش''15

یہ محسن کے تذکرے کا اقتباس ہے۔ نساخ نے اس پر جو اضافہ کیا ہے یہ ہے :

''اصغر...... وزیر ابوظفر بہادر شاہ جنت آرامگاہ...... داماد نواب ظہیر الدولہ غلام یحییٰ خان بہادر وزیر محمد علی شاہ...... کلکتہ میں آکر بہت روزوں تک رہے۔ آخرش 1276ھ کی گیارھویں، ذیقعدہ کو انتقال کیا۔ ہر دو زبان فارسی و اردو میں شعر بہت خوب کہتے تھے۔ راقم کے دوستوں میں تھے۔ صاحب مثنوی و دیوان گذرے۔ راقم نے ان کے انتقال کی تاریخ یہ کہی ہے۔

<u>شنبۂ ذیقعدہ ہے ہے</u>   <u>آہ در دو ہائے غم</u>''16

1276ھ   1276ھ

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

پتہ نہ کوچۂ گیسو میں ہے نہ پہلو میں   تمھیں بتاؤ مجھے پھر کہاں ہے دل میرا
آتا ہے جب کہ یاد مزا اضطراب کا   سینے پہ ہاتھ مار کے کہتا ہوں ہائے دل

9- حامد- گھمنڈی لعل

''حامد تخلص، گھمنڈی لعل، باشندہ مونگیر شاگرد حافظ ضیغم، کلکتہ میں بھی آ ے تھے ۔

نامۂ شوق رقم کرتاہوں اس کو حامد کیوں نہ دو د دلِ مشتاق کبوتر بن جائے''17

10- محوی- میر باسط علی

''محوی تخلص، میر باسط علی عطار الہ آبادی، مقیم کلکتہ شاگرد مظلوم شاہ۔ کئی برس

ہوئے قضا کی۔''18

مظلوم شاہ شیخ ناسخ کے الہ آبادی شاگردوں میں سے تھے چنانچہ محوی کا کلام بھی ایسا ہی ہے ۔

وصل تیرا چاہتاہوں ہر طرح پاس تو بھی ہو تری تصویر بھی

محوی کا شمار کلکتے کے استادوں میں ہوتا تھا چنانچہ ان کے ایک شاگرد ملک کا حال اوپر لکھا

جاچکا ہے۔

11- نادر- سید آغا

''نادر تخلص ڈاکٹر سید آغا بناری شاگرد آتش، مقیم کلکتہ، کئی سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔

ان میں بہت بڑا عیب یہ تھا کہ دوسروں کے شعر کو اپنے نام سے پڑھتے تھے۔''19

تقدیر سے الجھا، نہ میں تدبیر سے الجھا الجھا تو تری زلف گرہ گیر سے الجھا

12- وحشت- حافظ رشید النبی

وحشت تخلص، استاد راقم الحروف مولوی حافظ رشید النبی مرحوم خلف الرشید مولوی

حافظ حبیب النبی مرحوم رقت تخلص، اولاد میں حضرت مجدد الف ثانی کی، مولد

ان کا رامپور، مسکن کلکتہ، ہوگلی میں عہدۂ جلیلہ افتا پر مامور تھے۔ کچھ روز وں

حافظ اکرام احمد ضیغم سے اصلاح لی تھی۔ عربی وفارسی اور اردو اشعار نہایت

خوب و بہ غایت مرغوب کہتے تھے۔ عین شباب میں 1274ھ میں انتقال کیا۔

راقم نے یہ تاریخ کہی ۔

وحشت جادو بیاں مر گئے افسوس آہ''20

1274ھ

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

مہتابی پہ جلوہ ہے جو اس رشکِ پری کا　　عالم ہے رخِ مہ پہ چراغِ سحری کا
مشتاق سمجھ کر مجھے پردے میں ستم ۔　　باتیں سرِ محفل وہ سُنا جاتے ہیں کیسے
مارا پڑا ہوں خنجرِ غمزۂ سعار سے　　ٹانکو دہانِ زخم کو سونے کے تار سے
منہ سے گل اس نے جو کی شمع مزارِ عاشق　　خاکِ پروانہ سے بلبل کی صدا آتی ہے

شروع میں نساخ نے وحشت سے اصلاح لی تھی۔ پھر ان کے کہنے سے انھوں نے ضیغم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ خود نساخ نے لکھا ہے :

> ''میں ڈھاکہ سے پھر کے آنے کے بعد ہوگلی میں استادی مولوی رشید النبی صاحب سے ملنے کو گیا۔ دیکھا کہ ان کو سرکاری کام سے مطلق فرصت نہیں ہے انھوں نے مجھ سے کہا کہ حافظ اکرام احمد ضیغم کلکتہ میں ہیں۔ تم ان سے اصلاح لو۔'' 21ۓ

13- ضیغم۔ حافظ اکرام احمد

> ''ضیغم تخلص جناب حافظ اکرام احمد خلف حافظ قطب الدین مرحوم باشندۂ رامپور، داماد وشاگرد شاہ رووف احمد رافت سرہندی...... پہلے حشمت تخلص کرتے تھے۔ عروض وقوافی وصنایع وبدایع شعری میں فی زماننا بے مثل ہیں۔ جمیع اصنافِ سخن پر قادر ہیں۔ شعر پُر مضمون اور عاشقانہ فرماتے ہیں۔ ہزل اور ریختی اور مرثیہ میں مہمان تخلص کرتے ہیں۔ بہت سے ملکوں کی سیر کی ہے۔ بہت سی زبانوں سے واقف ہیں۔ طب یونانی اور ہندی وڈاکٹری اور بیشتر فنون وہنر میں کامل ہیں۔ چودہ پندرہ برس تک کلکتہ میں تھے۔ سات آٹھ برس سے ڈھاکہ میں تھے۔ کیمیا گر مشہور ہیں۔ 1286ھ (=70-1869) میں انتقال کیا۔ ''23ۓ

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

ہوں شاہ کشورِ سخنِ دلپذیر کا　　کرسی عرش پایہ ہے اپنی سریر کا
ہوگیا افشائے رازِ عشق آہِ سرد سے　　آنا جانا بند کب ہم سے ہوا جاسوس کا

ان کا سلسلۂ تلمذ جرات سے ملتا ہے چنانچہ ناسخ نے بعد کے اساتذۂ لکھنؤ کے کلام پر جو اعتراض کیے تھے ان کے پس پشت ایک جذبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے سلسلے کی برتری قائم کی جائے۔

یہ ذکر آ چکا ہے کہ کلکتہ کو سرکارِ انگریزی کے دارالسلطنت کا درجہ ہو چکا تھا۔ میسور میں سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد ان کے اخلاف کو وہاں سے اسی شہر میں بھیج دیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے ٹالی گنج میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ شدہ شدہ ان کے اثر سے ٹالی گنج چھوٹی سی ایک ایسی بستی بن گئی تھی جہاں میسور والوں کے ماحول اور مزاج کی تھوڑی بہت جھلک نظر آ جاتی تھی۔ اس بستی کے اربابِ قلم کی تحریر و تقریر پر بھی جنوبی ہند کی بول چال اور وہاں کے لہجہ کا اثر بھی کم و بیش مل جاتا تھا۔

14- سلطان- اعظم الدین

یہ ٹیپو سلطان کے اخلاف میں صاحبِ علم و وقار تھے۔ ناسخ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''سلطان تخلص، صاحبزادہ اعظم الدین نواسۂ ٹیپو سلطان مرحوم، مقیم ٹالی گنج متعلق کلکتہ صاحبِ دیوانِ فارسی اور راقم کے دوستوں میں ہیں۔

داغوں سے غم کے رشکِ چمن ہے فضائے دل ہے جائے سیر یہ چمنِ دلکشائے دل''23

15- بیدل- عنایت علی

گرد و نواح سے جو لوگ ٹالی گنج میں آ کر مقیم ہو گئے تھے، بیدل بھی ان میں سے ایک تھے چنانچہ ناسخ کے تذکرے میں ہے:

''بیدل تخلص منشی عنایت علی ولد منشی حسن علی حسن باشندۂ ہوگلی مقیم ٹالی گنج متعلق کلکتہ، راقم کے ملاقاتی ہیں۔

سر میں سودا زلف کا تیری بُتِ بے پیر ہے طوقِ الفت ہے گلے میں، پاؤں میں زنجیر ہے''24

16- نادر- سید نجم الدین حُسین

اپنے زمانے کے صاحبانِ علم میں سے تھے چنانچہ لکھا ہے:

''نادر تخلص مولوی سید نجم الدین حُسین خلف سید قمر الدین مرحوم باشندۂ میمن سنگھ،

ایک مدتِ دراز تک ہندوستان میں رہے۔ان دنوں ٹالی گنج میں رہتے ہیں۔
شعر فارسی بہت خوب کہتے ہیں۔رمل اور طب میں اچھا دخل رکھتے ہیں۔راقم
کے دیوانِ اول کی تقریظ اول انھیں کی لکھی ہوئی ہے۔''

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

آہ رُکتی ہے ضعف سے دل کے — سانس چلتی ہے سینہ چھل چھل کے
عدو ہے وصل کی شب دستِ رعشہ دار اپنا — کہ طاقتِ کششِ بندِ سینہ بند نہیں

اودھ کی سلطنت پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا تو معزول بادشاہ واجد علی شاہ نے دادرسی کے لیے لندن جانے کا ارادہ کیا لیکن کلکتہ پہنچ کر انھوں نے خیال بدل دیا۔کلکتہ میں جس جگہ پر انھوں نے قیام کیا تھا اسے ''موچی کھولا'' کہتے تھے چنانچہ نساخ نے لکھا۔ ۔ ۔ :

''اختر تخلص واجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ۔دیوان اور مثنوی ان کی نظر سے گزری۔ ان دنوں کلکتہ کے موچی کھولے میں تشریف رکھتے ہیں''26

بعد میں اس مقام کا نام ''مٹیا برج'' ہو گیا۔بادشاہ کے قدموں کی برکت سے اس کو ایسی رونق حاصل ہوئی کہ گویا یہ چھوٹا سا نمونہ لکھنؤ کا بن گیا۔بادشاہ کے ساتھ ہزارہا لوگ مختلف جگہوں سے آ آ کر یہاں مقیم ہو گئے تھے۔ان میں ہر قسم کے علوم وفنون کے ماہر تھے۔بعض غیر ملکی بھی تھے چنانچہ لالا سری رام نے لکھا ہے کہ :

''ایک جرمن ماہر آنکھیں بنانے والا ڈاکٹر ان کا ملازم ہوا۔''27

بادشاہ کے ساتھ جو شاعر اور نثر نویس کلکتہ آئے تھے ان میں سے کئی کا ذکر لکھنؤ کے تعلق سے کیا جا چکا ہے۔بعض جن کو کلکتہ میں شہرت ملی یہ ہیں :

17- اسخ- سید ابوتراب

لکھنؤ میں قیام کے زمانے میں انھوں نے شہرت حاصل کرلی تھی چنانچہ محسن نے لکھا ہے:

''سید ابوتراب عُرف منجھو صاحب اسخ خلف سید اکرام علی باشندۂ لکھنؤ، صاحب دیوان، شاگرد میر کلو عرش۔''

بادشاہ کے ساتھ کلکتہ پہنچے اور خطاب وغیرہ سے سرفراز ہوئے۔نساخ کے تذکرے میں ہے:

''ارشخ تخلص سید ابوتراب عرف مجھو صاحب مخاطب بہ سپہرالدولہ ولد سید اکرام علی لکھنوی شاگرد عرش، شاہ لکھنؤ کے ہمراہ کلکتہ میں آئے ہیں۔ راقم کے دوستوں میں ہیں۔''29ے

خیال کرنے کی بات ہے کہ جس زمانے میں بادشاہ کلکتہ پہنچے تھے ان کے پاس مثنویوں کے علاوہ غزلوں کے چند مجموعے تھے۔ انھیں میں قطعاتِ تاریخ وغیرہ بھی شامل تھے۔ بادشاہ کے کلیات ''شیوعِ فیض'' میں ارشخ کے کلام کی تضمین بھی شامل ہے۔ ان کے مقربین کی شاعری کا بھی یہی حال ہے۔

میر کلو عرش نے شیخ ناسخ کا جواب پیش کرنا چاہا تھا۔ اس کے لیے انھوں نے اپنے شاگرد کا تخلص ارشخ مقرر کیا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بادشاہ کی محفلیں پوری طرح شیخ ناسخ کے موافق نہیں تھیں۔ دوسری صورت بھی کم و بیش اپنی جھلک دکھا جاتی تھی۔

ارشخ کے کلام کا نمونہ یہ ہے

آئینہ روخیال یہ ارشخ کو ہے ترا　　پھرتی ہے رات دن تری تصویر آنکھ میں
سرو کے ہاتھ آئیں گے اس سیم تن کے پاوں　　پروانے مرکے پڑتے ہیں شمع لگن کے پاوں

18- سلیم- میر عباس

یہ بھی لکھنو کے زمانۂ قیام میں معروف شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ محسن کے تذکرے میں ہے :

''میر عباس سلیم خلف میر عالم علی داروغہ چھوٹی شاہزادی، باشندہ لکھنو صاحب دیوان شاگرد آتش۔''31ے

بعد میں یہ بھی کلکتہ آگئے تھے اور اپنے بادشاہ کے پسندیدہ شاعروں میں رہے۔ ان کی تصنیف ''نصائحِ اختری''32ے کے لیے انھوں نے بھی فارسی میں قطعہ تاریخ کہا تھا۔ سلیم کے دو شعر یہ ہیں:

کیا کریں ہم جو موثر نہ ہوا نالا دل میں　　جانِ جاں دل نہیں جاتا کوئی ڈالا دل میں
یاد آیا ہے نظر خواب میں بعدِ مدت　　کھولیو چونک کے غافل نہ خبردار آنکھیں

19- بہار- مرزاعلی

''مرزاعلی بہار خلف مرزا حاجی بیگ باشندہ لکھنو، صاحب دیوان شاگرد میر علی اوسط رشک'' لکھنؤ میں یہ مرثیہ گو کی حیثیت سے معروف تھے۔33 اپنے بادشاہ کے ساتھ کلکتہ آئے تھے اور خطاب پایا تھا چنانچہ بادشاہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''گلشن الدولہ مرزاعلی بہار، یہ شاعر ہیں۔ ان لوگوں کے ذمہ خدمت سرکاری بھی تفویض ہے اور مصاحب بھی ہیں۔''34

غزل کے علاوہ یہ تاریخیں بھی خوب کہتے تھے۔ بادشاہ کی کئی کتابوں کی انھوں نے تاریخیں کہیں ہیں مثلاً بنی، ناجو، ایمان اور نظم ناموروغیرہ۔ بہار 1295ھ (1878) تک زندہ تھے۔

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

شب کو جو مو بہ مو وہ گل تر دکھائے زلف — پیچاں دھنویں کی طرح سے ہوں جتلائے زلف

اس سہی قد کی جو بگڑی نظر آئیں آنکھیں — ہوگیا حشر، قیامت نے دکھائیں آنکھیں

کچھ شک نہیں کہ یہ بھی قادرالکلام شاعر تھے اور نئے مضامین کی تلاش خوب کرتے تھے۔

ب - نثر

وجوہ جو بھی رہی ہوں لیکن حقیقت یہی ہے کہ کلکتہ والوں کو نظم کے مقابلے میں نثر سے زیادہ دلچسپی رہی ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے مُنشیوں میں بھی زیادہ معروف اور نام برآوردہ وہی ہوئے جنھوں نے نثر لکھی تھی۔ ان نثر لکھنے والوں میں بھی زیادہ مقبول وہ لوگ ہوئے جنھوں نے داستانیں اور حکایتیں وغیرہ لکھنے کا کام کیا تھا۔

مبتدیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے انگریزوں کے زمانے میں عبرت انگیز اور اصلاحی واخلاقی حکایتوں اور نقلوں وغیرہ کو زیادہ مفید سمجھا جاتا تھا چنانچہ فورٹ ولیم کالج کی داستانوں میں نہ صرف چھوٹے چھوٹے سبق آموز قصے شامل کیے جاتے تھے بلکہ حکایتوں وغیرہ کے مجموعے بھی تیار کرائے گئے تھے چنانچہ بعض کتابیں یہ ہیں:

نقلیات، از: میر بہادر علی حسینی،
جامع الحکایات ہندی از شیخ صالح محمد عثمانی

اس قسم کی کتابوں کے لکھے جانے کا سلسلہ اُنیسویں صدی عیسوی کے عشرۂ ہشتم میں بھی جاری رہا تھا۔ ممکن ہے کہ بعد میں بھی کوئی کتاب لکھی گئی ہو۔

1- جیمس کارکرن

الف- جوہر اخلاق

جیمس فرانسس کارکرن کے بارے میں ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ 1864 سے پہلے وفات پا چکا تھا۔ 1845 میں اس کا کلکتہ کے مدرسہ عالیہ سے کچھ تعلق ضرور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دلّی اور لکھنو میں بھی رہا تھا اور وہاں کے روزمرّہ کو اس نے بخوبی سیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنے شوق سے اردو میں نقلوں کا ایک مجموعہ ''جوہر اخلاق'' کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اس کے آخر میں اس نے لکھا ہے :

> ''جوہر اخلاق یونانی اسپ کی نقلیات (Aesop's fables) کا ترجمہ اردو زبان میں دلّی اور لکھنو کے خاص لوگوں کے محاورے میں، جس کو احقر العباد جیمز فرانسس کارکرن (James Corcoran) نے ترجمہ کر کے اور شاہ الفت حُسین موسوی کی نظر سے گزران کے جناب مستطاب، سخن پرور، عدل گستر، حاکم عدالت دیوانی صدر کلکتہ رابرٹ ہالڈن راٹری بہادر دام دولتہٗ کی خدمت میں نذر دینے کو مدرسۂ عالیہ میں 1845 میں چھپوایا۔'' 1

وہ پریس جس میں یہ کتاب چھپی تھی ولزلی اسکوائر میں تھا۔

اس کتاب میں کُل 50 نقلیں ہیں۔ ہر نقل کے بعد اس نے ''حاصل'' کے عنوان سے دو یا زائد شعر لکھے ہیں۔ بظاہر یہ سب شعر مترجم یعنی کارکرن ہی کے ہیں۔ اس صورت میں تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ حسب ضرورت شعر بھی کہہ لیتا تھا لیکن اس نے بہ گمان غالب اپنا کوئی تخلص مقرر نہیں کیا تھا۔ اپنے کلام میں اس نے دلّی کے عوام کے لب و لہجہ اور تلفظ کو اختیار کیا ہے مثلاً

نصیحت مری سُن لے اے نیک خو　　بڑی آفتوں سے بچا آپ کو

دلّی والے ''کو'' بہ واؤ مجہول کو اکثر ''کو'' بہ واؤ معروف کشیدہ بولتے ہیں۔ کارکرن نے ویسا ہی نظم کر دیا ہے۔ اس کتاب کی زبان بطور مجموعی بہت صاف، سلیس اور رواں ہے۔

ب- تاریخ ممالک چین

یہ کارکرن کی دوسری کتاب ہے۔ اس کے آغاز میں اس نے زبان ہندوستان (=اردو)

سے اپنی دلی محبت کا ذکر اس طرح کیا ہے :

'' چونکہ بندے کو علمائے ہندوستان سے محبت قلبی ہے اور ان بزرگوں کے فیضان صحبت سے اتنا ملکہ اس غیر زبان میں پیدا ہوا ہے کہ یہ عبارت بے ہندوستانی کی مدد کے لکھتا ہوں۔''2

کتاب کو مصنف نے دو جلدوں میں مکمل کیا تھا۔ پہلی جلد کے شروع میں اس نے یہ ذکر بھی کیا ہے کہ:

'' الحمد للہ کہ اب پہلی جلد چھپ کر ان بزرگوں کے حضور میں درپیش کی جاتی ہے جنھوں نے اشتہار کے چھپنے سے اپنا اپنا اسم مبارک خریداروں کے زمرے میں داخل کر کے راقم کو ممنونِ احسان فرمایا تھا۔ غرض چونکہ بموجب اس اشتہار کے یہ چاہتا تھا کہ جلد اول سالِ گذشتہ یعنی 1847 کے اکتوبر مہینے میں قالب طبع سے فارغ ہو کر جاری ہوئے......''3

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ طباعت کے کام کی تکمیل میں زیادہ وقت لگ گیا تھا۔ اس کتاب کی دونوں جلدوں کی طباعت کی کیفیت اس طرح ہے :

'' مصنف۔ جیمس فرانسس کارکرن

نام کتاب۔ تاریخ ممالک چین، جلد اول

سالِ اشاعت - 1848 (1264ھ) صفحات - 460

مطبع: بپٹسٹ پریس کلکتہ

ناشر- ولیم تھا کیر اینڈ کمپنی کلکتہ

تاریخ ممالک چین - جلد دوم سال اشاعت 1852 (1268ھ)

صفحات - 716+44 دونوں جلدیں ٹائپ میں چھپی ہیں۔

لائق توجہ بات یہ بھی ہے کہ اس زمانے میں کلکتہ والوں کو تاریخ (ہسٹری) سے بہت دلچسپی رہی ہے چنانچہ کارکرن کے علاوہ اور بھی کئی لوگوں نے اس موضوع سے متعلق مفید کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔

2- عبدالرحیم

مولوی عبدالرحیم نام، تمنا تخلص تھا۔4 گورکھپور میں پیدا ہوئے تھے۔ 1219ھ (1804) میں سفر پر روانہ ہوئے۔ لکھنو اور دلی سے ہو کر کابل تک گئے۔ کوئی 6 برس بعد کلکتہ پہنچے۔ وہاں ٹیپو سلطان کے فرزند شہزادہ محمد شکر اللہ کی خدمت میں رسائی حاصل کی۔ تمنا کے ایک معاصر مولوی الٰہی بخش حسینی نے ان کے تعارف میں لکھا ہے:

''عبدالرحیم دہریہ از شاگردان مولانا عبدالعزیز دہلوی است۔ چوں او کلمات برخلاف دین ہای گفت بہ لقب دہریہ مشہور شد۔ قبرش از محلہ کنزہ بہ طرف مشرق برفاصلہ یادکردہ واقع است۔ مولوی عبدالرحیم در 1278ھ در گذشت۔''5

بتایا گیا ہے کہ مولوی عبدالرحیم نے پچھتر برس کی عمر میں وفات پائی تھی۔ وفات کی تاریخ

طوطی باغ ارم

1278ھ (=1861-62)

سے نکلتی ہے۔ مولوی صاحب عربی فارسی کے علاوہ انگریزی سے بھی کم وبیش واقف تھے اور اسی لیے جدید مغربی علوم پر بھی ان کی کچھ کچھ نظر تھی۔ غالباً یہی وجہ ہوئی کہ لوگ ان کو'' دہریہ'' کہنے لگے تھے۔ مولوی صاحب نے فارسی میں کئی کتابیں تصنیف کی تھیں اور مختلف زبانوں سے بعض کتابوں کے اردو میں ترجمے بھی کیے تھے۔ ان کی بعض کتابیں یہ ہیں۔

الف- حکایاتِ عبرت آیات- یہ ایسوپس فیبلس کا فارسی زبان میں کیا جانے والا ایک قدیم ترجمہ ہے۔ یہ کتاب دو مرتبہ چھپی تھی چنانچہ لکھا ہے :

1- ایڈوکیشن پریس کلکتہ 1830 (1245-46ھ) صفحات 428 ٹائپ 6

فارسی حکایات - ہر حکایت کے اخیر میں اس کی تعبیر بھی دی ہے۔

2- کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن کلکتہ 1850 (1266ھ) صفحات 428 ٹائپ فارسی 7

ب- حکایات لقمان حکیم - یہ بھی انگریزی سے ترجمہ کیا ہے۔ کلکتہ میں چھپی تھی۔

ج- فرہنگ دبستان - فارسی قواعد کی کتاب

د- مشرق الانوار- جان گے (John Gay) کی کتاب کا نامکمل ترجمہ جسے مولوی

صاحب کے شاگرد عبید اللہ العبیدی سہروردی مدنی پوری نے مکمل کیا تھا۔

ہ - شگرف بیان عبرت توامان -8 مصنف کی خودنوشت سوانح ہے جس میں تمام باتیں صاف صاف لکھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افغانستان تک بھی گئے تھے۔ کتاب کے مباحث کے پیش نظر اس کا موضوع فلسفہ بتایا گیا ہے۔

تدریسی ضرورتوں سے بھی مولوی عبدالرحیم نے چند کتابیں لکھی تھیں :

و - پند نامہ بہرامی -9 یہ ان کی آخری تصنیف ہے۔ وہ اس کا دیباچہ بھی نہیں لکھ سکے تھے کہ زندگی ختم ہوگئی۔ یہ کتاب وہ ٹیپو سلطان کے فرزند محمد یٰس شاہ کی تعلیم کے لیے لکھ رہے تھے۔ اس کو بہرام شاہ نے لارڈ کیننگ کے نام معنون کر کے چھپوا دیا تھا۔ مولوی عبدالرحمٰن خلف منشی ثناء الدین نے نظم و نثر میں آٹھ صفحوں پر اس کا دیباچہ لکھا تھا۔ کتاب بہت آسان نثری عبارت سے شروع کی ہے۔ درمیان میں نثر لکھ کر اس کے مطالب کو نظم میں بیان کیا ہے۔ آخر میں صرف نظم لکھی ہے۔ گویا تعلیم کو نثر سے شروع کر کے نظم تک لے گئے ہیں۔

ز - ترجمہ رسائل حکمیہ -10 علوم ریاضی سے متعلق ایک انگریز عالم کے لکھے ہوئے پانچ رسالوں کا یہ فارسی ترجمہ ہے۔ جو غالباً 1826 (1241ھ) میں مکمل کیا گیا تھا۔

تواریخ (ہسٹری) سے بھی مولوی صاحب کو دلچسپی رہی ہے چنانچہ اس موضوع سے متعلق انھوں نے دو کتابیں چھوڑی ہیں:

ح - تاریخ ہندوستان -11 یہ مارش مین جان کلارک کی تاریخ (Marshman's history) کا فارسی ترجمہ ہے۔ اسے بھی ٹیپو سلطان کے خاندان کے شہزادے بہرام شاہ نے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے :

'' تاریخ ہندوستان، مترجم فارسی- عبدالرحیم گورکھپوری دہریہ المتخلص بہ تمنا
مطبوعہ بپٹسٹ مشن پریس
سال طباعت 1859 (76-1275) صفحات 454 نستعلیق ٹائپ''

ط - کارنامہ حیدری - اس کتاب کے تعارف میں لکھا ہے :

'' کارنامۂ حیدری سیر سرورقی = مآثر صفدری

شہزادہ محمد سلطان عرف پرنس غلام محمد ابن ٹیپو سلطان شہیدؒ نے نہایت عمدہ فارسی میں اپنے خاندان کی، خاص کر اپنے باپ دادا کی تاریخ لکھی ہے۔ اس سے زیادہ مستند حالات کسی کتاب میں نہیں ہیں۔ اسے شہزادہ ممدوح نے سر طامس ہربرٹ نائب ناظم بنگالہ کے نام معنون کیا ہے۔ مولوی سید کرامت علی متولی امام باڑہ ہوگلی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مصنف عبدالرحیم دہریہ ہیں اور پرنس موصوف برائے نام مصنف۔ 988 صفحات، تقطیع کلاں، کاغذ و طباعت نہایت نفیس مطبوعہ مشن پریس کلکتہ 1848 (1264ھ)''12

اس کے مطبوعہ نسخے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ:

''کہیں کہیں حاشیے بھی ہیں جو باریک نسخ ٹائپ میں دیے گئے ہیں۔ مصنف نے اپنا نام اگرچہ اس کتاب میں نمایاں طور پر نہیں دیا ہے مگر اردو ترجمہ میں یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ اس کے مصنف وقت کے معروف ترین عالم مولوی عبدالرحیم دہریہ المتخلص بہ تمنا تھے..... دیباچہ میں مولوی صاحب نے مآخذ کی ایک فہرست بھی دی ہے جس میں میجر اسٹورٹ کا کیٹلاگ بھی شامل ہے۔''13

اس زمانے میں فارسی کو معمولاً تحریر کی زبان کا درجہ حاصل تھا اس لیے اردو نظم و نثر پر فارسی کتابوں کا براہ راست اثر مرتب ہوتا رہتا تھا۔ اردو گو شعرا بھی معمولاً قطعات تاریخ فارسی میں کہتے تھے چنانچہ مولوی عبدالرحیم نے بھی اکثر قطعے فارسی ہی میں کہے ہیں۔

مولوی صاحب کی اردو نظم و نثر کمیاب ہے۔ انھوں نے انشاے ہرکرن کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ فہرست کے مرتب نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

''فارسی کتاب انشائے ہرکرن کا یہ ترجمہ ہے۔ اس کے ساتھ ایک کتاب بہ عنوان دستور اردو بھی مجلد ہے جو اردو قواعد اور اصول سے متعلق ہے۔''14

انشاے ہرکرن کا مخطوطہ 39 ورق کا ہے۔

کتاب دستور اردو بھی اگر مولوی عبدالرحیم کی ہو تو اردو میں ان کی یہ دوسری تحریر ہوگی۔

انشائے ہرکرن میں خطوط نویسی کے اصول اور آداب بیان کیے گئے ہیں۔ کلکتہ کے مخصوص ماحول میں بعد کے زمانے میں اس سے جو فوائد حاصل ہوئے ہونگے ان کا اندازہ کیا جانا چاہیے۔

کہا جا چکا ہے کہ اہل کلکتہ کو تاریخ سے خصوصی دلچسپی رہی ہے چنانچہ اس زمانے میں اس موضوع سے متعلق جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان میں سے صرف بعض کا ذکر مجملاً کیا جاتا ہے۔

3- احمد علی

اپنے زمانے کے معروف صاحب علم شخص تھے۔ کلکتہ میں شاہزادہ محمد سلطان کی خدمت میں رسائی حاصل تھی۔ انھوں نے کارنامۂ حیدری کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔

> '' (طباعت کے) ایک سال بعد شاہزادہ محمد سلطان عُرف غلام محمد نے اس کتاب کا اردو ترجمہ معروف ادیب مولوی احمد علی گوپا موی سے کرایا۔ کتاب کا نام'' حملات حیدری'' رکھا۔ احمد علی گوپاموی کا ترجمہ مطبعِ طبی سے 1849 میں شائع ہوا...... یہ نسخہ ٹائپ میں چھپا تھا۔'' 15

اس میں کل 752 صفحات ہیں۔

4- پادری شرمن

پادری شرمن کے حالات بھی کچھ معلوم نہیں ہوسکے۔ اس کی صرف ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے، اس طرح :

> '' پادری شرمن، تواریخ متقدمین و متاخرین کی کلکتہ اسکول بک سوسائٹی پریس 1852 (1268ھ) صفحات 312 اردو، تاریخ- ٹائپ'' 16

5- عالم علی

مولوی عالم علی کے تفصیلی حالات تو معلوم نہیں ہوتے البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ 1266ھ (1850) میں وہ اضلاع بھاگلپور وغیرہ کی کمشنری میں سررشتہ دار تھے اور اردو نثر میں انھوں نے چند کتابیں یادگار چھوڑی تھیں۔

الف- دہ مجلس۔ 17 نثر میں یہ دہ مجلس مولوی عالم علی نے 1261ھ (1845) میں لکھی تھی۔ اس کے آخر میں امیر علی امیٹھوی سے متعلق بھی چند سطریں لکھی ہیں۔ یہ دہ مجلس ادارہ

تحقیقات اردو پٹنہ میں محفوظ ہے۔

ب-منتخبات ہدیۃ العارفین کیمیاے سعادت کا ترجمہ-مترجم مولوی عالم علی ہیں 18؎ اور اس کا آغاز "شکر وسپاس اُس خالق.........."

سے ہوا ہے۔ اس مخطوطے کے کاتب بھی مولوی صاحب مذکور ہی ہیں سالِ کتابت 1266ھ (1850) ہے۔ خاتمے میں یہ ذکر کیا ہے کہ "مترجم سررشتہ دار کمشنری بھاگلپور تھے۔" یہ ترجمہ کتب خانہ خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف میں موجود ہے۔

ج-زبدۃ التواریخ-مولوی عالم علی نے ہندوستان کی یہ تاریخ تین دفتروں میں مکمل کی ہے۔ اس کے سبب تالیف میں ہے :

......" یاروں میں سے ایک بزرگ نے عنداللہ کرہ فرمایا کہ زمانِ سابق کے راجہائے ہند و بادشاہانِ سلف کا حال کسی نے اب تک اردو میں نہیں لکھا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر میری زندگی نے وفا کی تو لکھ کر دکھاوں گا۔ اسی سبب سے 1266ھ میں حال سلطنت و ریاست راجگانِ ہند و معتقداتِ ہندو کو کتب تواریخ و پوتھیوں سے بہ اعانت برہمنانِ صاحب علم زبانِ ریختۂ اردو میں تحریر و ترجمہ کیا اور اس کا نام زبدۃ التواریخ کہ شعر بہ سال تحریر ہے، رکھا۔" 19؎

1266ھ

اگر مصنف نے یہ کام تمام وکمال ایک برس میں کر لیا تھا تو بلاشبہ اسے اس کا غیر معمولی کارنامہ کہا جائے گا۔ اس کتاب کے تین دفتر اس طرح ہیں :

دفتر اول - اس میں راجگان ہند کی بادشاہی کا ذکر ہے،

دفتر دوم - اس میں اہل اسلام کی سلطنت کا بیان ہے، اور

دفتر سوم - اس میں سرکار کمپنی کی عملداری کا بیان ہے۔

یہ کتاب کلکتہ میں چھپی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا بھی اس شہر سے کسی نوع کا تعلق رہا ہے۔ اس کے نسخۂ کراچی کا ترقیمہ یہ ہے :

" یہ کتاب زبدۃ التواریخ مولفہ جناب معلا القاب مولوی عالم علی صاحب قبلہ

مد ظلہ سررشتہ دار کمشنری اضلاع بھاگلپور وغیرہ بہ تاریخ نویں شہر ربیع الثانی 1266ھ مطابق بائیسویں ماہ فروری 1852 عیسوی ہاتھ سے بندہ محمد عاشوری بہاری لکھی گئی......زبدۃ التواریخ کو مطبع نجم السعادت محلہ مہدی باغ کلکتہ سے 1270ھ (1854) میں شائع کیا گیا تھا۔''

مولوی عبدالرحیم گورکھپوری تمنا تخلص نے انشائے ہرکرن کا اردو میں ترجمہ کر کے ہر قسم کے خط وغیرہ لکھنے کے طور طریقے اور آداب سکھائے تھے۔ واجد علی شاہ بادشاہ نے نہ صرف خود اردو میں خط لکھے بلکہ ان کی بیگمات کی طرف سے متعدد چٹھی نویسوں نے بھی یہی کام کیا۔ اس طرح اردو میں مکتوب نگاری کا رواج عام ہو گیا۔

6- بدر عالم صاحبہ

چٹھی نویس خطوں کو پورے القاب اور آداب کے ساتھ بحدِ امکان بہترین انداز کی نثر و نظم میں لکھتے تھے۔ بادشاہ نے ان کی تحریروں کی قدر اس طرح کی کہ ان کے مجموعے نہایت اہتمام کے ساتھ مذہّب اور مطلّا حواشی وغیرہ کے ساتھ تیار کرائے۔ یہاں ان میں سے صرف ایک یعنی ''تاریخِ بدر'' کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں ہے۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر زور نے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے :

> ''واجد علی شاہ کی ایک بیگم نواب بدر عالم نے ان کے نام جو خط لکھے تھے ان کو بادشاہ نے تاریخ وار مرتب کر کے دیباچہ میں حمد و نعت کے بعد سبب تالیف میں لکھا ہے......مطمحِ نظر ہوا کہ وہ قراطیس حُسنِ تالیف پاویں تا کہ رائیگاں نہ جاویں....تحریرات ہر سال کو مقدمہ اور ہر ماہ کو فصل قرار دیا اور تاریخ بدر نام رکھا اور رسالہ ہذا مشتمل ہے اوپر تین باب کے............''[20]

اس کتاب کے تعارف میں ڈاکٹر گوپی چند نے لکھا ہے:

> ''بدر عالم صاحبہ کی طرف سے تاریخ بدر کے خط مختلف لوگوں نے لکھے ہیں، اسی لیے اسلوب میں بھی اختلاف ہے.......تاریخ بدر کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ....مثنوی نواب بدر عالم کی منظوم سوانح حیات میں مشیر

(شیخ گوہر علی ابُر ؔولی) نے نظم کی تھی جو نایاب ہے........تاریخ بدر کے آدھے
سے زیادہ خطوں میں تاریخ کتابت نہیں ہے........ چوبیس خطوں میں سے
پانچ خط بیشتر نظم میں ہیں۔''21

قطع نظر اس سے کہ تاریخ بدر جیسی کتابوں سے اُس زمانے میں خطوط نویسی کے مختلف اسالیب سامنے آتے ہیں، ان سے بادشاہ کے معاملات اور معمولات اور کلکتہ اور لکھنو کے معاشرتی حالات کا بھی کسی قدر اندازہ ہوجاتا ہے۔

7- اس سلاٹر

زباندانی کے لیے قواعد کا جاننا بھی ضروری ہے چنانچہ اس زمانے میں قواعد کی کتابیں بھی لکھی گئی تھیں۔ایک کتاب کے بارے میں لکھا ہے :

'' مصنف اس سلاٹر نام کتاب - صرف ونحو اردو
مطبع -کلکتہ بشپ کالج پریس،سال طباعت 1849 (1265ھ) ٹائپ
میں چھپی ہے۔''22

8- منگو پارک

اس شخص نے اپنا سفر نامہ لکھا تھا۔اس کی کیفیت اس طرح ہے :

''سفرنامہ منگو پارک (Mungo Park) صاحب کا،بیان میں ملک حبش کے
ناشر-کلکتہ اسکول بک سوسائٹی سال طبع 1853 (1269ھ)
صفحات 155 اردو،سفرنامہ،ٹائپ میں چھپا۔''23

جناب خلیل الرحمٰن داودی کا کہنا ہے کہ یہ سفرنامہ-1842 (1258ھ) میں آگرے میں 177 صفحوں پر چھپ چکا تھا۔24 اس کا سال تصنیف اس سے پہلے کا ہوگا۔

اس زمانے میں چند تذکرے بھی لکھے گئے تھے۔مختصراً ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

9 - غلام نبی جان

ماہر تخلص،مولوی غلام نبی جان نام،کلکتہ کے رہنے والے،مطبع نبوی واقع محلہ نال تلا کے مالک تھے۔شاعر بھی تھے اور نثر نویس بھی۔انھوں نے ایک کتاب ''تحفۃ الاتقیا فی تذکرۃ الانبیا''

کے نام سے لکھی تھی۔ اس کتاب کے سبب تالیف میں ہے :

''یاران ہمدرد نے اس خاکسار کو چہ گرد کی طرف متوجہ ہو کے فرمایا مرحبا مرحبا اس وقت جذب واشتیاق ہمارا تم کو یہاں کھینچ لایا۔ اس محفل نشاط سراپا انبساط میں ایسا تیرا انتظار تھا کہ دیدۂ نگراں برروزن دیوار تھا۔ اب صلاح یہ ہے کہ تو بھی اپنے لالی شاہوار کو رشتہ تقریر میں پرو اور ہمارے گوش ہوش کی زیب وزینت کا باعث ہو کہ اتنے میں دوست عمدہ ترین جناب حافظ امیر الدین صاحب تشریف فرما ہوئے اور اس بے مقدار کے ہم پہلو بیٹھ کے قدر دانی سے یوں سخن آرا ہوئے کہ تو ہماری محنت ومشقت گوارا کر کے پیغمبروں کے قصے اردو میں صاف صاف بیان رقم کر ....قصہ کوتاہ جب احباب کا اصرار حد کو پہنچا بجا آوری حکم سے مفر نہ پایا۔ ناچار کتب تواریخ اور احادیث معتبر سے لکھنا شروع کیا۔''24

کتاب کی تاریخ مصنف نے اس طرح کہی ہے ؎

ہوا ختم جس دم کہ یہ تذکرہ — کی ماہر نے تاریخ کی اس کی پئے

تو بیساختہ ہاتفِ غیب نے — ندا کی یہ اچھی تواریخ ہے

1269ھ

اس میں تشدید کی وجہ سے لفظ ''اچھی'' کے دو ''چ'' شمار کیے جائیں گے۔ پہلے مصرع میں لفظ ''ختم'' سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب کی تکمیل کا سال ہے۔ طباعت کا سال ثلاثۂ غسالہ کے مصنف نے 1271ھ لکھا ہے۔ نادر علی خاں نے مطبع نبوی کا سال اجرا 1855 لکھ دیا ہے۔25 صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو 1269ھ میں مکمل کرنے کے بعد مولوی غلام نبی جان نے اپنے نام پر یہ مطبع قائم کرلیا تھا۔ چند سال کے بعد انھوں نے اپنے اسی مطبع سے اس کتاب کو دوبارہ چھاپا تھا چنانچہ ثلاثۂ غسالہ میں ہی لکھا ہے :

'' 512 صفحات، تقطیع کلاں، مطبع کلکتہ، 1276ھ (60-1859)
(باردوم)''

10- مولوی غلام نبی

یہ غلام نبی جان ماہر سے مختلف شخص تھے چنانچہ ثلاثہ غسالہ میں ان کا نام اس طرح آیا ہے :

"مولوی غلام نبی ابن عنایت اللہ بن محمد امیر ابن معین الدین باشندہ ضلع کرلہ پرگنہ کھنڈل موضع راج منی پورہ۔"

ان کی کتاب کا نام "قصہ خلاصۃ الانبیا یعنی ترجمہ قصص الانبیا" ہے۔ اس کا ایک نسخہ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد میں بھی ہے جس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ:

"اردو نثر کی ایک قصص الانبیا غلام نبی ابن عنایت اللہ نے 1262ھ (1846) میں لکھی تھی اور اپنے مطبع واقع کلکتہ سے 1263ھ میں چھپوائی تھی۔"26

حکیم حبیب الرحمٰن نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"کہنے کے لیے یہ قصص الانبیا فارسی کا ترجمہ ہے لیکن اصل کتاب پر بہت اضافہ ہے۔ مولف نے اسے 1263ھ میں لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولف نظم پر بھی قادر ہے اگرچہ اس کی نظم بہت کمزور ہوتی ہے۔

کہتے ہیں ؎

انبیاؤں کے جو احوال سے دل شاد کرے　　چاہیے اس کے تئیں وہ بھی ہمیں یاد کرے27

11- راجہ جنم جی متر

ڈپٹی عبدالغفور خاں نساخ کے تذکرے میں ارمان کا ذکر اس طرح آیا ہے :

"ارمان تخلص، راجہ جنم جی متر، نبیرۂ راجا پتمبر متر، شاگرد حافظ اکرام احمد ضیغم، حوالی شہر کلکتہ میں سوتری میں رہتے ہیں۔ راقم سے ان کی ملاقات ہے۔ ان کا ایک تذکرہ شعرائے اردو نظر سے گذرا۔"28

ارمان برندا ابن چندر متر کے بڑے بیٹے تھے۔ 5/اکتوبر 1796 (1211ھ) کو پیدا ہوئے۔ متعلق ہندوستانی زبانوں کا علم حاصل کرنے کے بعد ان میں شعر بھی کہنے لگے تھے۔ 25/اگست 1869 (=1286ھ) کو انتقال کیا۔

الف-منتخب التذکرہ

ارمان کے پاس شعرائے اردو کے چند تذکرے جمع ہو گئے تھے۔ اس نے ان کا ایک انتخاب تیار کر کے اس کا نام منتخب التذکرہ رکھا۔ اس کے سبب تالیف میں اس نے لکھا ہے :

"ایک چھوٹی سی کتاب ہو کہ جس میں قدیم سے حال تک کے مشہور شاعران جو کہ صاحب دیوان ہیں اور تذکرہ میں لکھے جاتے ہیں ان کا نام اور قدرے احوال اور دو چار مذاق دار شعر لکھے جاویں کہ جس کے پڑھنے سے صاحبان نازک مزاج کی خاطر میں گرانی نہ آوے اور بطور جہاں نما کے دستی بیاض ہووے...... غزلیات و رباعیات و فردیات و مخمسات جسے دلچسپ پایا اسے چن لیا اور پھیکے شعروں کو نکال ڈالا...... اس دستی بیاض کا نام منتخب التذکرہ رکھا۔" 29

اس تذکرے کے مآخذ میں مولف نے جو نام لیے ہیں یہ ہیں:

"تذکرہ مصحفی، تذکرہ فتح علی اور تذکرہ میر حسن اور دیوان جہاں اور دیگر دیوانیات...... "اور دیباچے کے آخر میں لکھا ہے :

" 1266ھ تاریخ ماہ محرم بنگلہ کا رنگ 1258 مقام سوڑا شہر کلکتہ میں ترتیب پائی۔"

اس تذکرے میں ارمان نے اپنے طور پر بہت کم معلومات فراہم کی ہیں۔

ب-نسخۂ دلکشا

حکیم حبیب الرحمٰن نے اس تذکرے کے بارے میں مفید معلومات درج کی ہیں :

"اس تذکرے کے لیے ایک اردو مطبع کھولا تھا۔ 204 صفحہ (کفایت تک) تک چھپا تھا کہ بیمار ہوئے اور ایسی بیماری کہ آخر 1870 میں جان لے کے ٹلی۔ مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ 677 شاعر اور 23 شاعرہ کا تذکرہ ہے مگر 380 تک شائع ہو سکا۔ 1854 (1270ھ) میں چھپا تھا اور اب بہت نایاب ہے۔" 30

اس میں شاعروں کی ترتیب بہ لحاظ حروف تہجی قائم کی گئی ہے اور شائع شدہ حصے میں 603

شاعروں کا ذکر ہے نہ کہ 380 کا۔ 31 تذکرے میں شعرا کے حالات بہت اختصار سے لکھے ہیں۔ معاصرین کے حالات کی جستجو میں بھی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

کلکتہ کا علمی ماحول اس زمانے میں بھی داستانوں سے خالی نہیں تھا۔ ایک دو داستانوں کی تصحیح کے بعد ان کے نئے ایڈیشن شائع کیے گئے تھے مثلاً :

"الف لیلہ ولیلہ چار جلدیں، تصحیح: ڈبلو ایچ مکناطن، ناشر: کلکتہ ولیم تھیکر اینڈ کمپنی سال اشاعت 1839 جلد اول 910 صفحے جلد دوم 699 صفحے جلد سوم 663 صفحے

جلد چہارم 372 صفحے یہ چاروں جلدیں ٹائپ میں چھپیں۔" 32

ان کے علاوہ بعض نئی داستانیں بھی لکھی گئی تھیں۔

12- امان علی

غالب تخلص، امان علی نام، اصلاً رہنے والے لکھنو کے تھے، پھر کلکتہ میں آ کر رہنے لگے تھے۔ نساخ نے ان کا احوال اس طرح قلمبند کیا ہے :

"غالب تخلص، مرزا امان علی خاں عظیم آبادی، مولف اردو قصہ امیر حمزہ شاگرد قتیل، مدت تک ڈپٹی کلکٹر تھے۔ بہت دنوں سے کلکتہ میں سکونت اختیار کی ہے۔ شعر فارسی بھی کہتے ہیں۔ پہلے قوم ہنود سے تھے، پھر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان سے چندر نگر عرف فرانس ڈانگا میں ملاقات ہوئی تھی۔ ان کا قصہ امیر حمزہ نظر سے گذرا۔" 33

ان کے ایک بیٹے کا بھی نساخ نے ذکر کیا ہے، اس طرح:

"یکتا تخلص، نوروز علی ولد امان علی خاں غالب تخلص، باشندہ عظیم آباد۔ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ دوسروں کے شعر کو اپنے نام سے پڑھتے ہیں۔" 34

مرزا امان علی غالب نے اردو نثر میں چند داستانیں لکھی تھیں چنانچہ مذکور ہیں :

"داستانِ عشاق دفتر اول ازامان علی خاں غالب لکھنوی

مصنف کا قول ہے کہ:

خاور نامہ کو اپنے فرزند نوروز علی خاں یکتا، اور داستان امیر حمزہ کو حکیم شیخ امداد علی
کی فرمائش سے اردو میں منتقل کیا تھا،
میر عزت علی کی خواہش پر ایک طبع زاد داستان لکھی۔
اس کتاب کے خاتمہ کی نثر یہ ہے: بہ تاریخ 20/رجب 1271ھ...... بہ
مقام کلکتہ تمام ہوا۔ کاتب شجاعت علی برائے نواب سید محمد باقر خاں رضوی پدر
سید الطاف حسین خاں رضوی۔ کتاب 14-شعبان 1279ھ (1863)
بقول کاتب 28 جزو، سطر بیس سطری۔"35

داستان عشاق کے اس پہلے دفتر کا مخطوطہ مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ میں محفوظ ہے۔ اس داستان کی طرف اہل تحقیق کی تا حال توجہ نہیں ہو سکی ہے۔ یہی معاملہ اس تیسری داستان کا بھی ہے جو میر عزت علی کی فرمائش سے لکھی تھی اور جس کو مصنف نے "طبع زاد" بتایا ہے۔

قصہ امیر حمزہ چھپ چکا ہے اور اس کے سرورق کی عبارت اس طرح ہے :

"قصہ امیر حمزہ - ترجمہ داستان صاحب قرآں گیتی ستاں عم کبار پیغمبر آخر الزماںؐ امیر حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف - ترجمہ کیا ہوا نواب مرزا امان علی خان بہادر لکھنوی غالب تخلص حسب فرمائش حکیم شیخ امداد علی صاحب ابن حکیم شیخ دلاور علی صاحب لکھنوی - تاریخ پنجم ماہ جمادی الثانی موافق بست وسوم ماہ فروری 1855 (1271ھ) مطابق دوازدہم ماہ پھاگن 1261 بنگلہ - مطبع حکیم صاحب محتشم الیہ واقع دار السلطنت کلکتے میں مترجم موصوف کی تصحیح سے چھاپا - 1271ھ۔"36

مترجم نے سبب تصنیف میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے :

" حکیم شیخ امداد علی صاحب خلف الرشید حکیم شیخ دلاور علی صاحب مغفور لکھنوی نے کہ شاگرد نانی حکیم مرزا حیدر مبرور کے ہیں......امان علی خاں داماد شاہزادہ فتح حیدر خلف اکبر جنت نشاں ٹیپو سلطان سے فرمایا کہ شفیق معظم میر عزت علی صاحب مُصر ہیں کہ داستان ...... عم کبار پیغمبر آخر الزماںؐ ...... یعنی حمزہ بن

عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف زبان فارسی سے زبان اردوے معلی
میں ترجمہ کر کے چھپوائی جائے۔ چونکہ مجھ کو مطب سے فرصت نہیں ہے...... بہ
لحاظ محبت قدیم تجھ کو تکلیف دیتا ہوں لیکن صاف صاف روز مرہ اردو کا لکھا
جائے کہ خاص وعام کو پسند آئے......اس داستان میں چار چیزیں ہیں: رزم،
بزم، طلسم، عیاری۔مترجم نے زبان فارسی کی چودہ جلدوں کا ترجمہ کر کے چار
جلدیں کیں...... بنیاد اس قصہ دلچسپ کی سلطان محمود کے وقت سے ہے
اور......اس کے سننے سے ہر طرح کی خلقت کا طریق معلوم ہوتا ہے اور منصوبہ
لڑائی اور قلعہ ستانی وملک گیری کا خیال میں آتا ہے اس لیے ہمیشہ بادشاہ کو
سناتے تھے واللہ اعلم بالصواب......''

اصل فارسی قصہ کے بارے میں لکھا ہے :

''حمزہ نامہ = داستان امیر حمزہ۔منسوب بہ شاہ ناصرالدین محمد......اصل آں
''مغازی حمزہ'' است کہ درقرن نہم ہجری دربارۂ محاربات وسیاحت حمزہ بن
عبداللہ الشاری الخارجی تالیف شدہ۔''37

اس سے ظاہر ہے کہ اس طلسم وعیاری کی داستان کا ''حضرت حمزہ عم پیغمبر صلعم'' سے مطلق کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ اس کے اردو ترجمہ کے سرورق کا اندراج غلط محض اور لکھنے والوں کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ یہ داستان بہت دلچسپ ہے چنانچہ اردو میں اس کے مرزا امان علی غالب سے پہلے کئی ترجمے ہو چکے تھے۔ کچھ یہ ہیں :

داستان امیر حمزہ	مترجم بیم چند	قبل 1218ھ (نسخہ انجمن کراچی)
ایضاً	مترجم قربان حسین حاجی قبل 1212ھ (ایضاً)	
ایضاً	مترجم خلیل علی خاں اشک برائے فورٹ ولیم کالج کلکتہ	
ایضاً	مترجم نامعلوم	درعہد سلطان عالم بادشاہ اودھ (نسخہ رامپور)

نہیں کہا جا سکتا کہ ان سب کا ماٗخذ فارسی کی ایک ہی روایت ہے یا الگ الگ روایتوں کے یہ ترجمے ہیں۔ڈاکٹر سہیل بخاری اشک اور غالب کے ترجموں کو ایک ہی روایت سے متعلق خیال کرتے ہیں۔

مرزا امان علی غالب کا قصہ امیر حمزہ بہت مقبول ہوا تھا چنانچہ بعد میں یہ کئی بار چھپ کر شائع ہوا تھا۔ ستم یہ ہوا ہے کہ مولوی عبداللہ بلگرامی وغیرہ نے جب اس کو شائع کیا تو مترجم یعنی مرزا امان علی غالب کا نام اس میں درج نہیں کیا۔

13- امیر حسن خاں

ان کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے۔ سید علی حسن خاں نے اپنے تذکرے میں تحریر کیا ہے کہ:

''بسمل منشی امیر حسن خاں مرحوم ابن منشی عاشق علی خاں مغفور کاکوروی کہ از ممتازان عہد نصیرالدین حیدر بادشاہ ملک اودھ است و جامع صفات لاتحصیٰ و لاتعد شاگرد رشید غلام مینا ساحر کاکوروی است۔ دستگاہش در نظم و نثر فارسی قوی۔''36

انھوں نے ''نغمۂ عندلیب'' کے نام سے ایک داستان لکھی تھی جس کا حال حکیم حبیب الرحمٰن نے اس طرح قلمبند کیا ہے:

''اگرچہ یہ فسانہ لالہ گوبند سنگھ کے نام سے چھپا ہے لیکن اس کے مصنف درحقیقت خلفِ منشی عاشق علی خاں سفیر شاہ اودھ رئیس کاکوروی مقیم کلکتہ ہیں۔ امیر حسن خاں مرحوم بسمل تخلص کرتے تھے اور فن سخن میں کلکتہ میں ان کی ذات مستند تھی ...... اکثر اہل کاکوری کی طرح بنگالہ کی محبت نے ان کو یہیں رکھ لیا اور کلکتہ ہی میں وفات پائی۔ یہ فسانہ میری نظر سے نہیں گذرا۔''37

بسمل سے متعلق تذکرہ مشاہیر کاکوروی میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کے دادا کا نام شیخ طفیل علی فوجدار علوی مخدوم زادہ تھے اور بسمل نے غالب کی پنج آہنگ کے جواب میں 1260ھ (1844) میں ایک کتاب ''پنج گلبن'' لکھی تھی۔ ان کا ایک رسالہ فن عروض میں ''میزان المعانی'' بھی تھا۔ بسمل نے 27 رمضان 1263ھ مطابق 8 ستمبر 1847 کو وفات پائی تھی اور کلکتہ میں سیالدہ اسٹیشن کے قریب دفن ہوئے تھے۔ افسوس ہے کہ ''نغمۂ عندلیب'' کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔

علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں بسمل تخلص کے کسی شاعر کے ایک رسالے کے چند نسخے مختلف ناموں سے محفوظ ہیں یعنی:

کنز المسایل، رسالہ در بیان نماز در روزہ، نامۂ حق اور رسالہ در بیان وضو و نماز و روزہ

نہیں معلوم کہ یہ بسمل امیر حسن خاں ہی ہیں یا کوئی اور ہیں۔

مرشد آباد

الف - شاعری

احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں دہلی کے خانہ برباد بنگال تک پہنچ گئے تھے۔ ان میں بعض شاعر مثلاً محمد فقیہہ دردمند، مرزا مظہر کے تربیت کردہ تھے۔ ان کے واسطے سے دہلی کی زبان اور مرزا مظہر کا طرزِ بیان پورب کے علاقوں میں رواج پانے لگا تھا۔ مرشد آباد کو بنگال اور اس جوار میں مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ بعد کے زمانے میں جب کلکتہ آباد ہوگیا، تو مرشد آباد کی رونقیں ماند پڑ گئیں اور اس شہر میں علم و فضل اور تصنیف و تالیف کی گرم بازاری بھی نہیں رہ گئی۔ مرشد آباد میں اب بیشتر شاعر اور نثر نگار مقامی تھے جو اپنے شوق سے کچھ کچھ لکھتے پڑھتے رہتے تھے۔

1- حسن- حکیم احمد حسن

"حسن تخلص حکیم احمد حسن مرشد آبادی خلف مولوی فخر الزماں احمد- کلکتہ میں رہتے ہیں۔ کبھی احمد بھی تخلص کرتے تھے۔ "1

عبدالغفور خاں نساخ کی اس تحریر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مرشد آباد کا ماحول شعر و سخن وغیرہ کے لیے سازگار نہیں رہ گیا تھا اور وہاں کے باشندے بھی گھر چھوڑ کر نکلنے لگے تھے۔ حسن کے دو شعر یہ ہیں ۔

پڑا ہے ایسے کٹر سے معاملہ دل کا　　نکل سکا نہ کبھی ایک حوصلہ دل کا
اے یار مجھے اور نہ تلوار سے دھکا　　یہ کشتہ ترے تیر کا، مہماں ہے دم کا

ان سے بھی ان حالات کا قیاس کیا جاسکتا ہے جن سے اس وقت کے صاحبانِ علم و فن کے ذہن متاثر ہو رہے تھے۔

2- شرف- میر محمدی

نساخ کے تذکرے میں ان کا ذکر اس طرح آیا ہے:

"شرف تخلص، میر محمدی خلف سید جعفر خاں صوبیدار مرشد آباد، برادر زادۂ نواب خان دوراں خان"[2]

ان کی یہ رباعی لائق توجہ ہے

قزاق نہیں کہ لوٹ لاتے ہیں ہم　　نوکر بھی نہیں کہ روز پاتے ہیں ہم
کیا پوچھتے ہو یارو حقیقت اپنی　　اللہ دیتا ہے، بیٹھے کھاتے ہیں ہم

ب - نثر

1- محمد مسیح الدین خان بہادر

مرشدآباد میں غالباً قدیمی روش کو باقی اور جاری رکھنے کی شعوری اور غیر شعوری کوششیں کی جارہی تھیں چنانچہ جب مطبع آفتاب عالمتاب کلکتہ سے وہاں پہنچا تو اس میں فارسی کی بعض کتابیں بھی شائع کی گئیں مثلاً :

"دریائے لطافت، از :انشاء اللہ خاں انشا بہ تصحیح احمد علی گوپامئوی چاپخانہ آفتاب عالمتاب، مرشدآباد، 1850 (1266ھ) 476 صفحات ٹائپ"[3]

محمد مسیح الدین خان بہادر کاکوروی نے جو بعد میں واجد علی بادشاہ کے سفیر کی حیثیت سے لندن تک گئے تھے اور واپسی میں حج کی سعادت حاصل کرکے آئے تھے، ایک کتاب "جداول طلوع وغروب" کے نام سے مرتب کی تھی۔ یہ مفید کتاب صرف اٹھائیس اوراق پر مشتمل ہے۔ ابتدا اس کی ان کلمات سے ہوئی ہے :

"الحمد للہ علی......... اما بعدی گوید اقل الخلیفہ بل لا شے فی الحقیقہ المدعو محمد مسیح الدین الکاکوروی....."

اور خاتمہ اس عبارت پر کیا گیا ہے :

" ....اصفہان، بغداد، طہران، قندھار، کابل، کربلائے معلّٰی، کشمیر،

لاہور..... ذاللہ المستعان وعلیہ........ "

اس کے بارے میں لکھا ہے کہ :

" طبع شد در 1266ھ (1850) در مطبع آفتاب عالمتاب مرشدآباد" ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر میں بعض لوگ ذاتی شوق سے کچھ کچھ علمی کام کر رہے تھے۔

ڈھاکہ

الف - شاعری

شہر ڈھاکہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ "کثرتِ مساجد کے اعتبار سے عجیب وغریب جگہ ہے۔ ہندوستان میں بہت کم شہر اس امر میں اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور تقریباً سب ہی میں جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی تھی اور اب بھی ہوتی ہے۔" اس صورتِ حال کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے علوم اور فنون کا بھی یہ شہر مرکز بن گیا تھا۔ زبان اردو سے چونکہ مسلمانوں کو جذباتی لگاؤ ہے اور رہا ہے، اس زبان کے معاملات ومسائل سے متعلق اس شہر میں بعض مفید اور لائق توجہ کام ہوئے ہیں۔

ڈھاکہ میں اگر چہ شاعری کا معیار بطور مجموعی بلند نہیں تھا، اکثر شاعروں نے اپنے دیوان مرتب کر لیے تھے اور بعض کو دور دراز تک شہرت بھی حاصل ہوئی تھی۔

1- حرق- میر حسن مرزا

"حرق تخلص میر حسن مرزا نواسہ میر اشرف علی مرحوم نامی رئیس ڈھاکہ شاگرد میر امیر علی آشنا وغلام حیدر مجیب، کلکتہ میں بھی آئے تھے۔ راقم کے احباب میں ہیں۔"[2]

ثلاثہ غسالہ میں ان کے کلیات کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ :

''یہاں کے اچھے شاعروں میں تھے......نوحہ اور سلام وغیرہ خوب لکھتے تھے اور اب تک مجلسوں میں پڑھی جاتی ہے۔''3

کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

جہاں میں دھوم ہے جور و جفا کی بُتوں کا زور ہے قدرت خدا کی
ایک بندے کی بھی جاں بخشی نہ کی اے بُتو تم سے خدائی ہوچکی

حکیم سید حسن مرزا حرق نے ایک مثنوی ''مجمع الصنایع'' کے نام سے نواب سر احسن اللہ کی مدح میں لکھی تھی۔

2- شائق- خواجہ فیض الدین

نساخ کے تذکرے میں ان کا ذکر اس طرح ہے :

''شائق تخلص خواجہ فیض الدین عُرف خواجہ حیدر جان باشندۂ ڈھاکہ ولد خواجہ خلیل اللہ مرحوم شاگرد مرزا نوشہ غالب، شعر فارسی و اردو کے پُر درد ہوتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا دیوان ان کا نظر سے گذرا۔ بارہ تیرہ برس ہوئے کہ فوت ہوئے۔ کلکتہ میں بھی آئے تھے۔''4

ان کے دو شعر یہ ہیں ؎

اسی نے کیا مجھ کو رسوائے عالم کہ جس نے مجھے عالم آرا بنایا
کوئی رفتۂ ملکِ عدم نہ پھرا کہ جو پوچھوں وہاں کا میں حال ذرا
ہے مقام عجب کہ وہ کیسی ہے جا، جو گیا سو وہاں سے پھرا ہی نہیں

حکیم حبیب الرحمٰن نے شائق کے دیوان کے ذکر کے بعد ان کا احوال اس طرح لکھا ہے :

'' آخر میں کچھ فارسی کلام بھی ہے۔ قلمی صفحات تقریباً ڈیڑھ سو۔ آخر میں واسوخت بھی ہے.... جس زمانے میں آقا احمد علی احمد مرحوم اور غالب مغفور کا معرکہ ہورہا تھا اور سارا بنگال مرزا کے خلاف تھا شائق اور میر غلام مصطفیٰ مرحوم مرزا کے طرفدار تھے اگرچہ قلمی معرکہ میں ان کی شرکت ثابت نہیں.......

1269ھ (1853) میں انتقال فرمایا۔کوئی نام لیوا باقی نہیں ہے۔'' 5

منشی سید غلام مصطفیٰ مرحوم رئیس ڈھاکہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ :

'' 11/ ذی قعدہ 1229ھ کو سنار گاؤں میں پیدا ہوئے تھے .... بڑے باوقار اور فارسی زبان کے عاشق تھے۔فن موسیقی سے بھی شغف رکھتے تھے...... 1907 میں بہ عمر 92 سال انتقال فرمایا.......گرد پاہنگِ غالب دو حصوں پر مشتمل ہے......اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔'' 6

غالب کے معرکے کے سلسلے میں گرد پاہنگ غالب (مجموعۂ مضامین) جو غالب کی پنج آہنگ کے طور پر ہے، ایک نادر کتاب ہے۔

حکیم حبیب الرحمٰن کا یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کہ '' سارا بنگال مرزا غالب کے خلاف تھا''۔مرزا کے مخالفوں میں گنتی کے صرف چند نام ملتے ہیں البتہ ان کے موافقوں میں شائق اور غلام مصطفےٰ کے علاوہ اور بھی بعض لوگ تھے چنانچہ اپنے اپنے موقع پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

3- ضیا- منشی وارث علی

'' ضیا تخلص منشی وارث علی باشندۂ ڈھاکہ، معلمی کرتے ہیں۔تھوڑی سی غزلیں اور ایک مثنوی کی بعض بعض داستان راقم کو دکھلائی تھیں۔طبیعت ان کی علم شعر سے نہایت مناسبت رکھتی ہے۔صاحب دیوان ہیں۔'' 7

نساخ کے اس بیان پر حکیم حبیب الرحمٰن نے اس طرح اضافہ کیا ہے :

'' ضیا......... باشندۂ موضع نگر یہ مانک گنج (ڈھاکہ) اردو فارسی دونوں زبانوں پر استادانہ قدرت رکھتے تھے......پچیس ہزار اشعار کلّیات میں تھے........بڑی عمر پا کر انتقال فرمایا۔'' 8

ان کے دو شعر یہ ہیں ؎

شکر اس قاتل کا کرتا ہے اشارے سے ادا | ہر دہانِ زخم اک چشم سخن گو ہوگیا
لکھتے ہیں آج وصفِ دو ابروے یار ہم | حاسد کے سر پہ کھینچتے ہیں ذوالفقار ہم

ب - نثر

1- آقا احمد علی

آقا احمد علی بن شجاعت علی 10 رشوال 1255ھ (1839) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان نادر شاہ کے ساتھ ایران سے ہندوستان میں آیا تھا۔[9] کلکتہ پہنچ کر آقا احمد علی نے 1279ھ (1862) میں مدرسۂ احمدیہ کی بنیاد رکھی، پھر کلکتہ کے مدرسۂ سرکاری میں معلم مقرر ہوئے۔ 6 ربیع الثانی 1290ھ (1873) کو ڈھاکہ میں فوت ہوئے۔

آقا نے غالب کی کتاب قاطع برہان کے جواب میں ایک رسالہ مؤید برہان لکھا۔ غالب نے اس کا رد تیغ تیز کے نام سے لکھا تو آقا نے اس کے جواب میں رسالہ تیغ تیز تر تحریر کیا۔ آقا کی سب تصانیف فارسی میں ہیں صرف ایک رسالہ اردو میں ہے جس کا نام انھوں نے مختصر الاشتقاق رکھا ہے۔ اس کے شروع میں لکھا ہے :

> ''ایک رسالہ زبان فارسی کی صَرف میں رسالہ اشتقاق نام بندہ احمد نے 1287ھ اور اٹھارہ سے ستر عیسوی میں لکھا تھا۔ بعد اس کے نو آموزوں کے واسطے یہ عبارت اردو میں انتخاب و اختصار کیا گیا اور بعضے وجوہات اور تحقیقات کہ ان کے مناسب نہ تھیں اس میں نہیں لائی گئیں...''[10]

اس اقتباس سے ظاہر ہے اس رسالہ کی زبان نہایت صاف اور سلیس ہے۔ یہ مطبع بشیری کلکتہ میں ساٹھ صفحوں پر 1285ھ (1868-69) میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اصل فارسی رسالہ اب نایاب ہے۔

2- سید واحد علی

مولوی سید واحد علی خوندکار باشندہ محلہ نواب پورہ، اندرون شہر ڈھاکہ سید میر ولی خوندکار کے بیٹے تھے جو سنارگاؤں کے رہنے والے اور وہاں سے آکر ڈھاکہ میں بس گئے تھے۔ 11
واحد علی منشی مولوی جگن ناتھ داس پیشکار فوجداری شہر ڈھاکہ کے شاگرد تھے۔ منشی صاحب کے گھرانے کو فارسی دانی کے لیے بڑی شہرت حاصل ہوئی تھی اور واحد علی ان کی لیاقت کے نہایت معترف اور مداح تھے۔

تحصیل علم کے بعد واحد علی نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ ان کی عملیات اور تعویذات کا بھی بڑا شہرہ تھا۔ اردو میں انھوں نے طالب علموں کے لیے "روضۃ الافادات" کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا جس کا آغاز ان کلمات سے ہوا ہے :

> "حمد بے حد اس خدا کو ہے جس نے بنایا مشتِ خاک سے آدم و حوا کو، پھر اس کے نطفے سے پیدا کیا بہتیرے۔ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحسَنُ الخَالِقِین اور درود بے حد اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے ہدایت کیا عورت کو سیدھی راہ پر تا کہ چلے اس میں سارے صلی اللہ علیہ واصحابہ اجمعین۔" 12

حکیم حبیب الرحمٰن نے اس بارے میں لکھا ہے :

> " معلوم ہوتا ہے کہ اردو تانیث و تذکیر کی تحقیقات میں ڈھاکہ والوں کو خاص دلچسپی تھی اور اس باب میں انھوں نے بہت کد و کاوش کی تھی۔ اب تک صرف شہر کے باشندوں میں سے اس موضوع پر مجھے تین تصنیفوں کا پتہ لگا ہے۔ ایک یہ (روضۃ الافادات- اردو زبان کے مونثات سماعی کے بیان میں مختصر رسالہ)، دوسری تہذیب النجات، تیسری رسالہ تانیث و تذکیر۔

عبارت میں ترجمہ کا ڈھنگ نمایاں ہے کہ واحد علی خوندکار مرحوم ساری زندگی

لڑکوں کو فارسی پڑھاتے تھے۔"

تہذیب الہجات اور رسالہ تانیث وتذکیر کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی ہے۔
البتہ روضۃ الافادات کے بارے میں لکھا ہے کہ :

" 8 صفحات .بحرالعبارت (فارسی مصنفہ واحد علی) کے ساتھ چھپا۔ مطبع گلزار ڈھاکہ میں"

.بحرالعبارت مطبع گلزار ڈھاکہ پریس، بیگم بازار، ڈھاکہ میں 1289ھ (1872) میں
چھپی تھی۔ ان دونوں رسالوں کا سال تصنیف کچھ پہلے کا ہوگا۔

سلہٹ

الف - شاعری

سلہٹ کی اصل زبان اپنے مزاج اور نوعیت کے اعتبار سے زبانِ اردو سے بہت مختلف تھی۔ باوجود اس کے محض اس بنا پر کہ وہاں مسلمانوں کی اچھی آبادی تھی اور ان کو زبان اردو سے مخصوص جذباتی لگاؤ رہا ہے، اس خطے میں یہ زبان یعنی اردو، اس جوار کے بیشتر مراکز کے مقابلے میں زیادہ بہتر طور پر پھلتی پھولتی رہی تھی۔ سلہٹ میں اردو کے شاعروں اور نثر نگاروں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ ان میں کسب علم کا شوق بھی زیادہ رہا ہے چنانچہ بعض نے تحصیل علم کے لیے دور دراز کے مقاموں کا سفر بھی کیا تھا۔

عبدالغفور خاں نساخ نے اپنے تذکرے میں بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کے زمانے کے سلہٹ کے علاقے کے کوئی ایک درجن شاعروں کا احوال قلمبند کیا ہے۔ ان میں بعض مبتدیوں کو چھوڑ کر اکثر باصلاحیت اور لائق ذکر شاعر تھے۔

سلہٹ کے خطے میں معمولاً غزل کا رواج تھا۔ اس کے علاوہ مخمس، مسدس اور تاریخ وغیرہ سے بھی دلچسپی لی جا رہی تھی۔ اپنے مخصوص ماحول میں یہاں کے شاعر نئے اور دلچسپ مضامین نظم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

1- بیخود۔ مولوی فرجام علی

"بےخود تخلص مولوی فرجام علی باشندہ بیناچوک، ضلع سلہٹ شاگرد مرزا جان طپش صاحب دیوان گذرے۔" 1

پوچھے اگر کوئی کہ وہ بے خود کدھر گیا تو دیجیو جواب کہ کمبخت مر گیا
کھانے کو غم ہے، پینے کو ہے اشکِ تر مجھے نکلا ہوں گھر سے خوب ہی زادِ سفر کے ساتھ

زبان صاف، سلیس اور رواں ہے۔ کلام میں اس زمانے کے حالات کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔ پہلے شعر میں لفظ "دیجیو" کا صَرف لائق توجہ ہے۔ دلّی کے قدما کے کلام میں اس کا استعمال عام رہا ہے۔

2- آشفتہ۔ منشی عبداللہ

"آشفتہ تخلص حاجی منشی عبداللہ باشندۂ سلہٹ خلف عبدالحمید شاگرد حافظ ضیغم فارسی وارد و خوب کہتے ہیں۔ راقم کے دوستوں میں ہیں۔" 2

نساخ کے ان کی غزلوں کے جو چند شعر لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکل ردیفوں میں شعر کہنے کا انھیں شوق تھا۔

ہوا نہ حور میں انداز گر بشر کا سا تو رنج خلد میں ہوگا ہمیں سقر کا سا
رکھے زانو پہ بت بے پیر پشتِ آئینہ ہوں میں حیراں، پائے یہ توقیر پشت آئینہ

دوسری غزل جس زمین میں ہے اس میں لکھنو اور اس کے آس پاس میں مشاعرے ہوئے تھے۔

آشفتہ اپنے علاقے میں تاریخ گوئی کے لیے بھی معروف تھے۔ حکیم اشرف علی مست کے رسالہ "ترکیب الصلوٰۃ" کی تاریخ بھی انھوں نے کہی تھی ۔

بہ ترکیب نماز است ایں رسالہ لحاظ آں بہ غورواجبات است
بگو آشفتہ تصریحا بتاریخ ہمہ آداب وترکیب صلوٰۃ است

1283ھ (=1866)

آخری مصرع میں یہ تصریح ضروری ہے کہ ''صلوٰۃ'' کو ''صلاۃ'' لکھیں گے تو 1283ھ کے عدد برآمد ہوں گے۔

سلہٹ کے بعض شاعر بہ ضرورت گھر چھوڑ کر دوسرے مقاموں پر چلے گئے تھے۔ ان میں بیشتر نوجوان اور نوخیز تھے۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنے نئے مسکن کے شاعروں اور استادوں کے اثرات بہتر طور پر قبول کیے ہوں گے۔

3- حسن- مولوی محمد حسن

حسن تخلص مولوی محمد حسن باشندۂ سلہٹ ولد مفتی محمد سالم شاگرد مست۔ 1288 ھ میں انتقال کیا۔''4

ہاتھ اٹھاؤ مجھ سے اب کیا کام ہے تدبیر کا ذبح کے قابل ہوں میں موقع ہے اب تکبیر کا
تاثیر زہرِ زلف کی یہ ہے کہ بعدِ مرگ چاٹے نہ حشر تک مری خاک مزار سانپ

4- خواجہ- مولوی عبدالعزیز

''خواجہ تخلص مولوی عبدالعزیز خلف مولوی اظہر علی مرحوم منشی سابق فورٹ ولیم کالج کلکتہ شاگرد مولوی عصمت اللہ اتخ، وطن ان کا سلہٹ، مولد و مسکن کلکتہ، بڑے ذہین وذکی ہیں۔ شعر اچھا کہتے ہیں۔ بارہ سو اٹھاسی ہجری (1871) میں انتقال کیا۔''5

دل لے کے جان مانگتے تھے وہ بھی لے چلے اب میرے آپ کے کوئی جھگڑا نہیں رہا
دیر و حرم میں سب مری صورت سے ہیں نفور دل دے کے آپ کو میں کہیں کا نہیں رہا

ان کے کلام میں بول چال کا لطف معلوم ہوتا ہے۔

5- علی احمد- محمد علی احمد خاں

انھوں نے اپنے نام کے ایک جُزو کو ہی تخلص کے طور پر صَرف کیا ہے۔ ایک لفظی تخلص کوئی اختیار نہیں کیا ہے چنانچہ لکھا ہے :

''علی احمد تخلص مولوی محمد علی احمد خاں خلف مولوی غوث علی خاں مرحوم، نامی زمیندار و تاجرِ فیل ضلع سلہٹ۔ راقم کے دوستوں میں ہیں۔ احیاناً فکرِ شعر

کرتے ہیں اور کلام اپنا راقم الحروف کو دکھاتے ہیں۔" 6

پہروں ہوتا نہیں زانو سے جدا سر اپنا　　دھیان آتا ہے جو اے جان ترے زانو کا

ہووے جب تک کہ نہ برباد غبار عاشق　　دامن پاک صنم تک ہے رسائی مشکل

نوعمری میں اپنی قدرتِ کلام کے اظہار کا شوق معلوم ہوتا ہے چنانچہ مشکل ردیفوں میں غزلیں کہتے تھے۔

سلہٹ کے شاعروں میں کئی ایسے تھے جنھوں نے فارسی اور اردو نثر میں بھی تصنیف و تالیف کا کام کیا تھا۔اس اعتبار سے ان کی خدماتِ زبان و ادب کا دائرہ وسیع تر رہا تھا۔

6- حامد- اللہ بخش

"حامد تخلص، اللہ بخش مجموعہ دار ولد محمد مہدی مجموعہ دار، شاگرد میاں اشرف علی مست۔سلہٹ کے رئیسوں میں ہیں۔" 7

غزل کے علاوہ مخمس اور مسدس وغیرہ بھی لکھتے تھے۔1270ھ(1854) میں انھوں نے اردو میں ایک مخمس "دردِ شرک و بدعت" لکھا تھا جس کا عنوان "قاتل الفجار" مقرر کیا تھا۔

حامد اردو کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔فارسی میں وہ صاحب دیوان و مسدس وغیرہ تھے۔اردو میں ان کی جن تصانیف کا حال معلوم ہوتا ہے یہ ہیں :

1- برہان الموحدین 9

2- لباب العقائد۔ایک عربی کتاب کا منظوم ترجمہ جو 1263ھ(1846) میں مکمل کیا۔

3- فوائد المومنین فی عقائد اہل الحق والیقین۔1267ھ(1850) کی تصنیف ہے۔

4- ایک اور مجموعہ کلام

5- مسائل ضروریہ۔10 فقہ حنفی سے متعلق اردو کتاب

حامد نے 1277ھ(1860) میں وفات پائی تھی۔ان کے اخلاف سلہٹ کے محلہ مجموعہ داری میں بعد تک رہتے رہے تھے۔

7- سعید- سعید بخت

"سعید تخلص حاجی سعید بخت ولد محمود بخت مجموعہ دار شاگرد حضرت ضیغم باشندۂ

سلہٹ۔ راقم کے ملاقاتیوں میں ہیں۔ تاریخ گوئی سے بہت شوق رکھتے ہیں فارسی بھی کہتے ہیں۔ اجداد ان کے ہندو تھے۔ کئی پشت سے مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔"11

حاجی سعید بخت کے دادا کا نام غلام ذکی تھا اور سعید نے 1295ھ(1878) میں سلہٹ میں وفات پائی تھی۔12 حاجی اللہ بخش حامد اور اشرف علی مست ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ سعید کے ایک مجموعہ کلام (قلمی) کے علاوہ ان کی دو اور تصانیف کا پتہ چلتا ہے :

1- ملخص العقاید........یہ 1271ھ(1855) میں چھپا تھا۔

2- رسالہ مسائل موتی.....یہ "زاد الآخرت" کا اردو ترجمہ ہے۔ 1261ھ(1845) میں مطبع احمدی کلکتہ میں 126 صفحوں پر چھپا تھا۔ حاجی سعید بخت تاریخ گوئی میں بھی ماہر تھے۔

8- مست- اشرف علی

"مست تخلص حکیم اشرف علی صاحب رسالہ ترکیب الصلوٰۃ و رسالہ تصویر غم و رسالہ ہیضہ وطاعون و رسالہ چیچک و رسالہ دافع المسموم و رسالہ کشتی، خلف الصدق احمد علی مجموعہ دار تلمیذ حافظ اکرام احمد ضیغم رئیس نامی سلہٹ۔ اشعار ان کے خوب ہوتے ہیں۔ راقم کے دوستوں میں ہیں۔ فن کشتی وطب میں اچھا دخل رکھتے ہیں۔ رسالے ان کے نظر سے گذرے۔"13

مست 1236ھ(1821) میں پیدا ہوئے اور 1302ھ(1885) میں فوت ہوئے۔ تمام عمر تجرد میں بسر کی۔14 ان کے اخلاف تادیر محلہ مجموعہ داری، سلہٹ میں رہتے رہے۔ ان کے نانا دیوان محمد منصور چودھری کے نام سے ان کا رہائشی گاؤں منصور نگر (لنگلا) موسوم تھا۔ وہیں منصور نے رحلت کی تھی۔ مست کی تصانیف کئی تھیں۔ جن کا حال معلوم ہو سکا، یہ ہیں :

1- تصویر غم- اس میں نثر نظم آمیز ہے۔ اس کی نثر مسجع اور مقفیٰ ہے۔ یہ کتاب 1874 (1291ھ) میں چھپی تھی۔

2- سراپا- حضرت رسول اکرم صلعم کا حلیہ مبارک بیان کیا ہے۔
3- رسالہ کشتہ- اس میں مختلف قسم کے کشتوں کا ذکر ہے۔
4- رسالہ ردِ شرک- اس کے مطالب نام سے ظاہر ہیں۔ یہ 1845 (1261ھ) میں چھپا تھا۔
5- رسالہ دافع سموم
6- رسالہ ترکیب الصلوٰۃ- مطبع نبوی کلکتہ میں چالیس صفحوں پر 1283ھ (1866) میں چھپا تھا۔
7- اشرف البیان فی تکمیل الایمان- پہلی بار 1291ھ میں چھپی تھی۔ پھر مطبع بحر العلوم لکھنو میں چھپن صفحوں پر 1301ھ (1884) میں چھپی۔
8- رسالہ چیچک- مطبع نبوی غلام نبی خاں میں 1264ھ (1847) میں چھپی۔[15] متن کے چونتیس، پھر اس کی فرہنگ کے تیرہ صفحے ہیں۔ شروع میں حمد و نعت اور مقصد کتاب پر مشتمل اشعار ہیں۔ پھر نثر میں سبب تالیف بیان کیا ہے :

"حمد خالق جَل وعلیٰ و نعتِ سرورِ انبیا....... کے بعد شائقین فن طب کی خدمات میں عرض یہ ہے کہ چیچک اور ہیضہ کے مرض میں....... اکثر معالج جاہل کاہن اور برہمن ہوتے ہیں۔ وہ چیچک کو ماتا کہتے ہیں اور عوام مریض بلکہ بعض خواص سے بھی ماتا کی پوجا کرواتے ہیں یا پوجے کا خرچ لے کر آپ کرتے ہیں........ عوام جاہل کا گمان ہے کہ یونانی طب میں چیچک کی دوا ہی نہیں..... لہٰذا امیدوار رحمت لم یزلی خاکسار اشرف علی نے مرض چیچک اور ہیضہ کے اسباب و علامات اور معالجات اور تدبیرات طب کی معتبر کتابوں سے انتخاب کر کے بہ لحاظ فائدہ عام اردو زبان میں یہ رسالہ مرتب کیا۔"

دوسری بار یہ کتاب لکھنو میں 1283ھ میں طبع ہوئی تھی۔
9- رسالہ کشتی- حکیم اشرف علی مست کو ڈھاکہ میں تعلیم کے زمانے میں کشتی کا شوق ہوا۔ وہاں ہر محلے میں اکھاڑے موجود تھے اور ہندوستان و پنجاب کے خاص پہلوانوں

کے دنگل ہوتے تھے۔ خودمست کا اکھاڑہ سلہٹ کے محلّہ عنبر خانہ میں تھا۔ انھوں نے دہلی اور رامپور کے پہلوان استادوں سے فنِ کشتی سیکھا تھا۔ اس فن کے داؤں پیچوں کو ان کے ناموں اور ضروری تفصیلات کے ساتھ مست نے قصیدے کی صورت میں نظم کیا تھا۔ مست کا یہ قصیدہ مطبع نبوی کلکتہ میں 8 صفحوں پر 1276ھ (1859) میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ کہا گیا ہے کہ اسی سال میں یہ لکھنؤ میں بھی چھپا تھا۔

10 - رسالہ ہیضہ

11 - رسالہ طاعون۔ مست کے یہ دونوں رسالے ایک ساتھ مطبع نبوی کلکتہ میں 1283ھ (1866) میں چھپے تھے۔ متن چونتیس صفحہ اور اس کی فرہنگ دس صفحے کی ہے۔ مصطفیٰ حیدر حیدر تخلص خلف مولوی غلام حیدر سررشتہ دار فورٹ ولیم کالج کلکتہ نے بھی ان رسالوں کے لیے تاریخ کہی تھی۔

اوپر جو کچھ مذکور ہوا ہے اس سے دو باتیں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ اس خطے کے شاعر اور نثر نگار تقریباً سبھی مذہب پسند اور کم وبیش عالمِ مذہب تھے۔ دوئم یہ کہ عموماً وہ ایسے موضوعات پر قلم اٹھاتے تھے جن میں افادیت کا پہلو نمایاں ہوتا تھا چنانچہ ان کی تحریروں کو ملک کے مختلف مراکز پر بھی پذیرائی ہوئی اور کلکتہ، لکھنو وغیرہ مقامات سے بھی ان کی طباعت اور اشاعت عمل میں آئی۔

سلہٹ میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی جو صرف نثر لکھتے ہوں۔ یہاں صرف ایک نثر نگار کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

9- عبدالقادر- عبدالقادر رئیس

حکیم حبیب الرحمٰن نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ :

> ''مولانا عبدالقادر رئیس وزمیندار سلہٹ نے مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سند فراغت لی تھی اور مذاکرۂ علمی کا شغل تھا...... اب اس خاندان میں اولاد ذکور نہیں ہے۔''[19]

مولانا کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے البتہ یہ مذکور ہے کہ ''ان کے بہ وجہ بنگالی (آسامی)

ہونے کے تذکیروتانیث کی رعایت نہیں کر سکے۔'' یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس زمانے میں سلہٹ متحدہ بنگال میں تھا اسی لیے مولانا نے خود کو بنگالی کہا ہے۔

مولانا کے شخصی حالات کی طرح ان کی تصانیف کے بارے میں بھی معلومات بہت کم ہیں۔ ان کی صرف دو اردو کتابوں کا پتہ چلتا ہے۔

1 - خلاصۃ المسائل - اس میں نکاح وطلاق وغیرہ سے متعلق فقہی مسائل کا سلیس اردو میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب 1282ھ (1865) میں لکھی گئی تھی اور اس کے بعد سے بارہا چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ دیباچہ میں لکھا ہے :

> ''احقر اس قابل نہیں کہ کوئی کتاب تصنیف کر کے مصنفوں کے زمرے میں اپنے نام کو داخل کرے لیکن ان دنوں عجیب ایک واقعہ نظر میں آیا کہ ایک شخص نے باعث نہ جاننے مسئلہ کے اپنی دادی سے نکاح کر لیا کہ جس سے نکاح کرنا شرع میں صراحتاً حرام آیا ہے اور ایک نے اپنے چھوٹے لڑکے کی طرف سے ولایتاً نکاح قبول کرنے میں بہ سبب نادانی کے اپنے ہی واسطے کر لیا اس لیے مولف نے کتب عربیہ فقہیہ سے احناف کے مسلک پر استخراج مسائل کر کے اس کتاب کو لکھا۔''

یہ کتاب حاجی محمد سعید تاجر کتب کلکتہ کی فرمائش سے مطبع مجیدی کانپور میں چھپی ہے۔ قوی امکان ہے کہ بنگال میں یہ اس سے پہلے بھی چھپی ہو۔

2 - مآخذ العرفان من صنع السبحان - یہ مولانا کی اردو میں دوسری کتاب ہے یہ میڈیکل پریس آگرہ سے 1304ھ (1886) میں سو صفحات پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس میں ایک مقدمہ، دو باب اور ایک خاتمہ ہے۔ کتاب کا موضوع حیات وموت کی کیفیت کا بیان ہے۔

کانپور، لکھنو وغیرہ میں سلہٹ جیسے دور افتادہ مقام کے رہنے والے مصنفین کی کتابوں کا چھاپا جانا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ ان کتابوں کی اہمیت اور افادیت کا دور دراز کے علاقوں میں بھی اعتراف کیا گیا تھا۔

ooo

حواشی

کلکتہ

الف - شاعری

1-	کلکتہ کے اردو مطالع		ص55
2-	گلستان سخن	جلد1	ص300
3-	سخن شعرا		ص67
4-	سراپا سخن		ص212
5-	سخن شعرا		ص434
6-	ارمغان گوکل پرشاد		= ص7
7-	سخن شعرا		ص32
8-	سخن شعرا		ص140
9-	روح ادب (بنگال میں اردو شاعری نمبر)		ص72
10-	جمے بے ستر ارمان		ص68
11-	سخن شعرا		ص21

12-	ایضاً		ص43
13-	ایضاً		ص454
14-	روح ادب (بنگال میں اردو شاعری نمبر)		ص37
15-	سراپا سخن		ص260
16-	سخن شعرا		ص33
17-	ایضاً		ص123
18-	ایضاً		ص423
19-	ایضاً		ص488
20-	ایضاً		ص542 تا 543
21-	نساخ		ص91
22-	سخن شعرا		ص292
23-	ایضاً		ص218
23الف	یادنامۂ داودی		ص213
24-	سخن شعرا		ص76
25-	ایضاً		ص489
26-	ایضاً		ص16
27-	خمخانۂ جاوید	جلد3	ص157
28-	سراپا سخن		ص353
29-	سخن شعرا		ص50
30-	واجد علی شاہ		ص260
31-	سراپا سخن		ص294
32-	واجد علی شاہ		ص184
33-	سراپا سخن		ص43

34- بنی ص342

35- واجد علی شاہ ص287

36- صبح گلشن ص64

37- ثلاثہ غسالہ ص112

38- ایضاً ص271تا272

ب - نثر

1 جواہر اخلاق ص67

2- ایضاً ص5،3تا4

3- قاموس الکتب جلد2 ص394،

کلکتہ کے اردو مطابع ص168

4- ثلاثہ غسالہ ص277

5- کلکتہ کے اردو مطابع ص75

6- ایضاً ص159

7- ایضاً ص169

6- ثلاثہ غسالہ ص161

9- ایضاً ص126

10- ایضاً ص134

11- کلکتہ کے اردو مطابع ص175

12- ثلاثہ غسالہ ص183

13- کلکتہ کے اردو مطابع ص47

14- فہرست مخطوطات اردو، پٹنہ ص17

15- کلکتہ کے اردو مطابع ص46

16- ایضاً ص170

17-	فہرست نمائش پٹنہ		ص8
18-	ایضاً		ص5
19-	مخطوطات انجمن کراچی	جلد3	ص11 تا 12
20-	تذکرہ مخطوطات	جلد1	ص181 تا 183
21-	واجد علی شاہ		ص215 تا 226
22-	کلکتہ کے اردو مطابع		ص168
23-	ایضاً		ص172
24-	ثلاثہ غسالہ		ص11
25-	ہندوستانی پریس		ص273
26-	تذکرہ مخطوطات	جلد5	ص220
27-	ثلاثہ غسالہ		ص67
28-	سخن شعرا		ص21
29-	جمے جی ستر ارمان		ص42 تا 52
30-	ثلاثہ غسالہ		ص105 تا 106
31-	ایضاً		ص270 تا 271
32-	کلکتہ کے اردو مطابع		ص163
33-	سخن شعرا		ص349
34-	ایضاً		ص370
35-	فہرست نمائش		ص6
36-	اردو داستان		ص228 تا 239
37-	ترجمہ ہائے متون فارسی		ص262
38-	اردو مخطوطات انجمن کراچی	جلد5	ص91 تا 93

مرشدآباد

1-	سخن شعرا		ص129
2-	ایضاً		ص245
3-	کلکتہ کے اردو مطابع		ص169
4-	علی گڑھ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص101

ڈھاکہ

الف - شاعری

1-	ثلاثۂ غسالہ	ص19
2-	سخن شعرا	ص124
3-	ثلاثۂ غسالہ	ص74
4-	سخن شعرا	ص241
5-	ثلاثۂ غسالہ	ص39تا40
6-	ایضاً	ص184
7-	سخن شعرا	ص291
8-	ثلاثۂ غسالہ	ص75تا76
9-	ایضاً	ص267
10-	ایضاً	ص92تا93
11-	ایضاً	ص123تا158
12-	ایضاً	ص49

سلہٹ

1-	سخن شعرا	ص74
2-	ایضاً	ص30
3-	ثلاثۂ غسالہ	ص222

4- سخن شعرا ص132
5- ایضاً ص153
6- ایضاً ص336
7- ایضاً ص123
8- ثلاثہ غسالہ ص65
9- ایضاً ص223
10- ایضاً ص95
11- سخن شعرا ص217
12- ثلاثہ غسالہ ص269
13- سخن شعرا ص430
14- ثلاثہ غسالہ ص221تا222
15- ایضاً ص232تا233
16- ایضاً ص73
17- ایضاً ص258تا259
18- ایضاً ص117،274
19- ایضاً ص32
20- ایضاً ص234تا235

3-اُڑیسہ

		الف - شاعری	79
-1	جودت-	ہردے رام	79
-2	خاتم-	منشی خاتم الاشرف	81
-3	ظہوری-	محمد ظہور الحق	81
-4	شمس-	شمس الحق	83
	حواشی		84

الف - شاعری

1- جودت- ہردے رام

ناظم بنگالہ نواب مرشد قلی خاں نے اپنے داماد شجاع الدولہ کو اپنی نظامت میں سے اُڑیسہ کی صوبیداری دلوادی۔ اس صورتِ حال کا فائدہ یہ ہوا کہ دار الامارت مرشد آباد میں اہل اڑیسہ کی قدر زیادہ ہونے لگی۔ وہاں کے صاحبانِ علم وفن ترکِ وطن کر کے مرشد آباد میں جا کر رہنے لگے۔ مذکور ہے کہ:

> ''جودت مرشد آبادی، نامش ہردے رام، اصلش از کٹک و سلسلۂ او از منسلکانِ نواب علاء الدولہ سرفراز خاں مرحوم است.....در بلدۂ مذکور بہ عہدِ شاہ عالم بادشاہ انتقال نمود۔''[1]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہردے رام اور اس جیسے پڑھے لکھے مرشد آباد میں پہنچ کر نہ صرف شعر کہنے لگے تھے بلکہ خود کو کٹک کے بجائے اپنے اسی نئے مسکن سے منسوب کرتے تھے۔ نواب علاء الدولہ شجاع الدولہ کے بیٹے تھے اور ان کے بعد بنگالہ کے ناظم ہوئے تھے۔ ان کے زمانے میں بھی حالات بدستور تھے۔

جودت کو بعض لوگوں نے اُڑیسہ کا پہلا اردو شاعر کہا ہے لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ 2 کیونکہ شورش نے بہت قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

"بہ سبب دوستی میر محمد حیات حیرت و بہ صلاح ایں احقر شعر ریختہ ہم می فرمودند۔"

یعنی مرشد آباد میں آنے سے پہلے وہ اردو میں شعر نہیں کہتے تھے۔ بہر نوع بہ صورت موجودہ یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اُس زمانے میں اُڑیسہ میں اردو شاعری کی ابتدا ہو چکی تھی البتہ جناب حفیظ اللہ نیولپوری کا یہ بیان قرین صحت ہے کہ :

"اُڑیسہ کے مختلف علاقوں میں صوفیائے کرام کی خانقاہیں قائم ہوئیں جہاں ایک طرف دہلی، پنجاب، اتر پردیش، بہار اور بنگال سے معیاری اردو زبان براہ راست پہنچی تھی وہیں آندھرا کی طرف سے دکنی اردو بھی یہاں آئی.....جنوبی علاقوں یعنی گنجام اور کوراپٹ ضلعوں میں اب بھی دکنی اردو رائج ہے۔" 3

انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی کے کتب خانے میں محمد شریف درودی نامی کسی دکنی شاعر کی مثنوی لیلیٰ مجنوں کا 1214ھ (1799-1800) کا لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے جس پر ترقیمہ کے نیچے یہ عبارت درج ہے:

"مالک ایں کتاب شیخ مدینہ ولد شیخ ابو محمد ساکن بندر گنجام۔ اگر کسے دعوا کند، باطل و دروغ، کاذب باشد۔" 4

اس کے نیچے شیخ ابو محمد کی مہر اور اس کے نیچے شیخ مدینہ کے بیٹے شیخ ولی محمد کا نام لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گنجام کا رہنے والا یہ پڑھا لکھا خاندان دکنی منظومات کا شائق تھا لیکن ان میں سے کسی ایک کا بھی شاعر ہونا معلوم نہیں ہوتا ہے۔

حفیظ اللہ نیولپوری کی محنت اور کاوش قابلِ ستائش ہے کہ انھوں نے بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے زمانے کے اڑیسہ کے بعض شاعروں کے حالات اور کلام دریافت کر لیے ہیں۔ یہاں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

2- خاتم- منشی خاتم الاشرف

حفیظ اللہ نے ان کو ''بہراج پوری'' کہا ہے لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ:

''ضلع کٹک میں بہراج پور نام کا کوئی موضع نہیں ہے البتہ پہراج پور نام کا ایک قصبہ ہے جو زمانہ دراز سے اسلامی کلچر کی بنا پر معروف ہے۔''5

قدما اپنی تحریر میں حروف مخطوطہ پر مقررہ تعداد میں نقطے بنانے کی پابندی نہیں کرتے تھے اس لیے خاتم کو ''متوطن پہراجپور'' تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عبدالمجید بھونیاں حیا نے اپنے دیوانِ مجید مطبوعہ 1288ھ (دسمبر 1871) میں خاتم کی بعض غزلوں کی تخمیس کی ہے۔ ایک خمسہ کا آخری بند یہ ہے:

حیا پہراجپوری خاتم الشرف ایک ہے ناظم — کہ جس کی نعت گوئی سے کٹک باشی ہوئے نادم

صلہ دیتا یہ شعروں کا بچا رہتا اگر خاتم — عبث خوف و خطر عصیاں کا کرتا ہے تو خاتم

شفیع ہو ویگا محشر میں شفیع المذنبینؐ تیرا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ خاتم کا 1871 سے پہلے انتقال ہو چکا تھا اور وہ بنیادی طور پر ''نعت گو'' تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کٹک کے علاقے میں عموماً نعتیں کہی جاتی تھیں۔ خاتم کی نعتیہ غزلوں کے چند شعر نمونے کے طور پر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

بس میں زباں سے شکر کروں اس رحیم کا — امت بنایا ہم کو رسولِ کریمؐ کا

خاتم پڑھی * ہے صدق سے کلمہ محمدیؐ — پھر خوف اس کو کچھ نہیں نار جحیم کا

مالکِ دنیا و دیں ہے ذاتِ پاک آںؐ جناب — دو جہاں سے برتریں ہے ذاتِ پاک آں جناب

مصطفیؐ عرش پہ داخل ہوئے معراج کی رات — اور اللہ واصل ہوئے معراج کی رات

مندرجہ بالا دوسرے شعر میں حفیظ اللہ ''پڑھے ہے'' لکھا ہے لیکن راقم کا خیال ہے کہ اس کا صحیح تلفظ پڑی ہے (= پَڑِیھے) یعنی پڑھے گا ہونا چاہیے۔ اڑیسہ کی بول چال دہلی کے مقابل میں پورب کے لب و لہجہ سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

3- ظہوری- محمد ظہور الحق

محمد ظہور الحق نام، مولوی عبدالاحد ابن مولوی محمد حسن کے بیٹے، قصبہ معصوم پور ضلع کٹک کے

رہنے والے تھے۔6. ان کے دادا مولوی محمد حسن متوفی 1235ھ (1836) مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ حضرت نعیم اللہ بہرایچی کے مرید تھے۔ ظہور الحق کے گھرانے کی زبان کے سلسلے میں اس نسبت کو اہمیت حاصل ہے۔ اپنے نام کے جزو اول کی مناسبت سے ظہور الحق نے اپنا تخلص ظہوری مقرر کیا تھا۔ یہ بھی نعت گو شاعر تھے۔ ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے :

سلام

پادشاہِ دوجہاں، سلطانِ عالم السلام سرورِ کون ومکاں، سلطانِ عالم، السلام
مالکِ ہردوسرا، اور شافعِ روزِ جزا شافعِ کُل عاصیاں، سلطانِ عالم السلام
اب ظہوری کو کرم سے لے غلامی میں تری کارسازِ عاصیاں، سلطانِ عالم السلام

مستزاد

یا رسولؐ عربی، فخرِ انام لیجیے میرا سلام
آپ کے در کا ہوں ادنا سا غلام لیجیے میرا سلام
زبدۂ خلقِ جہاں قاسمِ خلد و جناں
باعثِ امن واماں سیدِ کون ومکاں
صدق سے اہل زمیں، جن و ملک، اہل سما ساری مخلوقِ خدا
آپؐ کے ذکر میں مصروف ہیں یاں صبح و شام لیجیے میرا سلام

ظہوری اور خاتم دونوں قادر الکلام شاعر تھے اور طویل ردیفوں میں بھی بڑی روانی کے ساتھ نہایت شائستہ اور پاکیزہ نعتیں کہہ لیتے تھے۔ قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ اُڑیسہ کے ان شاعروں نے ہر قسم کی نعتیں کہی ہیں یعنی بہ صورتِ غزل، خمسہ، مستزاد وغیرہ۔ نعتیہ سلام کہہ لینا بھی ان کا لائق ستائش حصہ ہے۔ بظاہر یہ سب کچھ ابتدائی زمانے میں ممکن نہیں تھا۔ گمان غالب ہے کہ خاتم وغیرہ سے پہلے بھی کٹک کے علاقے میں بعض شاعر گزرے ہوں گے جن کا کلام دستبردِ زمانہ سے اب نایاب ہوگیا ہے۔

حفیظ اللہ نیو لپوری نے ظہوری کا سال ولادت 1813 (1228ھ) اور سالِ وفات 1906 (1324ھ) لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہادر شاہ ثانی کے آخر زمانے میں یہ

نو جوان تھے اور ان کی شاعری کا بھی شباب تھا۔ اس عمر میں قواعد اور عروض وغیرہ کے ضابطوں کی پابندی ان کے لیے ممکن نہیں ہو سکی تھی پھر بھی ان کا کلام بہت خوب ہے۔

ایک اور نکتہ جس کی طرف ظہوری اور خاتم کے آخر زمانے کے شاعر عبدالمجید بھونیاں حیا نے اشارہ کیا ہے، یہ ہے کہ اُڑیسہ کے لوگ ''دو بھاکی'' یعنی دو بولیاں بولنے والے تھے یعنی ان کی بول چال کی زبان ''اُڑیا'' تھی اور تحریر کی زبان اردو بن رہی تھی۔ اردو چونکہ بول چال کی زبان نہیں تھی، اس پر گرفت حاصل کر لینا ان کے لیے خاصا مشکل تھا، بقولِ حیا :

نمونہ یہاں کی دو بھاکی زباں کا اس وجہ　　ہوش اُڑ جاتی ہے اردو قاعدہ کو دیکھ کر

4- شمس- شمس الحق

یہ ظہوری کے چھوٹے بھائی تھے 1831 (1247 ھ) میں پیدا ہوئے اور 1901 (1319 ھ) میں فوت ہوئے۔ شمس الحق ان کا نام تھا۔ انھوں نے بھدرک میں رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ بھی نعتیہ شعر کہتے تھے۔ ان کے دو شعر یہ ہیں :

مجھے پیمبرؐ کے در کا رستہ بتا دے مولا　　بتا　　دے　　مولا
وہ آستانِ درِ معلاّ دکھا دے مولا　　دکھا　　دے　　مولا
کہیں خدایا مرے نبی کو، میرے وہ آقا　　مرے　　سخی　　کو
مری یہ فریاد و آہ و نالہ سنا دے مولا　　سنا　　دے　　مولا

افسوس ہے کہ تلاش کے باوجود اڑیسہ کی کسی اور منظوم یا نثری تحریر کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

OOO

حواشی

1-	گلزار ابراہیم		ص99
2-	اڑیسہ میں اردو		ص87
3-	ایضاً		ص93
4-	مخطوطات انجمن کراچی	جلد5	ص244
5-	اڑیسہ میں اردو		ص107
6-	ایضاً		ص110 تا 113
7-	ایضاً		ص117 تا 118

4- گجرات

i- احمد آباد

ii- بڑودہ

iii- بھڑوچ

iv- چمپین

v- سورت

vi- کھمبایت

		گجرات	89
		احمد آباد	91
		الف - غزل وغیرہ	93
-1	حسن-	سید حسن	93
-2	صوفی-	صوفی	95
-3	ظفر-	سید مظفر حسین	95
-4	فضل-	شیخ فضل	97
		ب - نثر	99
-1	شفاعت النبی		99
		بڑودہ	101
-1	ناداں-	شیخ عبادت حسین	103
-2	یعقوب-	یعقوب علی خاں	103
-3	بلیغ-	غلام قادر	104
-4	خوشتر-	سید برہان الدین	104
-5	غالب-	سید حاجی میاں	105
-6	مجروح-	میر فیاض الدین	106

بھڑوچ 107
الف - شاعری 109
1- کامل- میر کمال الدین حسین 109
2- انجم- میر احمد علی 110
3- جولاں- شیخ غلام شاہ 111
4- فائق- قاضی نور الدین حسین 112
5- تسکین- میر حفیظ اللہ خاں 114
6- بیتاب- بدر الدین 115
7- مشتاق- شیخ نجم الدین 115
8- مائل- میر حیدر 116
9- مفتون- امیر صاحب 117
ب - تذکرہ 121
سچین 123
1- محب- شیدی ابراہیم خاں 124
2- اخلاص- شیدی عبدالرحیم خاں 124
سورت 127
الف - شاعری 127
1- فہیم- ملک سردار 128
2- منظور- شیخ عبداللہ 128
3- بخشش- بخشو میاں شیخ احمد 130
4- بہادر- شیخو میاں 132
5- فاضل- دوسو میاں 133
6- کمتر- منشی عبدالحکیم 134

7-	اخگر-	رضی الدین	135
		ب - نثر	137
		کھمبایت	139
1-	عابد-	غلام زین العابدین	140
2-	علوی-	غلام جیلانی	140
3-	عرفی-	غلام وجیہہ الدین	141
4-	کاظم-	محمد کاظم	142
5-	منیر-	منیر محمد	142
6-	نجف-	محمد شفیع	143
	حواشی		145

گجرات

بیرون ممالک کے ساتھ گجرات کے روابط سمندری راستوں سے بھی رہے ہیں۔ وہاں ایک مدّت سے مختلف یوروپی اقوام کا بھی آنا جانا رہا ہے۔ ان میں پرُتگالی اور فرانسیسی قومیں دوسروں کے مقابلے میں پیش پیش تھیں۔ ان کی زبان اور معاشرت کے بھی ساحلی علاقوں پر بتدریج اثرات مرتب ہو رہے تھے۔

گجرات کے جغرافیائی حالات کا ہی غالباً یہ فائدہ ہوا تھا کہ اس صوبہ میں مسلمانوں کی تجارت پیشہ قومیں بھی آباد ہو گئی تھیں۔ تجارت اور نتیجہ کے طور پر صنعت وحرفت سے دلچسپی بلکہ مشغولیت کا ایک نقصان یہ ہوا کہ یہ قومیں علمی اکتسابات کی طرف کما حقہ، توجہ نہیں کر سکیں اور مقامی باشندے اس اعتبار سے ان کے مقابلے میں زیادہ ترقی کر گئے۔

عیسائی مشنری اپنے عقائد کی ترویج واشاعت کے لیے ہر قسم کے طریقوں اور تدبیروں کو کام میں لا رہے تھے، مثال کے طور پر بتایا گیا ہے کہ اس صوبہ میں ثانوی تعلیم کے لیے پہلا مدرسہ 1840 (1256ھ) میں ''مشن اسکول'' کے نام سے قائم کر دیا گیا تھا۔1 لیکن جیسا کہ کہا گیا، اس تعلیم گاہ سے بہ وجوہ مسلمان عموماً احتراز کرتے رہے۔ علاوہ ازیں اُنیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی زمانے کے سیاسی حالات کو بھی مسلمانوں کی پسماندگی اور ادبار میں دخل

رہا ہے۔اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

اُنیسویں صدی عیسوی کے وسط میں جو صورتِ حال سامنے آ گئی تھی اس نے مسلمان قوموں کو بھی خود احتسابی کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ان کی خانقاہوں اور مدرسوں میں اپنے شاندار ماضی کے احیا کی تدابیر کی فکر کی جانے لگی تھی۔اس پس منظر میں حقائق اور واقعات پر نظر کرنے کی ضرورت ہے۔

احمد آباد

جیسا کہ نام سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے شہر احمد آباد کو گجرات کے خطّے میں مرکزی مقام کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اُنیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرہ کے وسط میں انگریزوں نے اس شہر پر مرہٹوں سے قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ اُس وقت شہر عملاً ویران ہو رہا تھا۔ شہر پناہ بھی جگہ جگہ سے شکستہ پڑی تھی۔ مدرسے اور کتاب خانے بھی تباہی سے دوچار ہو رہے تھے، البتہ عیسائی مبلّغوں نے اپنے مقاصد کے مطابق اپنی عبادتگاہیں اور مدرسے وغیرہ قائم کرنے شروع کر دیے تھے۔ ان مشنریوں کی کارکردگی کے ردِّعمل کے طور پر ہی سہی، مسلمانوں میں بھی بتدریج ایک قسم کی بیداری آتی جا رہی تھی۔ علم وفن اور شعر وسخن کی باضابطہ محفلیں نہ سہی، علم وادب کی ترویج سے متعلق انفرادی کوششوں کے سلسلے جاری ہو گئے تھے۔

بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے عہد میں احمد آباد میں ارباب فکر وعمل اور اہل علم ودانش کی تعداد زیادہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ صرف چند شاعروں کا احوال معلوم ہوتا ہے اور اسی سے اس شہر کے علمی ماحول کا کسی قدر اندازہ کیا جانا چاہیے۔

الف - غزل وغیرہ

1- حسن- سید حسن

قاضی نور الدین فائق کے تذکرے میں حسن شاعر کے حالات اس طرح سے مندرج ہیں:

''حسن تخلص، سید حسن نام خلف میر باقر علی باقر، اکتساب علم فارسی از پدر خود
کردہ، بہ خوش نویسی معروف، مرد خجستہ اطوار است، از شعرائے مشہور احمد آباد و
نیز دریں فن با پدر خود مشورۂ سخن می کرد۔ اکنوں ترکِ شعر گوئی کردہ۔''[2]

اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت احمد آباد کے صاحبانِ علم و دانش اپنے علم و فن کو نئی نسل کی تحویل میں پہنچا دینے کے خواہاں تھے اور یہ نئی پود بھی اپنے ماضی کے سرمایے کو سینہ سے لگا کر رکھنا چاہتی تھی کہ یہی ان کا موروثی سرمایہ تھا۔

حسن کو اپنی شاعری کی قدر و وقعت کا بخوبی اندازہ تھا۔ خود کہتا تھا:

بخدا شعر تیرے میر حسن   ایک سے ایک سب نیارے ہیں

اہل گجرات ولی کی استادانہ حیثیت پر فخر کرتے تھے۔ میر حسن نے غزل گوئی میں ''ثانی ولی'' کا درجہ حاصل کر لیا تھا چنانچہ ایک مقطع میں اس نے خود بھی کہا ہے:

آفریں تجھ کو حسن بعد ولی کے تونے   صبحِ مضموں سے مبدل کیا گجرات کی رات

اس کی غزل کے کچھ شعر نمونے کے طور پر درج ذیل ہیں:

میں بھی ہوں ہُشیار، مطلب کچھ تو کرلوں گا حصول   شب جو میرے بخت کی مانند وہ سوجائیگا
کہو کیا بھلا ہوگا قاتل کا یارو   کہ مارا ہے جس نے حسن سے جواں کو
نقدِ دل لوٹ لیا، نازو کرشمہ دکھلا   ہاتھ سے، بات سے، اور چشم کی عیّاری سے

ان شعروں میں زبان کی خوبی اور بیان کے لطف سے ظاہر ہے کہ میر حسن اپنے وقت کے باکمال شاعروں میں سے تھے۔ مضمون آفرینی کا انھیں بہت شوق تھا، اور یہی وہ خوبی ہے جس نے ان سے بعض اچھے قصیدے بھی لکھوا لیے تھے۔

بڑودہ میں 1253ھ (1837) میں اپنے بھائی کے بعد نواب حسام الدین خاں جانشین ہوئے تھے۔ علم وفن کے قدر دان کی حیثیت سے انھوں نے شہرت پائی تھی۔ میر حسن نے ان کی خدمت میں بھی ایک قصیدہ پیش کیا تھا۔ اس میں کہا ہے:

3

یہاں تو اور بھی کہنے کو ہیں بہت اُمرا   پناہِ بیکس و غربا اسی کی ہے سرکار

ممدوح کے نام کا شاعر نے بہت دلچسپ انداز سے اظہار کیا ہے۔ کہتا ہے:

عیاں قصیدہ میں ہے نام نامداراس کا   کرے کوئی جو سرِ لفظ ہشت بیت شمار

اور وہ "ہشت بیت" یہ ہیں:

حبابِ بحرِ ساں حیران میں ہوا ہوں اور   ستم زمانہ کا دیتا نہیں ہے، دم کا قرار
ح   س
امیر پنجۂ جورو جفا یہاں تک ہوں   مجھے تو دیکھ کے حیراں ہیں سب صغار وکبار
الف   م
امن کی جا نہیں ایسی جہاں پناہ ملی   لبوں پہ اس لئے نالہ ہے میرے سوسوبار
الف   ل
دہک رہی مرے سینے میں آتشِ غم ہے   یہ سینہ ہے بھرا یا ہے خلیل کا گلزار
د   ی

خبر جو لیوے کوئی غم زدے کا ہو غمخوار | نظر مجھے نہیں آتا ہے اب زمانے میں
ح | ن

نہفتہ اس سے یہ سب کر رہا تھا میں تکرار | ابھی یہ دل سے تھا میرے سوال و جواب مرا
ن | الف

کہا کسو نے رو لطف سے کہ اے ہشیار | کہ یک بہ یک مجھے آواز کان میں آئی
ک | ک

اگرچہ مطلب دل کا حصول ہے در کار | یہ کیا ہیں وہم وخیالات فاسدہ تجھ کو
الف | ی

تشبیب کے ان شعروں سے شاعر کی جدتِ فکر اور ندرتِ بیان کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ میر حسن موقع بہ موقع سلام وغیرہ بھی کہہ لیتے تھے۔ان کے ایک سلام کے دو شعر یہ ہیں:

دنیا میں غم شہ میں جو ہو خستہ تن اپنا | کافی یہ سند ہے کہ ہو مسکن عدن اپنا

ہے نام خدا ورد زبان بیچ تن اپنا | یہ بات بڑی اور ہے چھوٹا دہن اپنا

کہا جا سکتا ہے کہ میر حسن نے سبھی مروجہ شعری اصناف میں خوبی کے ساتھ طبع آزمائی کی تھی اور ان کے اثر سے اس خطے میں ان سب کی طرف کم وبیش توجہ کی جا رہی تھی۔

2- صوفی- صوفی

ان کے حالات بھی کچھ معلوم نہیں۔قاضی فائق کے تذکرے میں بھی بس اتنا لکھا ہے:

''صوفی تخلص،ذردیشے مجہول الحال است کہ در احمد آبادی ماند۔'' 4

اس کا صرف یہ ایک شعر لکھا ہے:

اس زرد پوش کی جو ہنسی کی صفت لکھوں | صوفی مرا قلم شجرِ زعفراں بنے

اچھا شعر ہے۔اُس علاقے کے چلن کے مطابق یہ شاعر بھی رعایتِ لفظی کا دلدادہ معلوم ہوتا ہے۔

3- ظفر- سید مظفر حسین

قاضی نور الدین فائق اِس ظفر کے دوست اور اس کی لیاقتوں کے نہایت مداح تھے چنانچہ اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں:

> ''ظفر تخلص، ماہر رموز شاعری سید مظفر حسین بخاری، داماد سجادۂ حضرت برہان الدین قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ، تولد ونشونما بہ احمد آباد دارد۔ در حل نکاتِ فارسی و دریافتِ استعارات دخل معقول و در نثر نویسی و تاریخ دانی سلیقہ مقبول۔ چوں نفسِ ناطقہ اش لذت یافتۂ ایں فن است نظم دلکش و اشعار بے غش می نویسد۔ سیّد یست بہ صنوف خلق و علم معروف و از احیائے راقم و تربیت سید باقر علی باقر۔''5

ظفر کے استاد باقر یہ سیّد حسن کا ذکر پہلے حصے میں کیا جاچکا ہے۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے ظفر کے حالات میں جو اضافہ کیا ہے، مختصراً یہ ہے:

> ''سید مظفر حسین بن سید غلام رسول نقوی۔ احمد آباد کے قطبی بخاری تھے۔ انگریزی فوج میں میر منشی کے عہدے پر ایک عرصہ تک فائز رہے۔ اس کے بعد کراچی کے قریب کیٹی بندر میں بہ عہدۂ فوجدار مامور کیے گئے..... ملازمت سے دستبردار ہونے کے بعد کاشتکاری کرتے تھے۔ 1883 (1300ھ) میں 60 سال کی عمر میں انتقال کیا..... زیادہ تر مدح اہل بیت میں اشعار کہتے تھے۔''6

ان کی ایک غزل کے کچھ شعر یہ ہیں:

مسکن ہو بلا ریب بہشتِ عدن اپنا — خادم جو سمجھ لیوے حُسین وَحسن اپنا
اُمّت جو پیاری تھی رسولؐ دوسرا کی — شبیر نے پیارانہ کیا جان وتن اپنا
اکبر کو دکھا کہتے تھے حضرت رفقا سے — پہنچے گا جو میدان میں یہ صف شکن اپنا
چھ لاکھ ہیں یا اس سے فزوں لشکرِ اعدا — پر رُخ نہ ہٹاویگا کوئی فیل تن اپنا
زینب نے پیاسوں کو دکھا کر کہا بھائی — مُرجھائے ہے بے آب ہر اک گلبدن اپنا
سرور نے کہا ہائے جگر پھول سا شق ہے — کچھ بس نہیں چلتا ہے یہاں پر بہن اپنا

تعجب ہے کہ اس قسم کی غزلیں کہنے والے نے یہ شعر بھی کہا ہے:

ظفر تیری غزل کل کس نے میخانے میں گائی تھی — لبِ مینا سے جو ہر دم خطاب لفظِ قلقل تھا

ظفر کا یہ شعر بھی توجہ طلب ہے:

گھر بنا خورشید رو کا سمتِ مغرب شہر میں — توبہ سے کیجئے پیش از طلوع آفتاب

4- فضل- شیخ فضل

فضل بھی ظفر کے استاد بھائی تھے چنانچہ فائق نے لکھا ہے:

''فضل تخلص، شیخ فضل نام، از اولاد میاں مخدوم، کہین برادر غلام شاہ جولاں، از شعرائے تازہ مشق احمد آباد، طبع تیزی دارد، در فارسی نوے کامیاب اصلاح سخن از میر باقر علی باقر است۔''7

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے:

سوئے ہم ابرو و مژگاں کے تصور میں کبھی — خواب بھی آیا تو ہردم تیر اور تلوار کا
چین کا نقاش بھی چیں مان جاوے یہیں فضل — کھینچے گر نقشہ ستمگر کی جبیں کی چین کا

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں احمد آباد میں میر باقر کے شاگردوں کا بول بالا تھا۔ باقر بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے اور مناسبت لفظی کے دلدادہ تھے۔ یہی طرز ان کے شاگردوں کا بھی تھا۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان لوگوں نے دوسری شعری اصناف کی طرف توجہ نہیں کی تھی لیکن غالب رجحان غزل ہی کی طرف تھا۔

ایک استاد سے وابستگی کا یہ فائدہ تو ہوا کہ اس شہر میں فکر و خیال اور زبان و بیان کا ایک مخصوص رجحان ابھرنے لگا تھا لیکن اس صورت حال میں معمولاً استاد کے درجے سے معیار کا بلندتر ہو جانا قرینِ قیاس نہیں ہے۔

اس زمانے میں احمد آباد پر انگریز قابض تھے جو نہ تو ہندوستانی علم وادب کے شناسا تھے اور نہ اُنھیں اس سے کوئی بڑی دلچسپی ہی تھی۔ اس شہر میں کوئی موقر، موثر اور قدر شناس شخصیت بھی اس زمانے میں موجود نہیں تھی۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ علمی مسائل اور موضوعات ہی نہیں زبان اور بیان کے معاملات میں بھی وہاں ندرت اور تنوع کی صورت رونما نہیں ہو سکی۔ حالات نے اس شہر کے شاعروں کے نام اور کلام کی شہرت کو بھی دور دراز کے مراکز تک پہنچنے نہیں دیا چنانچہ ان کے ذکر سے شاعروں کے تقریباً سبھی معاصر تذکرے خالی رہ گئے ہیں اور آج ان کی علمی کارکردگی کا سراغ لگانا بھی آسان نہیں رہ گیا ہے۔

ب - نثر

قاضی نورالدین حسین خاں فائق نے احمد آباد کے بعض شاعروں کی نثر نویسی کا ذکر کیا ہے لیکن یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ وہ فارسی میں تھی یا اردو میں۔ اس مرکز پر شعر گوئی کی عمر خاصی ہو چکی تھی اس لیے وہاں نثر کے لکھے جانے کے لیے تمام قرائن موجود تھے۔ وہ زمانہ تھا جب حالات نے طبیعتوں کو مذہب اور خدا پرستی کی طرف مائل کر دیا تھا۔ عیسائی مبلغوں کی مساعی کے ردِعمل کے طور پر مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب کی تلقین اور اشاعت کے لیے کوششیں شروع کر دی تھیں اور اس طرح اردو نثر میں چھوٹے بڑے رسالے وغیرہ لکھے جانے لگے تھے۔

1- شفاعت النبیؐ

عیسائی مشنریوں کا دعویٰ تھا کہ حضرت عیسیٰ نے تمام انسانوں کو گناہوں سے پاک کرانے کے لیے خود کو قربان کر دیا تھا۔ اس دعوے کے توڑ کے لیے مسلمان علما نے شفاعت کے نظریے کی ترویج و اشاعت پر زور دینا شروع کر دیا۔ احمد آباد میں بھی اس مسئلہ سے متعلق 19 صفحوں کا ایک مختصر سا رسالہ ''شفاعت النبیؐ'' کے نام سے لکھا گیا تھا۔ اس کے مصنف کا نام مولوی محمد صدیق تھا اور وہ خود کو ''گلستانی ثم احمد آبادی'' کہتے تھے۔

رسالے کے نام سے اس کے مطالب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے اس کے تعارف میں لکھا ہے:

"(یہ رسالہ) شاہ اسمٰعیل اور ان کے متبعین کے خلاف لکھا گیا ہے۔ تمہید میں بتایا ہے کہ اس میں ساکنانِ احمد نگر کے گیارہ سوالوں کے جواب ہیں مگر موجودہ نسخے میں صرف ایک سوال کا جواب ہے اور وہ بھی نامکمل معلوم ہوتا ہے۔ رسالہ آخر سے ناقص ہے۔ ابتدائی چھ سات سطریں فارسی میں ہیں۔ باقی مضمون اردو میں۔"8

ابتدا- "مفتاحِ سخن حمدِ جناب پروردگار راست و چراغ ہدایت نعتِ حضرت شفیع المذنبین احمد مختار صلی اللہ علیہ و آلہ الاطہار و اصحابہ الکبار و بر اتباع ایشاں بے شمار لہٰذا بعد، بندہ ہیچمداں ژولیدہ بیاں......"

خاتمہ- "اے میرے خاص بندے، سر سجدہ سے اٹھاؤ۔ جو کہنا ہے کہو۔ میں سنوں گا۔ جس کی شفاعت چاہو گے میں قبول کروں گا۔ جو مانگنا ہے مانگو میں دوں گا۔"

زبان اس رسالے کی بہت صاف ہے۔ اس کا سالِ تصنیف متعین نہیں ہے۔ جو کچھ معلوم ہے، یہ ہے کہ مصنف کو سید عبدالفتاح اشرف علی گلشن آبادی نے "اخی المکرم" کہا ہے اور اسے اپنے فارسی اور اردو کے قصیدوں کا ایک انتخاب اپنے خط کے ساتھ 1282ھ (1865) میں بھیجا تھا۔9 اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف مولوی محمد صدیق اشرف سے بڑے رہے ہوں گے اور ان کا رسالہ اشرف کے انتخاب سے پہلے لکھا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مولوی محمد صدیق کے مذکورہ رسالے کے علاوہ احمد آباد کی کوئی اور نثری تحریر تا حال ہمارے علم میں نہیں ہے۔

بڑودہ

بڑودہ مرہٹوں کی ریاست تھی لیکن آخر آخر تک اس ریاست کے معاملات کا جو انداز تھا، اس کا اندازہ سید محمد علی جویا مرادآبادی کی درج ذیل تحریر سے کیا جانا چاہیے:

''عریضہ محمد علی

رسالہ حالات مہاراجا کھانڈے راؤ والی بڑودہ کہ نہایت سخی باذل، دریا دل، خوش اعتقاد، نیک نہاد تھے، یہاں تک کہ بعد انتقال آگ میں بھی نہ جلے اور یہ سب حال وسال ان کا اس میں درج ہے اور تمام رسالہ میں فقرات تاریخی ہیں۔ مشتے نمونہ از خروار، دو تین فقرے لکھے جاتے ہیں:

<u>بسم اللہ الاوّل العظیم</u> <u>حمد اس خدائے برحق کو</u> <u>کہ جس نے خلیل کو نمرود کی آگ سے بچادیا</u>

1287ھ 1287ھ 1287ھ

وَ قُلنا یٰنار کونی بَرداً وَّ سَلٰماً علیٰ ابراھیم کہہ دیا۔''[1]

اور اسی سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''یہ تاریخیں مہاراجا کھانڈے راؤ والی ملک برودہ کی ہیں کہ سخاوت میں دریا دل تھا اور بعد حاتم کے اسی شخص نے نام پایا۔ ظاہر میں ہندو، باطن میں اہل ایمان،

حالانکہ بعد انتقال آتش اس پر گلزار خلیل ہوگئی۔ اہل اسلام کو یہ دلیل ہوگئی۔

اس واجب التعظیم مالکِ نعیم کا حال اظہر من الشمس ہے محتاجِ بیان نہیں:

پس مرگ آتش بر وسر وشد بہ ناچار زیرِ زمیں او نہفت
سروش از فلک با ہزاراں الم خلیل خدا بود تاریخ گفت" 2

1287ھ

اس نوعیت کے معاملات کے سبب سے بڑودہ کی ریاست کی نیک نامی دور تک پہنچی تھی۔
دہلی کی تباہی کے بعد مختلف ریاستوں سے ہوتے ہوئے حکیم احسن اللہ خان بہادر بھی بڑودہ پہنچے۔ وہاں ان کی پذیرائی ہوئی۔ وہیں رہ پڑے اور بالآخر وہیں پر انھوں نے وفات پائی۔ جویا مرادآبادی نے تاریخ کے قطعے کہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

تاریخ وفات حکیم احسن اللہ خاں دہلوی3

بمرد افسوس خان احسن اللہ طبیب نامی دہلی نکو حال
برائے سال ہاتف گفت جویا مسیحے رفت برگردوں بگو سال

1290ھ

شاہ عالم ثانی کے معاصر گووندراو گائکواڑ نے نواب نصیرالدین کو بڑودہ میں لاکر عزت دی۔ وہ شہید ہو گئے تو ان کے بیٹے میر کمال الدین کو طلب کیا اور انھیں منصب و جاگیر عطا کی۔ یہ خاندان ریاست گائکواڑ کا نہایت وفادار رہا ہے۔ کمال الدین کے بعد ان کے بیٹے میر امین الدین کو مسند ملی۔ یہ شاعر تھے اور نصیری تخلص کرتے تھے۔ 1235ھ (1837) میں ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی نواب حسام الدین خان بہادر نے مسند سنبھالی۔ یہ نیک دل اور شجاع رئیس تھے اور بقول شاعر:

پناہ بیکس و غربا اسی کی ہے سرکار

ان کی شہرت سن کر رامپور اور لکھنؤ جیسے معروف مراکز سے بھی بعض شاعر اور عالم ترک وطن کر کے بڑودہ پہنچے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

1- ناداں- شیخ عبادت حسین

قاضی فائق نے ان کے تعارف میں لکھا ہے:

''ناداں تخلص، شیخ عبادت حسین نام، موطنش رامپوراست۔ درایامِ طفولیت دریں دیار آمدہ، حلق درسواران راجاذ ھرم پورشدہ۔ واقعات چند سبب ترکِ ملازمتِ راجۂ مز پورشدہ۔ اکنوں در بردوہ رفتہ، بسیارے وقت شریکِ مشاعرۂ تازہ مشقانِ سورت می شد۔ از راقم حروف شناسائی دارد۔ غرض ناداں مرد ناداست۔''4

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ ناداں بچپن ہی میں ترکِ وطن کر کے نکل گئے تھے۔ رامپور کے شعری اور معاشرتی ماحول سے وہ کم ہی فیضیاب ہو سکے تھے۔ ان کا صرف ایک شعر مل سکا ہے:

بجز آہ و فغاں کوئی نہ اب مونس ہمارا ہے ترا اے آہ بس اس دم فقط ہم کو سہارا ہے

اس شعر سے شاعر کی پریشان حالی اور پریشان خیالی ظاہر ہے۔ کلام میں حشو وزوائد کی موجودگی اور لفظوں کی تکرار ناپختگی اور نومشقی کی مظہر ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے کسی استاد سے فیض پایا تھا یا نہیں۔

2- یعقوب- یعقوب علی خاں

یعقوب کے حالات بھی فائق نے قدرے تفصیل سے لکھے ہیں:

''یعقوب الموسوم بہ یعقوب علی خاں خلف محمد علی خاں، از طائفۂ افاغنہ، پدرش از بلدۂ رامپور آمدہ۔ درسرکار گائیکواڑ متعلق گردیدہ بہ حفاظت وحراستِ قصبہ ڈبھوئی مامور شد۔ وے دریں نواح تولد ونشو نما یافتہ۔ بعد فوت پدرش والیِ بڑودہ خدمتے کہ برائے والدش بود براو مسلم داشت۔ در فارسی و گجراتی مہارتِ شایستہ دارد، خصوص در موسیقی بلند آوازہ واز راقم تعارف جاری است۔''5

رامپور کے علمی اور معاشرتی ماحول سے یعقوب کو براہِ راست واقفیت حاصل نہیں تھی۔ بظاہر جس وقت اس کا یہ تعارف لکھا گیا تھا، یہ نومشق اور نوعمر رہا ہوگا۔ گانے بجانے کے لیے شعر کہتا ہوگا۔ غالباً یہی سبب ہوگا کہ تعارف کے باوجود فائق نے اس کا صرف یہ ایک شعر نقل کیا ہے:

یعقوب نہ کیوں رکھے عزیز اس کی گلی کو یوسف سے ہزاروں ہی جہاں بس نظر آئے

اس کی شاعری کا بھی وہی حال ہے۔

3- بلیغ- غلام قادر

یہ اپنے زمانے کے کہنہ مشق اور مشاق شاعروں میں سے تھا۔ فائق کے تذکرے میں اس کا احوال اس طرح لکھا ہے:

''بلیغ تخلص، غلام قادر نام، مولدش لکھنؤ، نشو نما در دکن یافتہ۔ از عرصہ دہ سال دریں نواح رنگِ اقامت ریختہ، حالا از چندے در سلکِ ملازمان گائیکواڑ منسلک است و ورندمائے آپا صاحب برادر مہاراجا گائیکواڑ والی بڑودہ می باشد۔ زیادہ ازیں چہ نوشتہ آید کہ کلام بلیغ بلیغ است۔'' 6

ان کو اپنے مولد یعنی لکھنؤ کے نامِ برآوردہ اساتذہ کے کلام سے بہت دلچسپی رہی ہے چنانچہ خود بھی اُسی طرز میں شعر کہنے کی کوشش کرتے تھے اور لفظی و معنوی صنعتوں کو بہت محنت سے صرف کرتے تھے۔ ان کے بعض شعر ذاتی مشاہدے اور فکر و خیال پر مشتمل ہوتے تھے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

زلف کی یک گرد کو کر کے خطا رشکِ صد نافۂ ختن باندھا
دیکھ کہتے ہیں اسے اہلِ جہاں ناحق گہن دودِ آہِ عاشقاں سے ہے جو کالا آفتاب
خواہش ہے بہر رنگ نہ شنجرف کی بلیغ آنکھوں کے خوں سے اپنا شبستاں ہوا ہے سُرخ
جوش کھاتا ہے سمندر دیکھ ماہِ چاردہ موجزن ہوتا ہے بحرِ اشک رونے یار دیکھ

گجرات کی سرزمین علمی نقطۂ نظر سے بھی خاصی زرخیز رہی ہے۔ اس خطّہ میں جن اربابِ فکر و فن نے نام حاصل کیا تھا ان میں مقامی لوگوں کا تناسب اچھا رہا ہے چنانچہ اس مقام پر بڑودہ کے دو تین شاعروں کا مجملاً ذکر کیا جاتا ہے۔

4- خوشتر- سید برہان الدین

خوشتر، بلیغ کے شاگرد اور یعقوب کے ہموطن تھے۔ ان کے بارے میں فائق نے لکھا ہے:

''خوشتر تخلص سید برہان الدین عُرف میراں صاحب، ساکن قصبہ دیہوی، آبائیش طریقۂ پیری و مریدی می دارند۔ او بہ خلاف آبا و اجداد خود ملازمتِ راجۂ بڑودہ اختیار کردہ، از تازہ مشتاقانِ ہماں بلدہ است و باداعی اتحاد دارد۔

تیغ سخناں را بہ فسانِ مشورتِ غلام قادر بلیغ آب می دہد۔ نظر بہ تخلص او دیگر
از یں چہ خوشتر باشد۔''7

معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں استادی شاگردی کی روایت بھی جڑ پکڑ نے لگی تھی۔ شاید اسی کا فائدہ تھا کہ نومشقی کے باوجود اس شاعر کا کلام خوشتر تھا۔ نمونہ یہ ہے:

جسمِ لاغر پہ یہ نہیں ہیں رگیں　　لاکھ زنجیروں میں ہے تن باندھا
رشتۂ الفت جو وہ ظالم ہے مجھ سے توڑتا　　باندھتا ہوں تار اس وقت آنسوؤں کے تار کا
کون سے برق وش کو دیکھا ہے　　یوں جو بجلی ہے بیقراری میں
جام سے پینے سے بھی وہ ذائقہ حاصل نہیں　　جو مزا بوسے سے ملتا ہے لبِ میخوار کے

۵- غالب- سید حاجی میاں

اس غالب کے بارے میں قاضی نورالدین فائق نے بہت اختصار کے ساتھ مفید معلومات قلمبند کر دی ہیں:

''غالب تخلص، سید حاجی میاں، از ساداتِ بڑودہ، مردِ خوش مزاج وحمیدہ اطوار و از آبا و اجداد خود داخلِ زمرۂ ملازمانِ مہاراجا گائیکواڑ است۔ اکثر طبعش مائل مناقب جناب مرتضوی است۔''8

لائقِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ فائق نے ''مناقب'' کا تو ذکر کیا ہے لیکن مرثیہ کا نام نہیں لیا ہے۔ حاجی میاں غالب کے کلام کا نمونہ یہ ہے:

زلف میں اور پریشان ہوا دل اپنا　　کب سنبھلتے ہیں سنبھالے سے جو دیوانے ہیں
چاند تک دکھلا کے بھلاؤں پہ کیا صورت کروں　　مانگتا ہے طفلِ دل ہٹ کر کے اس کی سی شبیہ

معلوم ہوتا ہے کہ مضمونِ تازہ کی تلاش کی کوشش کی گئی ہے۔ بطور مجموعی کلام میں پختگی کا وصف پایا جاتا ہے۔

6- مجروح- میر فیاض الدین

مجروح کے والد بھی شاعر تھے اور ''شہادتِ جناب سید الشہدا'' سے متعلق شعر کہنے کے لیے

معروف تھے۔ خود مجروح غزل گو تھے چنانچہ ان کے تعارف میں فائق نے لکھا ہے:

''مجروح تخلص، میر فیاض الدین عرف بڑا صاحب، مہین پسر میر غیاث الدین شائق، ہنگام اقامت سورت اصلاح از والد ماجد خود در صورت بود و باشش بڑودہ از سید میر علی آمیر اصلاح می کرد۔ تیغ سخنش را آب آب می دہد گویا دریں فن ایں شائق ابن شائق۔''

سید میر علی امیر دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ ماہر علوم عقلی و نقلی اور اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ اس طرح مجروح کو اپنے علاقے کے دو معروف صاحب کمالوں سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ان کی شاعری کا نمونہ یہ ہے:

دل پہ مجروح اس کی ابرو سے — زخم پر زخم اور کھائیں گے ہم
مثل گل دایم جو رکھتا چاک ہے دست جنوں — کس لیے پھر اس گریباں کو سلانا چاہیے
ہر سحر بستر سے اٹھ مثل نسیم صبح دم — بوستانِ کوچۂ جاناں میں دنا چاہیے

مجروح کی زبان پر مقامی بول چال کا اثر نمایاں ہے۔ بطور مجموعی ان کے بیان کا طرز پسندیدہ اور زبان سلیس ہے۔ مضامین میں بھی کوئی دقت یا پیچیدگی معلوم نہیں ہوتی ہے۔

بڑودہ کے جتنے شاعروں کا حال معلوم ہو سکا ہے، تقریباً سبھی غزل گو تھے۔ کوئی کوئی مرثیہ اور منقبت وغیرہ بھی لکھ لیتا تھا لیکن ان اصناف کو چلن حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ بعد کے زمانے میں البتہ غزل کے علاوہ دوسری معروف شعری اصناف کو بھی رواج حاصل ہونے لگا تھا۔

بڑودہ میں شاگردی اور استادی کی روایت قائم ہو چکی تھی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یہاں زبان و بیان کے معاملات پر نظر کی جانے لگی تھی اور رفتہ رفتہ شاعری کا معیار بھی بلند ہونے لگا تھا۔

بھڑوچ

امتیاز الدولہ معز خان بہادر کے انگریزوں سے شکست پا جانے کے بعد بھڑوچ کی ریاست ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔ ناچار انھوں نے بمبئی میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے صاحبزادے مرزا امید الدین بیگ خاں بھی وہیں ان کے ساتھ رہنے لگے۔ سرکار انگریزی نے ان کے واسطے جو وظیفہ مقرر کر دیا تھا، اسی پر ان کی بسر تھی۔ تیرھویں صدی ہجری کے وسط (انیسویں صدی عیسوی کے عشرۂ چہارم) میں مرزا نے وفات پائی اور اس طرح بھڑوچ میں نوابی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے عہد میں بھڑوچ میں کوئی ایسی قابل توجہ شخصیت نہیں رہ گئی تھی جو اس معاشرہ کی مرکزیت کو قائم رکھتی۔ صاحبانِ فکر وفن اور ارباب شعر وسخن کے درمیان انتشار کی صورت پیدا ہو گئی۔ غالباً اسی انتشار کا فائدہ یہ ہوا کہ دوسرے مراکز کے مقابلے میں بھڑوچ میں شاعروں اور علم دوستوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی۔ ان میں سے تقریباً سب گجرات کے رہنے والے تھے۔ صوبے کے باہر سے بھڑوچ میں آنے والا ایک آدھ ہی کوئی ہوگا۔ دوسری لائق توجہ حقیقت یہ بھی تھی کہ بھڑوچ میں ہر استاد اپنے اپنے طور پر شاگردوں کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہو گیا تھا چنانچہ یہاں زبان وبیان ہی نہیں، فکر وخیال کے اعتبار سے بھی بطور مجموعی یکسانی کی صورت پیدا نہیں ہو سکی تھی۔

الف - شاعری

1- کامل- میر کمال الدین حسین

بھڑوچ میں اس زمانے میں استادی شاگردی کی روایت قائم ہو چکی تھی۔ اور جہاں تک معلوم ہو سکا ہے یہاں کے سب سے بڑے استاد کامل تھے جو فائق کے رشتے میں بھائی ہوتے تھے اور دونوں کے مابین عمدہ روابط تھے۔ انھوں نے فائق کے تذکرے کے شروع میں ایک تقریظ بھی لکھی ہے۔ ان کے تعارف میں فائق نے جو لکھا ہے، مختصراً اس طرح ہے:

"کامل تخلص..... شمع شبستانِ مصطفویؐ..... میر کمال الدین حسین رضوی خلف سیادت مآب سید باقر صاحب۔ سلسلۂ نسب بہ واسطۂ سید احمد جعفر شیرازی..... بہ امام محمد نقی..... منتہی می شود..... منصب قضات در ہنگام قیام عدالت بہ قلعہ کھیڑہ بہ والدِ بزرگوارش مفوض بودہ، تولدش در سورت رو دادہ، پس رشد دریں بلدۂ عشرت موج (بھڑوچ) رسیدہ، ایدون اقامت پذیر احمد آباد ست۔ تحصیل فن در خدمت والد ماجد دائی (فائق) کہ ابن العم حضرت می شوند نمودہ و نیز استفادۂ علوم از استادنا مولوی نور محمد صاحب کردہ، جدتِ ذہن بہ مرتبہ ایست کہ تیز زباناں بہ حضورش بے زبان..... سلیقۂ نوشتن نثر بسیار متین، نظم ہمچو لبِ دلبراں

رنگین و شیریں۔ انچہ از دودۂ قلمش برآید حلوائے بے دوداست بلکہ انچہ نوشتم براں نیز بایہ افزود۔ بسرا پا کمال بود نش تا نفصش ولیلے ست روشن و ہویدا..."[1]

لالا سری رام کی یادداشتوں میں کامل کا ذکر اس طرح آیا ہے:

"میر کمال الدین حسین رضوی فرزند سید باقر علی، باشندۂ بندر سورت۔ نواب صاحب کی سرکار میں منشی گری اور وکالت کے عہدے پر ممتاز تھے۔"[2]

اگرچہ اس میں کئی باتیں صحیح نہیں ہیں، اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کامل کو اپنے کمالات کے سبب گجرات کے باہر بھی شہرت حاصل رہی تھی۔ کامل کو نہ صرف اپنے کلام کی خوبیوں کا ادراک تھا، بلکہ وہ اپنے خطے کے باکمالوں کا احترام بھی کرتے تھے۔ ایک مقطع میں انھوں نے میاں سمجھو کا ذکر اس طرح کیا ہے:

کب سخن کا اپنے ہے آشفتہ طبعوں کو مذاق	میرے مضمون کے سمجھنے کو بھی سمجھو چاہیے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کامل چھوٹی بحروں میں خصوصیت سے اچھی غزلیں کہہ جاتے تھے۔ ان میں بعض شعروں میں ضرب المثل بن جانے کی بھی لیاقت ہوتی تھی، مثلاً:

ہم سے تو حالِ عیش وصل نہ پوچھ	اپنا ہاتھ اور اس کا داماں تھا
اُڑتی پھرتی ہے مشتِ خاک اپنی	ہم سلیمان اپنے وقت کے تھے
ہے اگر ان کو ناز کی پر ناز	ہم بھی یہاں ناتوان رہتے ہیں
تنِ لاغر ہے ایک تنکا سا	اُس کی چلمن میں باندھ دے کوئی
توڑیں گے خوشی سے اس کو زاہد	شیشہ ہے کسی کا دل نہیں ہے
تابِ نظارہ کسے ہے کہ تری محفل میں	بے حجابانہ کوئی آ کے مقابل بیٹھے

ان شعروں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاعر کو ہر قسم کی صنعتوں کے نظم کر دینے کا نہایت شوق تھا، البتہ اکثر لفظوں کو قدیمانہ لب ولہجہ اور تلفظ کے مطابق صرف کرتے تھے۔

2- انجم- میر احمد علی

اس زمانے میں بھڑوچ کے شاعروں میں سے کئی میر کامل کے شاگرد تھے۔ انھیں میں ایک انجم بھی تھے۔ فائق نے لکھا ہے:

''انجم تخلص..... مقبولِ بارگاہِ لم یزلی میر احمد علی خلف سید امام بخش سجادہ نشین درگاہ
عرش اشتباہ سید محمد سراج الدین شاہ عالم قدس سرہ..... صاحب خلق عظیم وحلم
عمیم..... از مشکلات تحصیل علومِ فارسی رابہ درجۂ بلند رسانیدہ، گاہے بہ اشتغالِ
فکر سخن مکلفِ اوقاتِ خودی باشند وخودرا از شاگردانِ میر کمال الدین حسین
کامل می شمرند۔''3

ان کے کلام کا انداز متصوفانہ ہے۔کوئی شعر ہوگا جو اسی طور کے مضمون پر مشتمل نہ ہو۔ان کے کچھ شعر یہ ہیں:

کون اس بُت سے کامیاب ہوا | بہ خدا جو ملا خراب ہوا
ہوں گے سب سُن سَنے کو عشق ان کے | گر مرا حشر میں حساب ہوا
حالتِ نزع میں اُڑھا دینا | میرے مہ رو کی آسمانی شال
اللہ رے کیا پیچ ہے قسمت کا ہماری | جو پیچ میں زلفوں کے وہ رکھتا ہے ہمیشہ

سیدھی سادی زبان اور اینچ پینچ سے خالی طرزِ بیان ہے۔

3- جولاں- شیخ غلام شاہ

یہ بھی درگاہی حلقے سے تعلق رکھتے تھے اور میاں انجم کے استاد بھائی تھے۔ فائق کے تذکرے میں جو لکھا ہے، مختصراً اس طرح ہے:

''جولاں تخلص، حافظِ کلام اللہ شیخ غلام شاہ، جانشین میاں مخدوم قدس اللہ سرہ،
کہ اجلِ خلفائے حضرت شاہیہ..... نسب صدیقی..... استفادۂ علم عربی از......
مولانا دادا میاں صاحب حاصل نمودہ، قراتِ قرآنش..... مستمعان را مدہوش می
سازد و مرد رنگیں طبیعت ورنگیں خیال، نیک خو، نیک خصال، در یں فن از تلامذۂ
میر کمال الدین حسین کامل است۔''4

فائق نے ان کے صرف یہ دو شعر تذکرے میں لکھے ہیں:

گرم جولاں یار کار ہتا ہے توسن آجکل | باد بھی اس کا نہ چھو سکتی ہے دامن آجکل
کیوں دشت کو ہونہ سُرخروئی | ہر خار کو ہے زیارتِ پا

معلوم ہوتا ہے کہ حافظ جولاں کو مشکل ردیفوں میں شعر کہنے کا شوق تھا۔ وہ سامنے کے مضامین کو بھی اس خوبی سے نظم کر دیتے تھے کہ ان میں جدّت کا لطف پیدا ہو جاتا تھا۔

4- فائق- قاضی نورالدین حسین

ریاست بھڑوچ کے معتبر علمی گھرانوں میں فائق کا خاندان ممتاز تھا چنانچہ اس علاقے میں علم و سخن کی جو سرگرمیاں تھیں، براہ راست اور بالواسطہ طور پر ان میں اس گھرانے کا کم وبیش دخل ضرور ہوتا تھا۔ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ میر کمال الدین حسین کامل بھی فائق کے چچازاد بھائیوں میں سے تھے۔

معزز گھرانے سے متعلق ہونے کا فائدہ یہ تھا کہ فائق کے مزاج میں انکسار تھا چنانچہ اپنے بارے میں انھوں نے لکھا ہے :

''فائق تخلص، ایں ضعیف ونحیف، اگر چہ فقیر دریں فن رغبتے ومیلِ خاطر نمی داشت گاہ گاہے بعد از فراغ از طالبعلمی بہ تحریکِ محبان صادق واحبائے موافق فکرِ سخن میکرد۔ نمی خواست کہ خود را بہ زمرۂ نکتہ پروران نامی ودقیقہ سنجانِ گرامی درآرد، اما نظر بہ ایں کہ دقیقہ شناسانِ روشن قیاس...... بہ مقتضائے نفس سلیم خطاپوش وطبع حلیم عذر نیوش بے بضاعتاں را معاحب خطائی کنند ودر اخفائے معایب می کوشند افکار موہومۂ خود را بعرض می دارد۔'' 5

ڈاکٹر سید ظہیرالدین مدنی نے قاضی فائق کے حالات اس طرح قلمبند کیے ہیں:

''سید محمد نورالدین حسین بن قاضی سید احمد حسین شیرازی، فائق تخلص، بہ مقام بھڑوچ 1823 (1239ھ) میں پیدا ہوئے اور 1869 (1286ھ) میں انتقال ہوا۔ مادۂ تاریخ ''فروغ'' ہے۔ گجرات کے مشہور بزرگ سید احمد جعفر شیرازی
1286
کے خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سلسلۂ نسب امام محمد تقی تک پہنچتا ہے.....شاہ عالم ثانی نے.....فائق کے جدِ امجد سید احمد حسین عرف سید میاں کو بھڑوچ میں عہدۂ قضاۃ پر مامور کیا تھا۔ اس وقت سے اب تک اس خاندان میں قضاۃ چلی آتی ہے.....ان کی تصانیف یہ ہیں:

طالع نجوم 1275ھ (1858)، انشائے اسلام خانی، تذکرہ سادات شیراز 1268ھ (1869)، ذکر فرماں روایان ہندوستان، مخزن شعرا (تذکرہ شعرائے گجرات) ان کے علاوہ بعض کتابوں پر تقریظیں بھی لکھی ہیں۔''6

مخزن شعرا تاریخی نام ہے جس سے سال تصنیف 1286ھ (1852) معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مولوی عبدالحق کے پیش نظر جو نسخہ رہا ہے اس کے ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

''تمت ہٰذا تذکرہ تاریخ شانزدہم شوال المکرم روز جمعہ سنہ ہزار و دوصد و ہفتاد من ہجرۃ المبارک در بندر بھڑوچ بہ اتمام رسید۔ کاتب و مولف و مالک ہٰذا یکے است۔''7

چنانچہ مصنف نے بعض ضروری واقعات کا 1270ھ تک میں حاشیہ پر اضافہ کردیا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اس تذکرے کو انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن کی طرف سے 1933 میں اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کردیا تھا۔ مقدمہ میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے:

''قاضی صاحب مرزا غالب کے ہمعصر تھے اور ان سے سلسلۂ خط وکتابت بھی تھا..... قاضی صاحب نے اس تذکرے کا مسودہ بھی مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا۔ بعد ملاحظہ مرزا صاحب نے جو خط لکھا ہے وہ بطور یادگار کے اس تذکرے کے آخر میں درج کردیا گیا ہے۔ علاوہ اس تذکرے کے مرزا صاحب (قاضی فائق) کی اور بھی کئی تالیفات ہیں جن میں جواہر الفقہ اور تحفۃ العرفان مطبع نولکشور میں طبع ہو چکی ہیں۔ دو ایک کتابیں غیر مطبوعہ اب تک ان کے خاندان میں موجود ہیں۔''8

اس نہج پر جملۂ معترضہ کے طور پر یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب کے حالات میں مولانا حالی نے لکھا ہے کہ:

''(مرزا غالب اردو شاعری) میں اپنی کسرِ شان جانتے تھے چنانچہ ایک فارسی قطعہ میں جس کی نسبت مشہور ہے کہ اس میں شیخ ابراہیم ذوق کی طرف خطاب ہے، کہتے ہیں:

فارسی ہیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ　　بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است
راست میگویم من واز راست سرنتواں کشید　　ہرچہ درگفتار فخر تست آں ننگ من است'' 9

قطع نظر اس سے کہ غالب نے اپنے اردو کلام کو بھی اکثر فخریہ پیش کیا ہے اور ان کی شہرت کا مدار بھی اسی پر ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انھوں نے فائق کے تذکرے کی فارسی نثر کے بارے میں اپنی رائے فارسی کے بجائے اردو میں لکھ کر بھیجی تھی۔

اہلِ گجرات کے حالات میں فائق کے تذکرے کو تا حال اوّلیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی کے تحقیقی مقالے ''سخنوران گجرات'' کے شائع ہو جانے کے باوجود اس تذکرے کی اہمیت اور افادیت برقرار ہے۔ اپنے زمانے کے رواج کے مطابق فائق ایک اچھے غزل گو شاعر تھے۔ بظاہر تذکرے کی تالیف کے وقت تک انھوں نے اردو شاعری کی دوسری اصناف کی طرف قابلِ ذکر حد تک توجہ نہیں کی تھی اور غالبًا اپنا دیوان بھی مرتب نہیں کیا تھا۔ ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے :

خواب میں نظارہ ہونے کے سبب کچھ تھی امید　　بختِ خفتہ نے ولے تعبیر کو پلٹا دیا
مثل گوہر اس کے دندانِ درخشاں دیکھ کر　　ہو گئے اختر سما کے سارے حیراں دیکھ کر
جان دی تب ہوا وصال صنم　　نفع کو دیکھ اور ضرر کو دیکھ
بے نیازی ہے اس کی قابلِ ناز　　جرم بخشے ہے ہر بہانے سے
حیف ہے چھوڑیے گلی اس کی　　فائق اغیار کے ڈرانے سے
یاس و اُمید کے جھگڑے میں پھنسے ہیں فائق　　کب خدا جانے ہمیں ان سے رہائی ہوگی

5- تسکین- میر حفیظ اللہ خاں

یہ تسکین قاضی نور الدین فائق کے بھائی تھے چنانچہ لکھا ہے :

''تسکین تخلص برادر عزیز مولوی میر حفیظ اللہ خاں کہ بہ صفات حسنہ واخلاقِ رضیہ تفوق بر ہمعصراں دارد۔ ذہن ذکا و فکر رسا در ذاتش ظاہر است و درکمی استعداد معقول در فنون منقول و معقول و نیز در گجراتی و قوانینِ آں قدرتِ کاملہ بہم رسانیدہ۔ از ایام قلیل شوقِ سخن گوئی پیدا کردہ۔'' 10

فائق کی طرح ان کے تلمذ کا بھی حال معلوم نہیں ان کی نو مشقی کے زمانے کا ایک شعر یہ منقول ہے :

ڈالے نہ کیوں وہ مصحفِ رو پر نقاب کو　　حفظِ ادب کو رکھتے ہیں قرآں غلاف میں

اچھا شعر ہے اور شاعر کی طبیعت کے میلان کا مظہر ہے۔

6- بیتاب- بدرالدین

بیتاب فائق کے خاندان کے فرد تو نہیں تھے البتہ اسی گھرانے کے وابستگان میں سے تھے چنانچہ فائق نے لکھا ہے:

''بیتاب تخلص، بدرالدین نام ابن حافظ محمد شریف از متوطنانِ ایں بلدہ است۔ چند سال در خدمتِ والا مرتبت حضرت قبلہ گاہی ماندہ۔ دو سال است کہ در سرکار نواب بادشاہ بیگم صاحبہ بر انشا پردازی مامور۔ شاعر متورّع و متدیّن است، طبع موزوں می دارد۔ بار ہا شریک مشاعرہ می شد۔'' 11

بیتاب نو مشقی کے زمانے میں ہی مشاعروں میں شرکت کرنے لگے تھے۔ اس وقت کے ان کے کلام کا نمونہ یہ اشعار ہیں:

شکل آئینہ میں مت دیکھ پری رو ہر دم　　ورنہ اپنی ہی تو صورت کا دوانہ ہوگا

اعجاز عیسوی سے لبِ یار کم نہیں　　زندہ کیا ہے جس نے مسیحا کا نام آج

کشتۂ ناز ہے ترا بیتاب　　او مسیحا ذرا ادھر کو دیکھ

سرخ دامن پر کنا دی کی نہیں تحریر ہے　　شعلۂ سوزانِ دل بیتاب دامن گیر ہے

بعض لفظوں کے تلفظ اور طرزِ تخاطب وغیرہ سے زبان کی قدامت نمایاں ہے۔ امکان اس بات کا بھی ہے کہ گجرات کے علاقے میں یہی بول چال کا انداز رہا ہو۔

7- مشتاق- شیخ نجم الدین

یہ مشتاق بھی فائق کے والد سے فیض پانے والوں میں سے تھے۔ بھڑ وچ کے علاقے میں ان کی شخصیت اس اعتبار سے بہت موثر تھی کہ یہ اپنے گھر پر مشاعروں کا اہتمام کرتے تھے۔ مہتمم مشاعرہ کی حیثیت سے ان کی پسند و ناپسند تمام شرکا بہ شمول سامعین، کے شعری مزاج کو براہِ راست

اور بالواسطہ طور پر کم و بیش متاثر کرتی تھی۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مشاعرے نومشقوں کے لیے تربیت گاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ فائق نے مشتاق کے حالات میں لکھا ہے:

''مشتاق تخلص.... سرآمد دقیقہ کیشانِ باریک بیں شیخ نجم الدین عرف میاں بابا از مشاہیر مشائخ زادگان ایں بقعۂ متبرکہ واز اولادِ امام العادلین عمر ابن الخطابؓ، بہ والدِ معز زالیہ دروقت قیامِ عدالت بہ قلعہ کھیڑہ خدمتِ مولوی گری تفویض بودہ..... نجم تولدش..... دریں بلدہ طلوع یافتہ۔ تحصیل کتب درسورت کردہ و بہ خود حدیث بہ خدمت حضرت والدِ ماجد داعی (فائق) اخذ نمودہ..... قوت حل نظیمہ بسیار و در نثر نویس بار وزہ مرہ سروکار..... زیادہ تر مالوف سخن بود، در ہر روز آدینہ بہ مکان خود محفل مشاعرہ آراستے و مصروف بدیں شغل شدے..... در فضل وکمال یکتاست.....''12ے

ان کے چند شعر نمونہ کے طور پر درجِ ذیل ہیں:

حسرتِ دل نکل گئی دمِ قتل — اپنا سر اس کے پاؤں پہ دیکھا
نازو انداز کا غلام ہوں میں — ایک بندہ ہے اور دو صاحب
اس کی مژگاں کے تصور میں کہوں کیا مشتاق — دل میں کھٹکے ہے مرے خار ینا ایک نہ ایک
تجھ کو نہیں صنم جو مری چاہ ان دنوں — پروا نہیں مجھے تری واللہ ان دنوں
ہے بہت مرگ و زیست میں جھگڑا — آپ آکے اسے مٹا دیجے
جوں شیشہ گر کے ہاتھ سے یو اس نے کیے ہیں — نظروں سے گرا کر دلِ دلگیر کے ٹکڑے

8- مائل- میر حیدر

مائل اپنے زمانے میں بھڑوچ کے باکمالوں میں شمار ہوتے تھے۔ فائق کے ساتھ ان کے گہرے روابط تھے چنانچہ انھوں نے اپنا تذکرہ مائل کے کہنے سے لکھا تھا۔ کہتے ہیں:

''محبِ گرامی نژاد و مکرم عالی ہنر والا مناقب میر حیدر صاحب۔ المتخلص بہ مائل زیادہ تر باعث و موید شدند کہ..... اگر اشعار موزوں طبعان ایں بلاد خلد آثار مع حالِ شاں بہ عبارت روزمرہ ثبت افتد.....''13ے

اس تذکرے میں مائل کے حالات اس طرح درج ہیں:

''مائل تخلص......صاحب المفاخر والمناقب سید حیدر صاحب کہین برادر سید چھوٹے صاحب المتخلص بہ احمد....صاحب موصوف از سادات عالی درجات است.....تولّد ونشو نما در یں خجستہ بلدہ بخُز وچ است.....بذل وسخائے او غلغلہ در گورِ حاتم اندا ختہ و.....جامع اخلاق ضخیم، با راقم اتحاد دلی د.....در فارسی کامیاب پایۂ بلند و بہ گجراتی صاحب دستگاہ ار جمند، چوں مزاج شریفش مایل اشعار وراغب مذاق ایں فن است، گاہے اب ملیح بیاں را بہ شغل مضامین شیریں حلاوت آگیں می فرماید۔'' 14؎

تذکرہ کے قلمی نسخہ کے حاشیہ پر فائق نے مائل سے متعلق یہ اضافہ کیا ہے:

''میر مائل بعد اختتام ایں کتاب روز دوشنبہ بست وہشت شوال 1276ھ (1860) از عارضہ بہشت نصیب شد وداغ بر جمیع مردم بدیں طور رسید کہ گویا قیامت تازہ بر پاشد ودر خانہ..... بیماری در یک روز قریب دہ مردم مع اہلیۂ میر جان بہ حق شدند۔''

میر حیدر مائل کی زبان پر بھی قدامت کا اثر ظاہر ہے۔ ان کا کلام حشو وزوائد سے خالی نہیں ہے۔ ان کو نئے مضامین کی تلاش کا بہت شوق معلوم ہوتا ہے اور بطورِ مجموعی ان کا کلام قابلِ قدر ہے۔ نمونہ یہ ہے :

نہ دیا اس نے ایک ساغر بھی — دل مرا جل کے بس کباب ہوا
پڑھوایا ہم سے نامۂ اعمال حشر میں — افسانہ اپنے عشق کا وہاں بھی بیاں ہوا
دہانِ زخمِ دل کس کس مزہ سے تیر چوسے ہے — نمک میں کب مزا ملتا ہے قاتل تیرے پیکاں کا
تو جو جانے نہیں دیتا ہے ہمیں اے درباں — تجھ سے شکندۂ دروازۂ خیبر سمجھے

9- مفتون- امیر صاحب

قاضی نورالدین فائق کے اس مفتون کے ساتھ بھی اچھے معاملات تھے چنانچہ لکھا ہے:

''مفتون تخلص، امیر صاحب نام، پسرِ محمد صاحب، سید صحیح النسب واز خاندانِ

عالی نہادِ ایں بلدۂ شریفہ، تولّد ونشو نما از یں شہر است.... در نوشت وخواند فارسی کام رواست..... صاحب طبع ذکاوفہم رسا است... ذہن پاکیزہ وفکر شستہ می دارد وچوں مزاجش راغب شعرگوئی بیش از بیش است، بارے مشتغل سخن خود رامی کند.... واز جودتِ طبع در اکثر اوصاف سخن فکر شایستہ می نماید، غرض کہ کلامش خالی از لطافت نیست وقابلِ توصیف،..... خیالاتِ رنگیں از قلم مشکینش بے دریغانہ تراوش می کند.....''15

ان کے کچھ شعر مثالاً یہاں درج کیے جاتے ہیں:

اے مرگ میرے حال سے کیوں بے خبر ہے آج — میں جاں بہ لب ہوں ہجر میں اور تو کدھر ہے آج
تو خفا ہو کے وہ کہتا ہے مجھے یاد نہ کر — ظلم یہ دیکھیے رات ہچکیاں آئیں اُس کو
اگر ہو خضر کی سی زندگانی — بھرے ہرگز نہ وصلِ یار سے دل
اے پری اپنی تو کر کو دیکھ — مت بُرا حالِ ناتوانی پوچھ

دوسرے شعر میں ہچکیاں کی ''ہ'' دبتی ہے۔ اس قسم کی اور مثالیں بھی ان کے کلام میں مل سکتی ہیں۔ دراصل بھڑوچ وغیرہ مراکز پر شاعری ابتدائی مدارج میں تھی اور زبان و بیان اور عروض وغیرہ کے ضابطوں کی اُس دور میں کماحقہٗ پابندی کی توقع کرنا بیجا ہے۔

بہادر شاہ ثانی بادشاہِ دہلی کے زمانے میں مذہب پسندی بھی شرافت کے لوازمات میں شمار کی جاتی تھی۔ بھڑوچ کے علاقے میں بھی صورتِ حال کچھ مختلف نہیں تھی چنانچہ اس وقت کے شاعروں کے کلام میں بھی عموماً ایسے ہی مضامین نظم کیے جاتے تھے۔ مبتذل اور فحش شعر کہنے سے شعرا اپنے آپ کو بحدِ امکان بچاتے تھے۔

بھڑوچ کے جتنے شاعروں کا حال سامنے آیا ہے تقریباً سب براہِ راست یا بالواسطہ طور پر ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی طبیعتوں میں بھی بہت زیادہ تفاوت نہیں معلوم ہوتا ہے۔ نومشقوں کا بھی یہی معاملہ تھا چنانچہ اس ریاست کے شاعروں کے یہاں فکر، خیال اور طرزِ بیان وغیرہ میں تنوع کی صورت زیادہ پیدا نہیں ہوسکی تھی۔ تقریباً سبھی شاعر غزل گو تھے۔ اس بات سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی شاعر نے محض اپنے شوق سے دوسری شعری اصناف میں بھی طبع آزمائی

کی ہو لیکن ایسی انفرادی کاوشوں کا معیار ایسا نہیں رہا ہوگا کہ قابلِ ذکر اور لائق توجہ حیثیت حاصل ہو جاتی۔

بھڑوچ میں نوابی ختم ہو چکی تھی۔ ایسے میں اپنے ماضی کی یادگار قائم کرنے کے خیال کا پیدا ہونا قدرتی بات تھی چنانچہ اس شہر کے بعض شاعروں کی تحریک کے نتیجہ میں اس شہر کے ممتاز علمی خاندان کے ایک فرد نے اپنے صوبہ گجرات کے شاعروں کا مختصر ہی سہی لیکن ایک تذکرہ لکھ کر نہایت مثبت اور لائق تحسین کارنامہ انجام دیدیا تھا۔

ب - تذکرہ

بھڑوچ میں اردو شاعروں کا اس زمانے میں صرف ایک تذکرہ لکھا گیا تھا۔ اس کے مصنف قاضی نورالدین حسین رضوی شیرانی متخلص بہ فائق تھے جن کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ تذکرہ فارسی زبان میں ہے اور ترتیب اس کی بہ لحاظ حروف تہجی ہے۔

مصنف کو تاریخ گوئی کا شوق تھا چنانچہ اس نے اپنے اس تذکرے کا نام بھی تاریخی رکھا ہے۔ اس کے لیے اس نے جو قطعہ کہا ہے یہ ہے:

''قطعہ تاریخ لمولفہ''16

چوں کرد فائق تمام ایں مخزن   ہست مملوز لولوے لالہ
ملہم غیب گفت تاریخش   خوش کتاب است مخزن شعرا

1268

اس تذکرے کی ایک خوبی یہ ہے کہ جو شاعر اردو کے علاوہ فارسی اور گجراتی وغیرہ زبانوں میں بھی شعر کہتے تھے ان کے ذکر میں اس امر کی بھی نشاندہی کردی گئی ہے۔

میاں سمجھو گجرات کے بڑے باکمال استادوں میں تھے۔ انھوں نے ایک قطعہ میں اس تذکرے اور اس کے مصنف کے بارے میں مفید معلومات پر مشتمل ایک قطعہ نظم کیا ہے۔ وہ یہاں

درج کیا جاتا ہے۔

''قطعہ تاریخ طبع زاد فصیح زماں زماں میاں مجھو صاحب''17۔

اک میرے مہربان فضیلت شعار ہیں — جن کی شمیم زلف سے گجرات ہے تتار
ہے قلعۂ بھڑوچ کہ ان سے کُلہ براوج — وھاں زبدہ کو فخر ہے پابوی حصار
یوں مسندِ قضائے شریعت کو اُن سے زیب — جوں آسماں کو مہر سے ہے نور و افتخار
لے درس شمسِ بازغہ کا ان سے آفتاب — بیضاوی سحر کو پڑھے ان سے روزگار
ہے نورِ دین احمدؐ مختار ان کی ذات — ہے اُن کے نام نامی سے معنی یہ آشکار
اس بحرِ حلم و علم کے آئی جو جی میں لہر — کی موج خیز طبع رواں کو جو ایک بار
گجرات کے لکھا شعرا کا یہ تذکرہ — کیا تذکرہ خزینۂ دُرہائے آبدار
کی اُن نے شاعروں کو حیاتِ ابدعطا — خضر و مسیح سے بھی نہ ہوتا کبھی یہ کار
مجھو میں اس کو کیوں نہ کہوں گلشنِ بہشت — ہوگا کبھی خزاں کا نہیں اس میں دخل و بار
ہے اسی کا ہر ورق ورقِ گل سے بھی فزوں — کھٹکے کسی کو اس میں نہیں کوئی ایسا خار

گذرانہ چاہئے سرِ انصاف سے تو بس
1

تاریخ منصفو ہے عیاں باغِ نو بہار

1268=1267+ھ

اس تذکرے میں ایک سے زائد شاعروں کے حال نیں ''انشا پردازی'' کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد فارسی نثر نویسی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی نثر کے چلن کی وجہ سے بھڑوچ میں اردو نثر کو رواج نہیں ہو سکا تھا چنانچہ تا حال وہاں اردو نثر کا کوئی قابلِ ذکر نمونہ دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔

سچین

پیشوا کے مشورہ سے شیدی نواب عبدالکریم خاں نے جنجیرہ پر اپنے حق سے دستبردار ہو کر سورت سے متصل ایک نیا شہر مومن آباد سچین کے نام سے بسایا اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔1 شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی نے انھیں مبارز الدولہ نصرت جنگ کے خطاب سے سرفراز کیا۔

شیدی عبدالکریم خاں کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیدی ابراہیم خاں مسند نشین ہوئے اور ان کے خطابات ''مبارز الدولہ شیدی نواب محمد ابراہیم علی خاں یاقوت خاں نصرت جنگ'' مقرر ہوئے۔ انھوں نے کوئی 100 برس کی عمر پا کر 1269ھ (1852) میں وفات پائی۔ اپنی فیاضی کے لیے یہ مشہور تھے۔ انھوں نے حاجیوں کی سہولت کے لیے ایک جہاز بھی بنوایا تھا۔

شیدی ابراہیم خاں کے بعد ان کے فرزند شیدی نواب عبدالکریم خاں دوم نے مسند پائی انھوں نے 1286ھ (1869) میں انتقال کیا۔

مومن آباد سچین کا یہ نواب خاندان صاحب علم اور علم دوست تھا۔ اِس خاندان میں ایک سے زائد لوگ شاعر ہوئے تھے۔

1- محبؔ- شیدی ابراہیم خاں

محبؔ تخلص ہے شیدی ابراہیم خاں کا۔ قاضی فائق کا کہنا ہے کہ یہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ومثنویات تھے۔ اپنے دولت خانے پر پابندی سے مشاعرے کرتے تھے اور سورت تک کے شاعروں کو مدعو کرتے تھے۔ ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی نے'' حدیقۂ احمدی'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

'' (نواب ابراہیم نے) ایک کتاب حکایاتِ فارسی اور یوسف زلیخا کا اردو میں ترجمہ کیا تھا اور بدرِ منیر کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ راقم کی نظر سے مذکورہ تصانیف نہیں گذری ہیں۔'' 2ؔ

گمانِ غالب ہے کہ یوسف زلیخا کا ترجمہ منظوم رہا ہوگا۔

2- اخلاصؔ- شیدی عبدالرحیم خاں

یہ نواب شیدی محمد ابراہیم محبؔ کے بیٹے تھے۔ نواب شیدی عبدالرحیم خاں الرحیم خاں عرف سیدو میاں نام اور اخلاصؔ ان کا تخلص تھا۔ شاعری ان کی موروثی تھی۔ ڈاکٹر مدنی نے لکھا ہے:

'' شعروشاعری سے اتنا شغف تھا کہ محل پر ہر ہفتہ بزمِ مشاعرہ منعقد ہوتی تھی اور اس کے بعد رقص وسرود کا سلسلہ رہتا تھا۔ میاں سجھو سے گہرے مراسم تھے۔ ایک جگہ سجھو کو لکھتے ہیں:

سجن کو بھیجیں یہ ارمغاں سجھو کہ ایک محبؔ ہیں وہاں اخلاصؔ'' 3ؔ

قاضی نورالدین فائق کا کہنا ہے کہ اخلاصؔ صاحب دیوان شاعر تھے اور انھوں نے ایک عشقیہ مثنوی بھی لکھی تھی جو کئی ہزار شعروں پر مشتمل تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سبھی معروف شعری اصناف میں کم وبیش طبع آزمائی کی تھی۔ ڈاکٹر مدنی نے ان کے ایک خمسہ کے بھی کئی بند لکھے ہیں۔ یہاں صرف دو بند نقل کیے جاتے ہیں:

ہمدموں سے نہ کبھو دردِ جگر کہہ جانا 4ؔ شکل تصویر ہو خاموش، الم سہہ جانا
صورتِ شمع سرِ شکوں میں ہمیں بہہ جانا گر کوئی پوچھے تو منہ دیکھ کے چپ رہ جانا
نہ تکلم، نہ اشارہ، نہ حکایت، نہ سخن

آہ دل برق مرے سینہ سے چمکاتی ہے   ابرِ غم سے بھرے اس دل پہ گھٹا چھاتی ہے
بانگ نالہ کی مرے رعد کو شرماتی ہے   جب میں روتا ہوں تو آنکھوں سے برس جاتی ہے
کبھی ساون کی جھڑی یا کبھی بھادوں کی بھرن

محبت اور اخلاص کے مشاعروں میں سورت کے علاوہ آس پاس کے دوسرے مقاموں کے شاعر بھی شریک ہوتے ہوں گے۔ قیاس کہتا ہے کہ ان سب کے اثر سے خود چھین کے موزوں طبع بھی کچھ کچھ کہنے لگے ہوں گے۔ افسوس ہے کہ تلاش کے باوجود ان کا نام اور کلام دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔

سورت
الف ۔ شاعری

شاہی کے زمانے میں سورت کا شمار مغربی ساحل کے اہم ترین بندرگاہوں میں ہوتا تھا۔ اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے وقت میں یہاں نواب سید نصیرالدین حاکم تھے۔ ان کی وفات کے بعد نواب سید افضل الدین 1237ھ (1822) میں مسند نشین ہوئے۔ انھوں نے انتقال کیا تو ان کے داماد نواب میر جعفر علی خان بہادر نے 1258ھ (1842) میں ان کی جگہ لی البتہ سرکار انگریزی نے ان کے وظیفہ کی رقم کم کر دی۔ انھوں نے 1280ھ (1863) میں رحلت کی تھی۔

سورت ایک مدت سے شعر و سخن اور علم و فن کا مرکز رہا ہے۔ نواب جعفر علی خاں کے ابتدائی زمانے میں یہاں غلام محمد سمجھو کی استادی کی دھوم تھی۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

> ''آئینۂ تاریخ کے بیان کے مطابق ایک دیوانِ ریختہ، سلام، مجرے، ایک فارسی تذکرہ خزینۃ الشعرا اور تین مثنویاں سمجھو سے یادگار ہیں۔''[1]

سورت میں میاں سمجھو کے کئی شاگرد تھے چنانچہ ان کے فیض سے اِس شہر میں تقریباً سبھی معروف شعری اصناف میں کم و بیش طبع آزمائی کی گئی تھی۔

1- فہیم- ملک سردار

قاضی نورالدین فائق کے تذکرے میں فہیم کا حال صرف دوسطروں میں لکھا ہے، اس طرح:

''فہیم تخلص، ملک سردار، جوانیست از تازہ مشقانِ سورت۔ زکاوت در طبعش معلوم می شود و چند اشعارِ خود را بہ نظرِ فیض منظر میاں سمجھو گزرانیدہ، از آں اشعار پسندیدہ شد۔''2

فہیم کے صرف دوشعر فائق کے تذکرے میں لکھے ہیں:

یہ اُسی کی شمیم کاکل ہے اے صبا کیوں ہمیں اُڑاتی ہے
وہ تو برہم نہیں ہے ہم پہ، یہ زلف کس لیے پیچ و تاب کھاتی ہے

اسے استاد کا فیض سمجھنا چاہیے کہ نومشقی کے باوجود فہیم کے کلام میں روانی بھی ہے اور سلاست بھی ہے۔ افسوس ہے کہ اس باصلاحیت کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

2- منظور- شیخ عبداللہ

منظور لائق استاد کے لائق شاگرد تھے چنانچہ فائق کے تذکرے میں ہے:

''منظور تخلص، نامش شیخ عبداللہ، عرب نژاد است۔ توطن و تولد در سورت دارد۔ صاحب طبعِ ذکا و فکرِ رسا است۔ مثنوی جگر سوز کہ جگر سوزی را بکار بُردہ و داد قابلیت دادہ، از تصنیفِ اوست۔ بالجملہ دریں فن سلیقۂ شایستہ وقدرتِ پسندیدہ بہ اوست۔ منظورِ نظرِ اہلِ انصاف وکلامش از انتساف دعوجاج صاف۔ شاعر یست بہ تہذیب اخلاق و مروّت پیراستہ و بہ اوصافِ خوش کلای ورنگیں مزاجی آراستہ، از راقم ہم اتفاقِ ملاقات دست دادہ واز شاگردانِ رشید میاں سمجھو صاحب است۔''3

ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے منظور کے حالات میں مزید معلومات قلمبند کی ہیں، خلاصہ ان کا یہ ہے:

''شیخ محمد منظور ولدِ شیخ عبداللہ بلدرم الریمی الیمنی القریشی، منظور تخلص کرتے تھے..... خانقاہ عیدروسیہ میں قدیم طرز تعلیم حاصل کی.... اردو، فارسی دونوں

زبانوں میں شعر کہتے تھے.... 1860 میں سورت سے منظور الاخبار جاری کیا جو سال چھ مہینے میں موقوف ہوگیا۔ فارسی دیوان کا پتہ نہ چلا۔ اردو غزلوں کا مجموعہ 1269ھ (1853) میں بمبئی سے شائع ہوا۔ دو بزمیہ مثنویاں منظور جہانی 1265ھ میں اور جگر سوز 1269ھ میں، اپنے استاد گھو کی افیونی نامہ کے جواب میں در مذمتِ افیون 1265ھ میں، ایک اور مثنوی دریا موج کے نام سے سورت کے 12- ذیقعدہ 1300ھ (1883) کے قیامت خیز سیلاب کے بیان میں تیرہ سو تیرہ شعروں پر مشتمل لکھی تھی۔ نثر میں بھی گلدستۂ نشاط و سرور کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا۔ ولی کا دیوان مرتب کر کے بمبئی سے 1290ھ (1873) میں چھپوایا تھا۔''4

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ گھو اور منظور نے متعدد مثنویاں لکھ کر سورت کے علاقے میں اس صنف کو رواج دینے کی مثبت اور لائق تحسین کوشش کی تھی۔ افسوس یہ ہے کہ ان کی بیشتر تصانیف دستبردِ زمانہ سے اب نایاب ہوگئی ہیں۔

بنیادی طور پر منظور بھی غزل گو شاعر تھے۔ ان کی غزل کے چند شعر نمونہ کے طور پر درج کیے جاتے ہیں:

ہے محبوں سے ان کو خار عبث　　مت کرو گل رخوں کو پیار عبث

جو چُراتا ہے آنکھ اب منظور　　اس کا تم کو ہے انتظار عبث

دسترس تیرے پاؤں تک ہے اُسے　　خوب مہندی یہ رنگ لائی ہے

جمالِ نور افزائی خدا جانے کہاں ہے تو　　مری آنکھوں کی بینائی خدا جانے کہاں ہے تو

خیالِ ابنِ یامیں چاہ میں تھا کہتے تھے یوسف　　مدد منظور ہے بھائی خدا جانے کہاں ہے تو

منظور بلاشبہ قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ مشکل ہی نہیں، خاصی طویل ردیفوں میں بھی بہت کامیابی سے غزلیں کہہ لیتے تھے اور اکثر تمیموں سے نئے اور نادر مضامین اخذ کر لیتے تھے۔ ان کو اگر سورت کا شاہ نصیر کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

3- بخشش- بخشومیاں شیخ احمد

سورت کے قابلِ فخر علمی گھرانوں میں سے ایک بخشو میاں کا خاندان بھی تھا۔ مولانا سید ابوظفر ندوی نے ان کے گھرانے کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس کا اختصار یہ ہے:

''بخشومیاں کا کتب خانہ.... سورت میں بخشومیاں کا ایک لاجواب کتب خانہ تھا جو بزرگوں کے زمانہ سے چلا آرہا تھا۔ ان کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ شیخ خواجہ عبداللطیف بڑے پایہ کے عالم، بنی عبید کے قبیلہ سے 736ھ(1335) میں بہ مقام بغداد صدارت کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ بغداد سے آکر سرکھیج میں مقیم ہوئے۔ ان کی اولاد میں شیخ حامد سورت میں آکر مقیم ہوئے۔ 1053ھ (1643) میں عمدۃ التجار کے خطاب سے عزت پائی۔ یہ بڑے عالم تھے اور ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں بیس ہزار کتابیں تھیں۔ ان کے بیٹے محمد فاضل نے چالیس ہزار کتابیں جمع کی تھیں۔ کتابوں کی خرید اور نقل کے لیے ہر بڑے شہر میں اس کے کارندے مقرر تھے۔ اس کا پوتا شیخ بہادر جو علوم وفنون کا بڑا ماہر تھا 73 برس کی عمر میں 1245ھ(1829) میں فوت ہوا۔ اس شیخ بہادر کا پوتا رضی الدین احمد عرف بخشومیاں ہوا جس نے اپنے آبائی کتب خانہ سے بہت فائدہ اٹھایا۔ تین جلدوں میں ایک کتاب حدیقۂ احمدی لکھی۔ بخشومیاں نے 1265ھ(1849) میں رحلت کی۔ اس کے بیٹے شیخ بہادر عرف شیخ میاں نے حقیقۃ السورت لکھی۔ ان کے صاحبزادے شیخ محمد امین کہتے تھے کہ میری کم عمری کے باعث کتب خانہ برباد ہوگیا۔ چند سو کتابیں رہ گئی تھیں......'' 5

بخشومیاں کے دادا بھی شاعر تھے۔ فائق کے تذکرے میں ہے:

''بہادر تخلص، شیخ بہادر جدِ بخشومیاں بخشش، خدائش بخشد۔ شنیدم کہ بسیار مرد وجیہہ وخوش اخلاق ودر معززانِ ہمعصر خود طاق بود۔ از زادۂ طبع اوست:

ہیں نجومی حساب میں حیراں　　جب سے پایا ہے زیب دہ دُرِ گوش'' 6

بخشو میاں کے والد بھی شعر کہتے تھے۔ان کے بارے میں فائق نے لکھا ہے:

'' حامد تخلص عمدۃ التجار شیخ حامد، بخشو میاں بخشش ہمین پسر اوست۔ از سرکار
انگریزی بہ خدمت منصفی ممتاز بودہ، از سخنانِ ایشاں است:

مانگ اس کی تومان مانگے ہے   دل کو لیکر یہ جان مانگے ہے
ابرو کرتی ہے ہمسری اس کی   رو برو اب کمان مانگے ہے'' 7

اس طرح بخشو میاں کی شاعری موروثی تھی چنانچہ فائق نے ان کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔لکھا ہے:

'' بخشش تخلص، شیخ احمد نام المشہور بہ بخشو میاں شاگرد میر امان اللہ نادر.....،
صاحب ذہن عالی بودہ، در فارسی و گجراتی شایستہ قدرت داشت، از جانب
سرکار کمپنی بر تعلقہ منصفی قائم بودہ۔ کتابے کثیر الحجم مسمّٰی بہ حدیقۂ احمدی مشتمل بر
احوال غزوات جناب رسالت مآبؐ و خلفائے راشدینؓ وائمۂ اثناعشر و سایر
ملوک وشام و ہند و فرنگ و راجہائے ہندوستان بہ عبارت سلیس تالیف ساختہ و
دیباچۂ اورا بنام نواب قمر الدولہ افضل الدین خان بہادر والی سورت نوشتہ و از
اتفاقات حسنہ میاں سجھو صاحب مادۂ تاریخ اتمام تالیفش را بنام میر افضل الدین
یافتہ وبدیں صورت بہ سلکِ نظم کشیدہ۔'' 8

تاریخ

بہ عہد افضل الدین خاں نواب   مرتب گشت تاریخ نگاریں
زگل تاریخ ہا اعلیٰ و افضل   دلیل افضلیت بس بودایں
کہ آمد سالِ تاریخش برابر   بنام نامیِ میر افضل الدین

1256ھ

درشہر شوال سنہ خمس وستین وماً تین بعد الف ازیں جہانِ فانی بہ عالمِ جاودانی رختِ ہستی بربست۔نواب مسطفےٰ خاں شیفتہ تاریخ رحلتش ....فرمتاد

تاریخ

کیا کیا نکو شیم عدم آباد کو گئے　　ملکِ جہاں خراب ہوا اب کے سال میں
خاص اس جوانِ صالح و دیندار کا فروغ　　نکلا جو بدر سے بھی زیادہ کمال میں
بخشو میاں پہ نور جو برسادم وصال　　سالِ وفات آگئی میرے خیال میں"

1009 + 256　　= 1265ھ

ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے بخشو میاں کے تصنیفی کاموں کے بارے میں لکھا ہے:

"حدیقۂ احمدی اور حدیقۃ الہند جیسی ضخیم کتب تاریخ و سیر کے مصنف ہیں۔ مذکورہ تصانیف فارسی میں ہیں اور کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔" 9

موصوف نے دوسری جگہ انھیں کتابوں کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"بخشو میاں نے تاریخ عالم اور تاریخ ہند پر فارسی میں حدیقۃ الہند اور حدیقۂ احمدی کے نام سے دو ضخیم کتابیں مرتب کی ہیں۔" 10

صحیح یہ ہے کہ حدیقۃ الہند کوئی علاحدہ کتاب نہیں ہے۔ یہ حدیقۂ احمدی کی تیسری جلد کا نام ہے۔ یہ تینوں جلدیں مولانا ابوظفر ندوی نے دیکھی تھیں۔ ان کے مطالب کی تفصیل فائق نے لکھ دی ہے۔

بخشو میاں کی غزل کے کچھ شعر یہ ہیں:

عہد پر اپنے دلربانہ رہا　　نہ رہا پر وہ بیوفا نہ رہا
سکھا دو ہم قفسو چال تم اسیری کی　　کہ پہلے دام میں الفت کے دل پھنسا ہے آج
زبان خامۂ الفت کی ہو گئی گونگی　　وگرنہ اک گلے کے سو جواب لکھتے ہم
نہ دل کو تاب، نے تن میں تواں ہے　　فقط اک دم، سو دم کا مہماں ہے

خیال کریں تو ان کے کلام میں ان کے عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔

4- بہادر- شیخو میاں

شیخو میاں بھی اسی صاحب علم اور علم پرور خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ فائق نے اس نوخیز، نونہال کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''بہادر تخلص، شیخ بہادر عرف شیخو میاں پسر بخشو میاں بخشش، از نوسخنگویان سورت است۔''11؎

ڈاکٹر مدنی نے ان کے حالات میں تحریر کیا ہے:

''شیخ رضی الدین بخشو میاں کے تین بیٹے تھے۔ شیخ بہادر عرف شیخو میاں، شیخ عبداللہ عرف نبھو میاں اور شیخ عبدالمجید۔ شیخ بہادر نے سندھ میں مختار کار کے عہدہ پر خدمت انجام دینے کے بعد ریاست گائیکواڑ میں سترہ سال بہ عہدۂ صوبہ دار خدمت انجام دی۔''12؎

ان کی غزل کا انداز ذیل کے شعروں سے معلوم ہوتا ہے:

یہ ضعف ہے کہ صورتِ قالیں کی طرح اب — کروٹ کا پھیرنا ہمیں دشوار ہو گیا
عشق میں گل بدن کی دولت سے — داغ دل درہم طلائی ہے

بعض غزلوں کے لیے انھوں نے ایسی ردیفیں اختیار کی ہیں جو عنوان کے طور پر اگر لکھ دی جائیں تو وہ غزل اچھی خاصی نظم معلوم ہونے لگے مثال کے طور پر ''بسنت'' سے متعلق ایک غزل کے دو تین شعر یہ ہیں:

ہیں گل خندہ زن سب کو بھائی بسنت ہے — گلستاں میں بلبل نے گائی بسنت ہے
بہارِ چمن آج لائی بسنت ہے — سبھی گل رخوں کو خوش آئی بسنت ہے
خبر اس کی اُڑتی سی پریوں نے سُن کر — پرستاں میں اپنے رچائی بسنت ہے
نہیں شعر کہنے کا شایق بہادر — مگر خاطراً یہ بنائی بسنت ہے

اس قسم کی غزلوں سے شاعر کی خوش فکری کا اندازہ کیا جانا چاہیے۔ اردو شاعری میں ہندوستانیت کے متلاشیوں کے لیے بھی شیخو میاں جیسے گمنام شاعروں کے کلام کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

قابلِ ذکر بات اس غزل میں یہ بھی ہے کہ لفظ ''بسنت'' کی ت دبتی ہے۔

5- فاضل- دوسو میاں

دوسو میاں بھی اسی گھرانے کے فرزند تھے۔ فائق نے لکھا ہے:

''فاضل تخلص، اشہر الا ماثل شیخ فاضل مشہور بہ دوسومیاں کہ کہین برادرِ بخشو میاں بخشش، مردِ خوش مزاج وخوشگو، مستجمع اوصافِ نیکو، در فارسی قدرتِ نیک، اتادر گجراتی یدِ طولی دارد۔ از جانب سرکار انگریزی بر خدمتِ منصفی مستقل واز دائی راہِ اتحاد بہ احسن الوجوہ جاری است واز تلامذہ میاں سمجھو صاحب است۔''13

ان کے حالات ڈاکٹر مدنی نے اس طرح قلمبند کیے ہیں:

'' چند سال سورت اور بھڑوچ میں عدالتِ عالیہ میں بہ عہدۂ منصف سرفراز رہے۔ پھر سندھ چلے گئے۔ وہاں خطاب خان بہادری سے اعزاز پایا۔ 1289ھ (1872) میں وطن میں آکر آنریری مجسٹریٹ ہو گئے۔''14

ان کے چند شعر یہ ہیں:

فرطِ شوقِ وصل سے دوڑے ہے ہاتھ کے نزع میں ＿ اب مریضِ عشق کے تیرے نئے چالے ہوئے
کیوں نہ شہرہ ہو تمھارے حُسنِ بالادست کا ＿ مہر و مہ دونوں تمہارے کان کے بالے ہوئے
بھولتا نہیں بس ہمیں فاضل کو یہ کہنا ترا ＿ آج جاتے ہو کدھر تم مست متوالے ہوئے
شمع سے رات جو محفل میں ہوئے گل پیدا ＿ تو پتنگوں کی طرح واں ہوئے بلبل پیدا
یادِ میکش میں جو روتا ہے تو فاضل مشتاق ＿ جائے اشکوں کے نہ کیوں آنکھ سے ہو مُل پیدا

معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو زبان وبیان پر اچھی قدرت حاصل تھی۔ اسے حسن مطلق کے مقابلے میں حَسین کے معاملات اور اسبابِ حُسن وغیرہ کے بیان سے زیادہ دلچسپی رہی ہے اور یہی سورت کے اکثر شاعروں کا مزاج رہا ہے۔

اس مقام پر یہ ذکر بھی مناسب ہے کہ میاں بخشو کے گھرانے کے بعض افراد کے علاوہ سورت کے کچھ اور شاعر بھی بہ سلسلۂ روزگار سندھ کے علاقے میں جا کر رہے تھے۔ ان لوگوں کے اثر سے وہاں بھی اردو شاعری کو کم وبیش فروغ حاصل ہوا تھا۔

6- کمتر- منشی عبدالحکیم

کمتر بھی سورت کے صاحبانِ تصانیف میں سے تھے۔ فائق کے تذکرے میں لکھا ہے:

''کمتر تخلص، منشی عبدالحکیم داماد شیخ غلام علی قاضی سورت، محسوب بہ فضلائے سورت می شود۔ درفنونِ علم ذوفنون، سیما در معقول دستگاہ دارد.... تمنای کرد کہ مَردماں اورا مولوی می خوانند، لیکن مردم علی الرغم او منشی گفتند۔ وے داغ ایں معنی در گور باخود بُرد واقسام خیالات دال بر فکر رسا وطبع ذکائے ایشاں می کند وکتابے دراحوال اولیائے دیں تالیف ساختہ۔''15

ڈاکٹر مدنی نے ان کے حالات میں خاصا اضافہ کیا ہے۔ مختصراً یہ ہے:

''منشی عبدالحکیم بن شیخ عبدالوہاب بن شیخ عبدالغنی عباسی کمتر اور غریب تخلص کرتے تھے.... شہزادہ مرزا کام بخش نے سورت میں تشریف آوری پر کمتر کی خوشخطی کو پسند کر کے زرّیں رقم خطاب دیا تھا۔ ان کی تصانیف میں تذکرۃ الصالحین (حالاتِ اولیائے سورت) اور تاریخ سورت کا پتہ چلتا ہے۔ مرتب حقیقت السورت کا بیان ہے کہ کمتر کو تاریخ گوئی میں مہارت حاصل تھی۔ 16ر جمادی الثانی 1275ھ (جنوری 1859) میں کمتر نے انتقال کیا۔ مسجد حافظ بقا بیگ میں دفن ہوئے۔''16

کمتر کے صرف دو شعر فائق کے تذکرے میں ملتے ہیں:

فلک پہ کیسی گذرتی مسیح کی ہوگی کہ غیر جنس میں یارب کوئی غریب نہ ہو
یہ طفلِ اشک بہک جا کے رازِ دل کہہ دیں گر ان کے سر پہ مری آہ کا ادیب نہ ہو

سیدھے سادے اور روایتی مضامین ہیں۔ زبان بھی ویسی ہی ہے۔

7- اخگر- رضی الدین

ان کے بارے میں قاضی نورالدین فائق کی رائے بہتر ہے۔ لکھتے ہیں:

''اخگر تخلص، اسمش رضی الدین پسرِ منشی عبدالحکیم کمتر۔ در نظمِ ہندی از والدش کمتر نیست درتازہ مشقانِ سورت، بحرطبع روانش پُر جوش وخروش۔ ہموارہ شریک مشاعرۂ سورت می شد۔ دریں فن برہم صحبتاں تفوق دارد۔''17

حاشیہ پر ان کے بارے میں یہ اطلاع درج ہے:

''اخگر در ہنگامِ جوانی در سورت مُرد۔''

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے:

آئینہ رو کی قدمبوسی کی کیا رکھیے امید — ہاتھ چومے سے مزاج اس کا مکدر ہو گیا
قطرۂ اشک آنکھ سے گرتے ہی دریا ہو گیا — غم میں بحرِ حُسن کے پانی ہے گوہر کا مزاج
میری آہِ سرد سے دَم میں ہوا اس کو زکام — کیا ہی نازک تر ہے یارب میرے دلبر کا مزاج
برنگِ بلبل تصویر گرچہ ہل نہیں سکتے — پہ چوں رنگِ حنا پرواز کی رکھتے ہیں طاقت ہم

تلاشِ مضامینِ تازہ کا شوق ہے لیکن کلام میں ابھی پختگی کی صورت پیدا نہیں ہو سکی تھی۔ زبان پر بھی مقامی بول چال کا اثر معلوم ہوتا ہے۔

اوپر جو مذکور ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ سورت میں اردو شاعری کی مختلف مروجہ اصناف کی طرف کم و بیش توجہ کی گئی تھی۔ غزل میں لکھنو اور کانپور کا انداز معلوم ہوتا ہے۔ بعض شاعروں کو تاریخ گوئی کا بھی شوق تھا اور کچھ تاریخیں بے ساختہ اور خوب کہی گئی تھیں۔

ب - نثر

قاضی نور الدین حسین فائق نے سورت میں لکھی جانے والی بعض نثری تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے لیکن وہ سب فارسی میں ہیں۔ اردو میں نثر نویسی کا کوئی معتبر نمونہ جو بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے عہد میں وجود میں آیا ہو تا حال ہمارے علم میں نہیں ہے۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی نے البتہ لکھا ہے:

> ''منشی لطف اللہ فریدی سورت کے علما میں سے تھے۔ ان کے دو اردو رسالوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ایک رسالہ فوائد العجایب کے نام سے ہے، یہ حکمتِ جراحی سے تعلق رکھتا ہے۔ 1276ھ (1859) میں سورت کی قادری پریس میں چھپا تھا۔
>
> انیسویں صدی کے نصف آخر کے استاد شاعر محمد منظور شاگرد میاں سمجھو نے بھی اردو نثر میں چند یادگاریں چھوڑی ہیں۔ منظور کا ایک مذہبی رسالہ ''ژاژ یاوہ گوئی'' ملتا ہے۔ منظور نے دیوانِ ولی بھی مرتب کیا ہے جس کا تفصیلی دیباچہ اردو میں ہے۔ اس کا سنہ اشاعت 1290ھ (1873) ہے۔ منظور نے 1860 میں سورت سے ''منظور الاخبار'' کے نام سے ایک اخبار کا بھی اجرا کیا تھا.....''[18]

ان میں سے کوئی ایک بھی 1857 (1273ھ) یا اس سے پہلے کی تحریر نہیں ہے۔

کھمبایت

کھمبایت گجرات کے قدیم ترین بندرگاہوں میں سے ہے۔ یہاں عرب اور ایرانی تاجروں کا آنا جانا رہتا تھا۔ بعد میں انھوں نے اسی خطّہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی کے عہد میں جب فتح علی خاں کھمبایت کے نواب ہوئے تو شاہی دربار سے ان کو "نجم الدولہ ممتاز الملک" کے خطابوں سے سرفرازی حاصل ہوئی۔[1] 1238ھ (1823) میں فتح علی کی وفات کے بعد ان کے بھائی یاور علی کو نامزد کیا گیا لیکن انھوں نے اپنے بیٹے حسین یاور خاں کو مسند پر بیٹھا دیا۔ انھوں نے 1297ھ (1880) میں رحلت کی اور پھر ان کے بڑے صاحبزادے جعفر علی مسند نشین ہوئے۔

شاہی کے دور میں کھمبایت میں عربی، ایرانی اور ہندوستانی عالموں کا جمگھٹ رہتا تھا اور ان لوگوں نے اپنے اپنے طور پر کتب خانے قائم کر لیے تھے۔[2] ریاست پر ادبار آیا تو وہاں کا سارا علمی شیرازہ بکھر گیا۔ مدرسے اور کتب خانے بھی ایک ایک کر کے سب برباد ہو گئے۔

میاں سمجھو اس زمانے میں گجرات کے ممتاز ترین شاعروں میں سے تھے۔ انھیں نواب حسین یاور خاں کے درباری شاعر ہونے کا درجہ بھی حاصل تھا۔ قاضی فائق نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''اکنوں از مدتِ چند سال در سرکار عالی تبار ثریا جاہ نجم الدولہ ممتاز الملک نواب
حُسین یاور مومن خان بہادر والیِ بندر کھمبایت بر عہدۂ وکالت انگریزی کہ از
شایستہ خدمات آں سرکار والااست، معزز و ممتاز اند۔''3

اس طرح اہلِ کھمبایت کو بھی اس استادِ وقت سے فیض حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس مقام پر مجھو میاں کے بعض شاگرد یہ تھے:

1- عابد- غلام زین العابدین

اس عابد کا احوال قاضی فائق کے تذکرے میں اس طرح آیا ہے:

''عابد تخلص، نامش غلام زین العابدین عُرف میاں جان پسر منشی حسین الدین،
مولدش قصبہ راندیر است۔ خدمتِ تحصیلداری قصبۂ مذکور از جانب سرکار انگریز
بہ والدش متوّض بود۔ از چندے در سلکِ ملازمانِ نواب صاحب کھمبایت
منسلک۔ در فارسی فی الجملہ استعداد وارد۔ فکرش درست معلوم می شود۔ فیضیاب
اصلاحِ میاں مجھو صاحب است۔''4

فائق نے عابد کے صرف دو شعر لکھے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عابد مشکل ردیف اور قوافی میں بھی اچھی غزلیں کہہ لیتے تھے۔ مضامین بھی ان کے پسندیدہ ہوتے تھے:

خندۂ دنداں نما کیوں نہ وہ گلرو کرے عاشقِ مفلس کی خاطر دُرفشانی ان دنوں
اس پری کو دیکھ غصہ، ہوشِ عابد اُڑ گیا دُشمن جانی ہوا ہے یارِ جانی ان دنوں

2- علوی- غلام جیلانی

فائق نے ان کے حالات اس طرح قلمبند کیے ہیں:

''علوی تخلص الموسوم بہ غلام جیلانی از اولادِ شاہ وجیہہ الدین، مولدش در احمد آباد
و بہ سن رشد در کھمبایت رسیدہ، دریافتِ مذاق مضامین شعر بہ اندازۂ خوب و طرزِ
سخن گوئی خوش اسلوب، مرد نیک سیرت و عالی فطرت است۔ اصلاحِ سخن از
میاں مجھو صاحب جاری ست۔''5

علوی کو اپنے وطن سے نہایت محبت تھی چنانچہ وہ شعرائے گجرات کو شمالی ہندوستان کے

شاعروں کے مقابلے میں کم حیثیت نہیں سمجھتے تھے۔ کہتے تھے:

اہلِ سخن یہاں کے بھی سحرالبیان ہیں　　موتی نہیں اُگلتے ہیں کچھ شاعرانِ ہند

دوسرے مصرعے میں اشارہ اس قول کی طرف ہے کہ گجرات کی حکومت کا مدار گوہر و مرجان پر اور شمالی ہند کی بادشاہت کا انحصار گندم و مٹر پر تھا۔

اس شاعر نے ضمناً اپنے علاقے کے بعض رسوم وغیرہ کا بھی شعروں میں ذکر کیا ہے، مثال کے طور پر ایک شعر یہ ہے:

گرہ باز اک کبوتر بھیجا اس کو بدلے قاصد کے　　کہ تا عقدہ کھُلے اس پر مری بیتابیِ دل کا

اس نومشقی کے زمانے میں علوی نے اکثر مشکل ردیفوں میں بھی غزلیں کہہ کر اپنی خوبیِ فکر و بیان کے اظہار کی کوشش کی ہے، مثلاً:

فندقِ پائے نگاریں ترے دھو کر پینا　　ہے تپِ دل کو مرے شربتِ عناب سے خوب

مرا تو ناصحو اس سے بھی دن نکلتا ہے　　شراب کا ہے کو ہے آفتاب شیشے میں

عشق کاکل نہ چھوڑنا علوی　　سانپ رکھا بھی کام آتا ہے

تو فلک مجھ سے اگر برسرِ احساں ہوتا　　میں سیہ بخت تو تھا کاکلِ خوباں ہوتا

شاعر نے ان شعروں میں کاکل کو اس اصطلاح کے حقیقی مفہوم میں نظم کیا ہے۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ:

زلف تا بہ گوش،　　گیسو تا بہ دوش،　　کاکل تا بہ آغوش

3- عرفی- غلام وجیہہ الدین

عرفی کے تلمذ کا حال تو معلوم نہیں ہو سکا البتہ علوی کی طرح یہ بھی شاہ وجیہہ الدین کے اخلاف میں سے تھے۔ فائق نے ان کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا ہے:

''عرفی تخلص، غلام وجیہہ الدین نام، از فرزندان حضرت شاہ وجیہہ الدین قدس سرہ، من وجہ در سخندانی بہرۂ طبع ہموار دارد۔ از تازہ مشقان کھمبایت است۔'' 6

عرفی کو اپنی طبیعت کی رسائی اور فکر کی تیزی کا احساس تھا چنانچہ وہ بعض معروف شاعروں کے کلام کو تضمین بھی کر لیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ معاملاتِ عشق کی توضیح و تشریح نہیں کی جاتی

چاہیے، یعنی بات کو اشاروں کنایوں میں ہی کہنا مناسب تر ہے۔ عرفی کے کچھ شعر یہ ہیں:

غبارِ نقشِ پائے گل رخاں ہوں   ہوا خواہ ہو کہو بادِ صبا کو
طبیعت ہو رسا عرفی جب اپنی   دکھا دے یار گر زلفِ رسا کو
اب کس کو کہیں سوا خدا کے   بت سنتے ہیں عرض کب کسی کی
خاموش بقولِ گویا عرفی   اچھی نہیں شرح عاشقی کی

یہ نہیں معلوم کہ اس آخری مقطع میں گویا سے کون شاعر مراد ہے۔

نواب حسین یاور خاں والیٔ کھمبایت کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ یہ قدر شناس اور شاعر نواز رئیسوں میں سے تھے۔ ان کی شعر گوئی کا مذکور کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ کھمبایت میں میاں سمجھو اور ان کے تلامذہ کے علاوہ اور بھی بعض شاعر ان نواب صاحب کے متوسلین میں تھے، مثلاً:

4- کاظم- محمد کاظم

قاضی فائق کے تذکرے میں ان کا تعارف اس طرح آیا ہے:

''کاظم تخلص، محمد کاظم نام، نشو و نما در بندر کھمبایت یافتہ مسموع شدہ کہ جوانیست بہ تہذیب اخلاق و مروّت و بہ حلیۂ ذکاوت ذہن پیراستہ حال، از چندے بہ خدمت تحصیل تمام پرگنات کھمبایت از سرکار نواب حسین یاور خاں بہادر سرفراز است۔''7

ملازمت کے باوجود کاظم اُس زمانے میں نو مشق شاعر رہے ہوں گے۔ اکثر ایسے لفظ نظم کر جاتے تھے جن میں غرابت کا عیب معلوم ہوتا ہے۔ ان کے صرف دو شعر نقل کیے گئے ہیں:

نہ وہ آیا نہ مجھ کو بلوایا   نہ تو خط کا مرے جواب آیا
اسی عالم یہ خواب میں دیکھا   اضطرابی سے پھر نہ خواب آیا

5- منیر- منیر محمد

منیر کھمبایت کے ان چند شاعروں میں سے تھے جو دہلی تک ہو آئے تھے اور وہاں کے اساتذہ کو بھی دیکھنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اپنے علاقے میں ان کی بڑی اہمیت تھی۔ فائق کے تذکرے میں لکھا ہے:

''منیر تخلص، محمد نام، مرد کہن سالست، از چند ایام بہ نیابتِ قضائے کھمبایت از سرکارِ نواب صاحب سرفراز۔ اصلش از احمد آباد واز شاگردانِ حضرت سید احمد صاحب مرحوم۔ با مرزا کام بخش خلف مرزا سلیمان شکوہ تا دہلی گام سنج شدہ بود و درفارسی نیز فکری کند۔''8

ان کی ایک غزل کے کچھ شعر یہ ہیں:

نظرِ مہر ہو جس پر تری اے رشکِ قمر　　کب اُسے چاہ ہو پھر یوسفِ کنعانی کی
بیوفائی کا تری شور تھا اک عالم میں　　تس پہ دل ہم نے دیا اور یہ نادانی کی
طاقِ ابرو میں صنم کے کیا سجدہ جب سے　　کافرِ عشق ہوئے، ترک مسلمانی کی

معلوم ہوتا ہے کہ عشق اور معاملاتِ عشق سے متعلق مضامین بڑے شوق سے نظم کرتے تھے۔ زبان ان کی صاف، سادہ اور رواں ہے، البتہ بعض قدیم الفاظ بیساختہ نظم کر جاتے تھے مثلاً تس وغیرہ۔

6- نجف- محمد شفیع

ان کے بزرگوں کا وطن دہلی تھا، انھوں نے بھی وہاں کی باتیں سُنی تھیں اور دل میں یاد یں بسی تھیں۔ فائق نے ان کا احوال اس طرح لکھا ہے:

''نجف تخلص، محمد شفیع نام، عُرف مرزا نجف خلف مرزا نواب، از بنی اعمامِ آقا محمد حسین پادشاہی دیوان، بزرگانش از طرف بادشاہان دہلی بہ خدمت دیوانی زین البلاد احمد آباد سرفراز بودند و تاریخ مراۃ احمدی تصنیف یکے از اجداد اوست۔ مولدش بندر کھمبایت واز تازہ مشقانِ آں جاست۔ رشد در طبعش معلوم می شود و در اشعارِ خود اعتراض بر میاں سمجھو صاحب می کند۔''9

باوجود نو مشقی کے مرزا نجف مشکل ردیفوں میں غزلیں بڑے شوق سے کہتے تھے۔ جب اس لائق ہوئے تو طرحی مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ ان کی غزلوں کے کچھ شعر یہ ہیں:

باغ داغوں سے ہے بدن اپنا　　آگ سے سبز ہے بدن اپنا
فیضِ و صفِ شہِ نجف سے نجف　　بس ہے دُرِ نجف سخن اپنا

ان کا دشوار تھا آنا پہ وہ آئے ہیں تو اب　　مجھ کو دشوار ہوا آپ میں آنا شب وصل
محو آرایش اُسے سمجھے نجف ہم نافہم　　پیچ تھا یار کی زلفوں کا بنانا شب وصل
اس ہلال ابرو کے ہے جلوے سے گھر گھر چاندنی　　ہوگئی اب سب کی نظروں میں مقرّ چاندنی
وہ ہوا شب جلوہ فرما اے نجف جو بام پر　　تھا مگر غرّہ ولیکن نکلی تس پر چاندنی

اس تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھمبایت میں اردو شاعری نے بخوبی جڑ پکڑ لی تھی۔ اس ریاست میں کئی مقامی شاعر بھی تھے اور وہ مقامی استادوں سے کسب فیض کر رہے تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ یہاں طرحی مشاعرے بھی ہونے لگے تھے اور شوق کا عالم یہ تھا کہ بعض نومشق بھی ان میں شریک ہوتے تھے۔

کھمبایت میں اس زمانے میں بعض قدیم لفظوں کا بھی چلن تھا۔ اُس نہج پر وہاں زبان کی اصلاح کی کوئی قابلِ ذکر وتوجہ تحریک معلوم نہیں ہوتی ہے۔

اس مرکز پر کئی شاعر ایسے بھی تھے جن کا براہِ راست یا بالواسطہ تعلق دہلی سے ہوتا تھا لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ یہاں کا طرزِ فکر و بیان بطور مجموعی اہل لکھنو کے انداز سے کم وبیش مماثلت رکھتا ہے۔

○○○

حواشی

احمد آباد

1- سخنوران گجرات ص157

الف - غزل وغیرہ

2- مخزن شعرا ص37-38

3- سخنوران گجرات ص142

4- مخزن شعرا ص37

5- ایضاً ص57

6- سخنوران گجرات ص236

7- مخزن شعرا ص48

ب - نثر

8- جامع مسجد ممبئی کے مخطوطات ص95

9- ایضاً ص184-185

بڑودہ

1-	سرودِ غیبی		ص61
2-	ایضاً		ص55تا56
3-	ایضاً		ص95
4-	مخزن شعرا		ص107تا108
5-	ایضاً		ص116
6-	ایضاً		ص23
7-	ایضاً		ص83
8-	ایضاً		ص79
9-	ایضاً		ص79

بھڑوچ

الف - شاعری

1-	مخزن شعرا		ص87تا88
2-	خمخانۂ جاوید	جلد6	ص45
3-	مخزن شعرا		ص27تا28
4-	ایضاً		ص53
5-	مخزن شعرا		ص18
6-	سخنوران گجرات		ص215تا216
7-	مخزن شعرا		ص119
8-	مخزن شعرا۔مقدمہ		ص7تا8
9-	یادگار غالب		ص117
10-	مخزن شعرا		ص43
11-	ایضاً		ص33

12-	ایضاً	ص99
13-	ایضاً	ص10
14-	ایضاً	ص69
15-	ایضاً	ص102تا103

ب - تذکرہ

16-	مخزن شعرا	ص116
17-	ایضاً	ص117

بیجین

1-	سخنوران گجرات	ص279
2-	ایضاً	ص131
3-	ایضاً	ص159
4-	ایضاً	ص178تا179

سورت

الف - شاعری

1-	سخنوران گجرات	ص165
2-	مخزن شعرا	ص48
3-	ایضاً	ص105تا106
4-	سخنوران گجرات	ص169تا170
5-	گجرات کی تمدنی تاریخ	ص246تا248
6-	مخزن شعرا	ص23
7-	ایضاً	ص36
8-	ایضاً	ص29تا30

9- سخنوارن گجرات ص129

10- ایضاً ص287

11- مخزن شعرا ص23

12- سخنوران گجرات ص288

13- مخزن شعرا ص9 تا 18

14- سخنوران گجرات ص168

15- مخزن شعرا ص59

16- سخنوران گجرات ص132

17- مخزن شعرا ص12

ب- نثر

18- سخنوارن گجرات ص233

کھمبایت

1- سخنوارن گجرات ص328

2- گجرات کی تمدنی تاریخ ص227 تا 228

3- مخزن شعرا ص44

4- ایضاً ص44

5- ایضاً ص57

6- ایضاً ص77

7- ایضاً ص78

8- ایضاً ص104

9- ایضاً ص108

5- برار وصوبۂ متوسط

i- ایلچ پور

ii- جل گاؤں

iii- ملکاپور

		برار	151
		ایلچ پور	153
		الف - شاعری	155
1-	جرنیل-	نواب نامدار خاں	155
2-	امجد-	سید امجد حسین خطیب	155
		ب - نثر	157
1-	امجد-	امجد حسین خطیب	157
		جل گاؤں	159
1-	اعزاز-	مرزا دین محمد بیگ	159
		ملکاپور	161
1-	ناقص-	قاضی خواجہ مہر	161
2-	حواشی		163

برار

دہلی کی قدیم تاریخوں میں جہاں کہیں بادشاہوں کے ہندوستان میں تشریف لے جانے کا مذکور آیا ہے، اس سے مراد مشرقی یوپی اور مغربی بہار کا علاقہ ہوتا ہے اس علاقے میں غالباً سب سے زیادہ ہوشمند اور دور اندیش قوم ''یادو'' تھی۔ یہی لوگ دکن میں جاکر ''جادھو'' کہلانے لگے تھے۔

شمال مغرب سے جب مسلم حملہ آوروں کا ریلہ ہندوستان کی طرف آیا تو یادو لوگ دریائے نربدا کو پار کر کے دکھن کی طرف چلے گئے۔ وہاں ایک غیرآباد پہاڑی کو دیوگری کے نام سے انھوں نے آباد کیا۔ ان کے راجا بھلم دیو نے یہاں پر اپنے لیے وہ ناقابل تسخیر قلعہ بنوایا جو آج بھی ''عجائب جہاں'' میں شمار ہوتا ہے۔ ان یادو لوگوں کے ساتھ اس جوار میں زبان ہندوی (قدیم اردو) پہنچ گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے لب ولہجہ میں تبدیلی اور لفظیات میں اضافے ہوتے رہے۔

ملک علاء الدین خلجی جو اودھ کا حاکم تھا جب دیوگری پر حملہ آور ہوا تو وہاں کے راجا رام دیو نے برار کا علاقہ اس کے حوالے کر دیا۔ علاء الدین کے امرا اور افواج کے واسطے سے اسی علاقے میں زبان ہندوی کی تجدید ہوگئی۔ پھر تو شمال سے اس طرف آنے جانے کا تانتا لگ گیا اور برار میں

بھی ہندوی بول چال رفتہ رفتہ پروان چڑھنے لگی۔ خیال کیا جانا چاہیے کہ برار کو دکن میں اردو کے ایک اہم مرکز کی حیثیت جلدی ہی حاصل ہوگئی تھی لیکن افسوس ہے کہ اس طرف اہل تحقیق نے تا حال کما حقہ، توجہ نہیں کی ہے۔

ایلچ پور

برار کے علاقے میں ضلع امراوتی کی ایک تحصیل ''ایلچ پور'' ہے۔ کسی زمانے میں یہ ایک نہایت بارونق شہر رہا ہے۔ اس شہر ایلچ پور کی قدامت اور اہمیت کا اندازہ اس طرح لگایا جانا چاہیے کہ یہاں پر تغلقوں کے عہد کی ایک شاندار اور وسیع عیدگاہ اور جامع مسجد بھی موجود ہے۔ اس شہر میں اس قسم کی تعمیرات کا سلسلہ تادیر جاری رہا تھا۔

ایلچ پور کو برار کے عماد شاہی سلاطین کے مستقر ہونے کا بھی شرف حاصل رہا ہے۔ ان کے بعد بھی وہاں کوئی صوبیدار یا حاکم رہتا رہا تھا۔ شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی کے زمانے میں نواب محمد اسماعیل خاں حاکم برار نے اسی شہر کو اپنا مسکن بنایا۔ وہ ایک شجاع اور باحوصلہ امیر تھا اس لیے اس نے اپنے شہر کے گرد فصیل بنوائی۔ اس کے بعد سے شہر کی رونقوں میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا تھا۔

ایلچ پور کے یہ نواب نسلاً افغانی اور عقیدہ کے اعتبار سے مہدوی تھے چنانچہ ''افضالِ مہدی'' کے لیے دعا گو رہتے تھے۔

باداز افضالِ مہدی ذرہ و عالم کا مگار مہر افلاکِ سخا جنرل بہادر نامدار

ان کے مزاروں کے کتبوں سے بھی مذکورہ حقائق ظاہر ہیں مثال کے طور پر اسماعیل خاں

کے صاحبزادے کے مزار پر ان کے نام اس طرح لکھے ہیں:

''...نواب محمد صلابت خان بہادر ولد نواب محمد اسماعیل خان بہادر بنی افغان سلیمان زئی مہدوی متوطن بلدۂ ایلچ پور فدوی نظام الملک آصفجاہ بہادر...'' 1

صلابت خاں کے صاحبزادے نواب محمد نادر خاں بہادر بنی شاعر اور شاعر نواز میر تھے۔ خود جرنیل تخلص کرتے تھے۔ اپنے کارناموں کے سبب اسم با مسمّٰی تھے۔ انھوں نے فالج میں مبتلا ہوکر 9 محرم 1260ھ (1845) کو وفات پائی تھی۔ منشی حشمت رائے جانباز تخلص ان کے مقرب شاعر تھے۔ ان دونوں کا احوال پچھلی جلد میں لکھا جا چکا ہے۔

نواب نامدار خاں کے زمانے میں ہی انگریزوں کی دراز دستیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، ان کے بعد تھوڑے وقفے کے لیے دو اور نواب ہوئے یعنی :

2

نواب ابراہیم خاں 1261ھ (1845) تا 1265ھ (1849)

نواب غلام حسن خاں 1265ھ (1849) تا 1269ھ (1853)

اور پھر ملک پر پوری طرح انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔

الف - شاعری

1- جرنیل- نواب نامدار خاں

نواب نامدار خاں صاحب دیوان شاعر تھے۔ وہ جانتے تھے کہ

جو ہر خوب کو درکار ہے آرایشِ خوب　　خوب تو آب کی خوبی سے ہے ٹھہرا گوہر

چنانچہ انھوں نے اپنے اردو کے دیوان کو منشی حشمت رائے جانباز جیسے خوشنویس سے لکھوایا اور لکھنے والے نے بھی جی جان سے اس کام کی تکمیل کی۔ اس نے خود کہا ہے:

کہا جرنیل نے دیوان جس دم طبعِ عالی سے　　لکھا جانباز نے ہر حرف کو آبِ زلالی سے

نواب کے اس ذوق وشوق کا فائدہ یہ ہوا کہ خود ایلچ پور میں اردو نظم اور نثر لکھنے والے پیدا ہونے لگے۔

2- امجد- امجد حسین خطیب

یہ مذکور آ چکا ہے کہ ایلچ پور مسلمانوں کی ایک قدیم بستی ہے اور یہاں کی جامع مسجد تغلقوں کے عہد کی یادگار ہے۔ اس جامع مسجد میں مدت سے ایک کتب خانہ چلا آتا ہے۔ ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

''کتب خانہ جامع مسجد ایلچ پور برار کا سب سے قدیم کتب خانہ ہے۔ اس میں محفوظ

ایک سو بائیس مخطوطات میں سے دونویں صدی ہجری (پندرھویں صدی عیسوی)
کے ہیں جو اس کتب خانے کی قدامت کی گواہی دیتے ہیں۔ بعد کو اسے جامع مسجد
کے خطیب سید امجد حسین خطیب مولف تاریخ امجدی نے سلیقہ سے آراستہ کیا...''3

امجد کا اصل نام ''ابوالفتح ضیاء الدین محمد'' اور تاریخی نام ''اختر امجد'' تھا جس سے ان کا سالِ ولادت 1248ھ (1832) معلوم ہوتا ہے۔4 انھوں نے اپنے لیے ''امجد'' تخلص پسند کیا تھا اور اسی کے تعلق سے سید امجد حسین کر کے مشہور ہو گئے تھے۔ علوم مذہبی فقہ وغیرہ کی تکمیل کرنے کے بعد یہ برار کے محکمۂ عدل میں ملازم ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد اس ملازمت کو ترک کر دیا اور جامع مسجد کے خطیب ہو گئے۔ یہ منصب ان کے گھرانے میں تغلقوں کے وقت سے موروثی چلا آتا تھا۔

امجد جیسا کہ تخلص سے بھی ظاہر ہے شاعر تھے اور اپنے منصب کی مناسبت سے نعتیں کہتے تھے۔ انھوں نے اپنا دیوان مرتب کر لیا تھا جو 1313ھ (1895) میں حیدرآباد میں ''دیوانِ امجد فی مدحِ احمدؐ'' کے نام سے چھپ کر شائع ہو گیا تھا۔ اس میں ہر قسم کی نعتیں اور نعتیہ قصیدے وغیرہ موجود ہیں۔ امجد نے بے نقط نعت بھی کہی ہے۔ اس کے کچھ شعر یہ ہیں:

محمدؐ سرورِ سردارِ عالم محمدؐ مالک و سالارِ اکرم
محمدؐ دادگر دارالحکم کا لواء الحمد کا سردارِ محکم
سوارِ راہوارِ راہِ ہموار عمامہ مہرِ اللہ کا معمم

اس کے مقطع میں شاعر نے کہا ہے:

لکھا بے نقط امجد نے قصیدہ و صلّی اللہ علیٰ احمد وسلّم

امجد نے اپنی نعتوں میں نئے نئے مضامین بڑی خوبی سے نظم کیے ہیں مثلاً:

لائق پابوسِ حضرت کفشِ پا تھی میں نہ تھا ہائے کیا اس جُرم کی قسمت رسا تھی میں نہ تھا
آپؐ کے زیرِ قدم ہوتا تھا پتھر مثلِ موم سر پہ ان کے ابر کی کالی گھٹا تھی میں نہ تھا

جرنیل سے امجد تک کے کلام پر نظر کریں تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایلچ پور میں اردو شاعری کی تقریباً سبھی اصناف میں شعر کہے جا رہے تھے۔ یہ ضرور افسوس کی بات ہے کہ امتدادِ زمانہ سے اس علاقے کے بیشتر شاعروں کا احوال اور کلام اب دستیاب نہیں ہے اس لیے محض موجودہ معلومات کی بنیاد پر کوئی حکم لگانا مناسب نہیں ہے۔ امجد نے 27 دسمبر 1905 (1324ھ) کو وفات پائی تھی۔

ب - نثر

1- امجد- امجد حسین خطیب

اوپر سید امجد حسین خطیب امجد تخلص کا ذکر کیا گیا ہے۔ انھوں نے فارسی نثر میں برار کے علاقے کی تاریخ لکھی تھی جس کا نام ہے :

"تاریخ دکن ملقب بہ ریاض الرحمان المعروف بہ تاریخ امجدی"

یہ کتاب مطبع خورشید سے 1287ھ (1870) میں چھپ کر شائع ہوئی تھی اور اس علاقے کے مورخین کے لیے یہ اہم ترین ماخذ میں سے ہے۔

مصنف نے افادیت کے خیال سے اردو نثر میں خود ہی اس کتاب کا دو جلدوں میں ترجمہ کر دیا تھا۔ ترجمہ کا صحیح سال تو معلوم نہیں البتہ قیاساً کسی قدر بعد کا ہوگا۔ یہ چونکہ بڑا کام تھا خیال کیا جانا چاہیے کہ اس سے پہلے بھی امجد نے اردو نثر میں کچھ مختصر کام کیے ہوں گے۔ اسی بنا پر یہاں اس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوا۔

تاریخ امجدی کا اردو ترجمہ تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

جَل گاؤں

اس قصبہ میں شاہ جہاں بادشاہ کے عہد کی مسجد کا وجود شاہد ہے کہ یہ تقریباً اسی زمانے کی آبادی ہے۔ اب یہ ضلع آکولہ کا قصبہ ہے۔ خود آکولہ کے قلعہ کی تعمیر نواب اسد خاں عالمگیری نے شروع کرائی تھی اور یہ سلسلہ شاہ عالم اول کے وقت تک جاری رہا تھا۔

بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے وقت تک کے جَل گاؤں سے متعلق صرف ایک شاعر کا حال معلوم ہو سکا ہے۔

1- اعزاز- مرزا دین محمد بیگ

عبدالجبار خاں ملکاپوری نے اعزاز کے حالات بہت مفصل لکھے ہیں۔ یہاں ان کا اختصار درج کیا جاتا ہے:

> ''اعزاز مرزا دین محمد بیگ کابلی، اپنے وطن کابل میں علوم درسیہ اور فنون متعارفہ کی تحصیل کے بعد دہلی آئے۔ پھر ٹونک میں آ کر مقیم ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد حیدرآباد آئے اور پھر ملکاپور ضلع بلڈانہ میں منصفی کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ دو ڈھائی سال کے بعد برار کے دفاتر میں فارسی کی جگہ مرہٹی رائج ہوئی تو یہ موقوف ہو گئے۔ پھر یہ جلگاؤں ضلع آکولہ کے تحصیل دار مقرر ہوئے۔''1

ملکاپور میں قاضی خواجہ محمد صاحب (ناقص تخلص) کے ساتھ ان کے ایسے روابط تھے گویا ایک جان دو قالب ہوں۔ خود نہایت خوش مزاج اور خوش طبع تھے۔ آپ کی تصانیف یہ تھیں:

اخلاقِ محمدی شاہنشہ نامہ فتاوائے نسائی عجایب الکلمات

مراۃ الخصایل اور دیوان غیر مرتب۔

آپ 1277ھ (61-1860) میں بہ مقام قصبہ جلگاؤں ضلع آکولہ برار میں فوت ہوئے۔ وہیں دفن ہوئے منشی رام سیوک گہر بار نے تاریخ کہی:

بگو تاجِ بلاغت چوں بیفتاد

2

بتاریخش دریغا وائے ویلا

1279=1277

جناب افسر صدیقی امروہوی نے اس تاریخ کے بارے میں لکھا ہے:

''دریغا وائے ویلا سے سنہ وفات نکالا ہے لیکن اس کے عدد 1279 ہوتے ہیں۔ 1277 نہیں ہوتے۔ دو کے تخرجے کا کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔''2

''تاج بلاغت'' یعنی حرف ''ب'' کے عدد کم کیے جائیں گے۔

نصیرالدین نقش حیدرآبادی نے اعزاز کا یہ ایک شعر نقل کیا ہے:

آتشِ حسرت سے جل کر دل ہوا اپنا کباب اپنی محفل میں بلایا تو نے جب اغیار کو

زبان اتنی صاف ہے کہ ہرگز یقین نہیں ہوتا کہ اس شاعر کا وطنِ اصلی ہندوستان نہیں ہے اور اس نے ابتدائی تعلیم بھی ملک کے باہر یعنی کابل میں پائی تھی۔ اس باکمال کی شخصیت پر یقیناً اردو شاعری فخر کر سکتی ہے۔

ملکاپور

تذکرہ محبوب الزمن کے موئف عبدالجبار صوفی ملکاپوری سے نسبت کی وجہ سے اس قصبہ ملکاپور (ملکہ پور) کو دور تک جانا جاتا ہے۔ اس کا ذکر سلطان جلال الدین اکبر کے عہد میں ملتا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ خاندیس کے فاروقی سلاطین کے دور میں اسے ایک شہر کی حیثیت حاصل ہوئی تھی۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانے میں کسی امیر نے اس شہر کی فصیل مکمل کرائی تھی۔ انگریزوں کے وقت سے یہ ضلع بلڈانہ کا ایک قصبہ ہے۔ اس میں کچھ قدیم مسجدیں ابھی تک موجود ہیں۔ افسوس ہے کہ بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے عہد میں اس قصبہ میں صرف ایک قابل ذکر شاعر کا حال معلوم ہو سکا ہے۔

1- ناقص- قاضی خواجہ مہر

مولوی محمد عبدالجبار ملکاپوری نے اپنے تذکرے میں ناقص کے حالات بہت تفصیل سے قلمبند کیے ہیں۔ یہاں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

> ''ناقص، قاضی خواجہ محمد صاحب ملکاپوری، خواجہ مظفر عرف ننھے صاحب کے فرزند، نسب کا سلسلہ محمد بن فضل اللہ برہانپوری صاحب تحفہ مرسلہ سے ملتا ہے۔
> ولادت 1218ھ (1803) میں قصبہ ملکاپور ضلع بلڈانہ برار میں واقع ہوئی۔

سید عبداللہ کی، جو تعلقہ ملکا پور کے قاضی تھے، بیٹی سے شادی ہوئی۔ ملکا پور میں آپ کا دولتخانہ گویا مسافر خانہ تھا۔ کسی دن اگر کوئی مہمان نہ ہوتا تو آپ بیقرار رہتے تھے۔ 1287ھ (1870) میں کاکوری میں جا کر میر تقی علی کی بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ قاضی صاحب موزوں طبع اور خوش فکر تھے۔ کلام فارسی و اردو دونوں زبانوں میں درست و با محاورہ ہوتا تھا۔ 1293ھ (1876) میں بہ عمر ہفتاد و پنج رحلت کی۔ ملکا پور میں جامع مسجد کے دروازے کے سامنے مدفون ہوئے۔ آپ نے مدرسہ فیاضیہ قائم کیا تھا جس میں ایک کتب خانہ بھی ہے..."1

مولوی عبدالجبار اور دوسرے مورخین نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ قاضی ناقص کا کلام دستیاب نہیں ہے۔

OOO

حواشی

ایلچ پور

1- برار کی تمدنی و علمی تاریخ ص64

2- ایضاً ص63

الف - شاعری

3- برار کی تمدنی و علمی تاریخ ص56

4- ایضاً ص160 تا 162

ب - نثر

5- کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات جلد 2 ص124

6- برار کی تمدنی و علمی تاریخ ص161

جلگاؤں

1- محبوب الزمن جلد 1 ص242 تا 247

2- عروس الاذکار، حواشی ص187

3- عروس الاذکار ص36

ملکاپور

1- محبوب الزمن حصہ 2 1096 تا 1099

6 - بمبئی

بمبئی 169

الف - شاعری 171

1- رشک- میر علی اوسط 171

2- ثنا- مولوی ثناء اللہ 172

3- حجاب- محبوبہ 173

4- تبسم- عبدالکریم 174

5- شوق- میر عباس علی 175

6- خلیق- غلام احمد 176

7- آدم- آدم 177

8- علی- غلام علی مہری 178

9- جمل- جمل داؤد 186

ب - مذہبی نثر 191

1- محمد حسن خاں 191

2- شہاب الدین 193

3- غلام علی مہری 195

4- محمد طاہر 197

5- محمد اسماعیل کوکن	198
ج - علمی نثر	201
1- محمد علی روگھے	201
2- عبداللہ ماجد	202
د - افسانوی نثر	205
1- شیخ صالح محمد عثمانی	205
2- نظام الدین	206
3- باپو صاحب	209
4- ابراہیم مقبہ	210
ہ - مطبعے	211
1- مطبع ابراہیمی	212
2- مطبع اسماعیلیہ	212
3- مطبع حیدری	212
4- مطبع صفدری	212
5- مطبع فتح الکریم	212
6- مطبع کھسمکر	213
7- مطبع گنپت جی	213
8- مطبع محمدی	213
و - اخبارات وغیرہ	215
1- کشف الاخبار	215
2- مراۃ الاخبار	217
حواشی	218

بمبئی

مغربی ساحلِ سمندر پر واقع ہونے کے سبب ہندوستان میں مغربی اقوام کے داخلے کے لیے بہترین مقام بمبئی تھا چنانچہ اسے عموماً (Gate-way of India) کہا گیا ہے۔ بمبئی کے آس پاس تجارت میں مصروف یوروپی اقوام میں سب سے زیادہ اہمیت انگریزوں اور پُرتگیزوں کو حاصل تھی۔ سترھویں صدی عیسوی میں انھوں نے ملک کی سیاست میں بھی دخل دینا شروع کردیا تھا۔ انگریزوں کے معاملات پر نظر کر کے مرہٹوں نے پُرتگالیوں کے مقابلے میں ان کی حمایت شروع کردی تھی۔ ان کے برخلاف مسلمان امیروں خصوصاً جنجیرہ کے شیدی نواب انگریزوں سے نبرد آزمائی کرتے رہے۔ بالآخر ان کو شکست ہوئی اور شیدی نواب کے اخلاف بمبئی میں، جس پر انگریزوں کو تسلط حاصل ہو چکا تھا، سکونت (پناہ) اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بعد کے زمانے میں مسلمانوں کی، جو مدت سے ملک میں حکمراں رہے تھے، موافقت حاصل کرنے کی غرض سے انگریزوں نے وقتاً فوقتاً کئی اقدام کیے تھے۔ بعض قابلِ ذکر واقعات یہ ہیں:

1 - منشی محمد ابراہیم کو جو کئی زبانوں کے ماہر تھے۔1803 (1218ھ) میں درسوا کیڈٹ اسکول کا میر منشی مقرر کیا گیا۔ اس اسکول کی بمبئی شہر میں وہی حیثیت تھی جو کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی تھی اور یہاں کے کلکر سٹ منشی محمد ابراہیم مقبہ تھے۔

2- بمبئی کے رو گھے خاندان کے ایک رکن ناوخدا محمد علی بمبئی کونسل کے ممبر تھے۔روایت ہے کہ گورنر کہا کرتے تھے کہ ''I got a better colleague for my council''

3- برٹش گورنمنٹ نے 1831 (1247ھ) میں قاضی محمد یوسف مرگھے کو ایک سند کے ذریعہ قضات کا محکمہ با قاعدہ طور پر عطا کیا تھا۔انھیں چند اور بھی اختیارات دیے گئے تھے۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ انگریزوں نے بمبئی کے مسلمانوں کے تقریباً ہر موثر اور موقر خاندان کے ساتھ خوشگوار روابط قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔خود مسلمانوں نے بھی تعلیم کی ترویج کے لیے کوششیں شروع کر دی تھیں چنانچہ مذکور ہے کہ:

4- جامع مسجد بمبئی میں ناوخدا محمد علی رو گھے بن محمد حسین رو گھے نے 1836 (1252ھ) میں ایک مدرسہ ''محمدیہ'' کے نام سے جاری کیا تھا۔اس مدرسے میں عربی، فارسی اور ہندوستانی (اردو) کی تعلیم دی جاتی تھی۔

5- محمد ابراہیم مقبہ نے 1835 (1251ھ) میں نل بازار (جدید قاضی محلہ) میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔اس میں تعلیم پانے والوں میں بدرالدین طیب جی کا نام بھی شامل ہے۔

وقت کے ساتھ جدید علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کے سلسلے بھی جاری ہو گئے۔بمبئی میں اردو نظم ونثر کے ارتقائی معاملات پر ان حقائق کی روشنی میں نظر کی جانی چاہیے۔

الف - شاعری

بیرونِ ملک خصوصاً مغربی ممالک میں جانے کے لیے بھی بمبئی کے بندرگاہ سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس صورت حال کا فائدہ یہ ہوا کہ تمام اطراف ملک سے لوگ یہاں آتے اور قیام کرتے تھے۔ حجاج اور زائرین عموماً اہلِ دول اور صاحبانِ علم ودانش ہوتے تھے۔ بمبئی کے لوگوں کو ان سے کسب فیض کے مواقع مل جاتے تھے اور اس طرح یہاں کے علمی ماحول میں بھی کم وبیش بہتری کی صورت پیدا ہوتی رہتی تھی۔

۱- رشک- میر علی اوسط

امین الدولہ نواب آغا علی خاں مہر ابن نواب معتمد الدولہ آغا میر 1267ھ (1852) میں اپنے متوسلین اور ملازمین کے ساتھ عراق کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے استاد میر علی اوسط رشک بھی اس قافلے کے ساتھ تھے۔ انھوں نے تقریباً ہر قابلِ ذکر واقعہ سے متعلق قطعاتِ تاریخ کہے تھے۔1

نواب مہر نے بمبئی میں قیام کیا تھا اور گورنر بمبئی سے ملاقات بھی کی تھی۔ میر رشک نے اس واقعے سے متعلق جو قطعہ کہا تھا وہ اس طرح ہے:

"وقتِ ملاقاتِ ازگورنر بمبئی با نواب امین الدولہ بہادر"

بہ طریقے کہ ملاقاتِ دوسرداراں شد　　بہ رساناد چنیں خالقِ اکبر بمراد
ایں مُرادے کہ برآوردہ اے خالقِ آب　　بوزد باد دریں مرحلہ اکثر بمراد
عیسوی یافتم اے رشک سنینِ صحبت　　شدہ بامہر ملاقات گورنر بمراد

1852

گورنر کے عملے میں کئی لوگ فارسی اور اردو کے جاننے والے بھی تھے۔ ان کے لیے بھی بعض قطعے کہے گئے تھے۔ ایک یہ ہے:

"درمیلا دخلفِ منشی موسیٰ خاں ولایتی ملازمِ گورنر بمبئی"

یارب ایں مولود تادورِ فلک　　خرم وشاداں بماند درجہاں
تازہ وشاداب در گلزارِ دہر　　چوگلِ خنداں بماند درجہاں
رشکؔ ایں تاریخِ میلا دش نوشت　　نسلِ موسیٰ خاں بماند درجہاں

1267ھ

نواب مہر بھی پُر گو شاعر تھے۔ بخوبی ممکن ہے کہ انھوں نے خود بھی بمبئی کے قیام کے زمانے میں قطعے اور غزلیں وغیرہ کہی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شعری محفلیں بھی آراستہ ہوئی ہوں اور نواب کے رفقا کے علاوہ بمبئی کے بعض شاعروں نے بھی اپنا کلام پیش کیا ہو۔

اس مقام پر یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نواب مہر اور میر رشک وغیرہ نے عراق میں قیام کے زمانے میں وہاں شعر گوئی کے سلسلے کو جاری رکھا تھا اور اس طرح اردو شاعری عراق وغیرہ ممالک میں بھی بتدریج رواج پانے لگی تھی۔

2- ثنا- مولوی ثناءاللہ

حج بیت اللہ شریف کے لیے مسلمان ملک کے گوشے گوشے سے جاتے تھے۔ ان میں سے بڑی تعداد بمبئی ہوکر جانے والوں کی ہوتی تھی۔ مرزا قادر بخش صابر نے اپنے تذکرے میں ایسے کئی شاعروں کا ذکر کیا ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں:

ارشاد مولوی محمد ارشاد، تارک میر بقاءاللہ چوتھی بار حج کے لیے گئے تھے۔

خواہش میر اللہ داد- وطن الہ آباد، شہیدی شیخ کرامت علی

ان کے علاوہ، صابر نے ثنا تخلص کے ایک شاعر کا احوال اس طرح قلمبند کیا ہے:

"ثنا تخلص' مولوی ثناء اللہ خلف شیخ کریم اللہ کتب درسی میں مہارتِ تام اور حلِ دقایق میں قدرت مالا کلام ہے۔ سعادت منشی و نیک نہادی کے اوصاف تو حدّ اندازہ سے افزوں ہیں۔ اب چند مدت سے سفر حجاز کے ارادے پر بمبئی میں متوقف ہے۔ گاہ گاہ شعر بھی کہتا ہے۔ یہ ایک شعر اس پاک طینت کا یاد تھا' سو تحریر کیا۔

"خواب میں مجھ سے وہ بگڑا تھا یہ تعبیر تو دیکھ کہ سحر سامنے آیا تو پشیماں آیا" 2

یہ صحیح ہے کہ عازمینِ حج کا بمبئی میں قیام مختصر ہوتا تھا لیکن ان کی کثرتِ تعداد اس شہر کے شعری اور علمی ماحول پر اپنے جو اثرات چھوڑ جاتی تھی' ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس سفرِ مبارک کے دوران پیش آنے والے بعض واقعات یادگار بن جاتے ہیں۔

3- حجاب- محبوبہ

یہ ایک شاعرہ تھی جس نے حجاب کے التزام کے باوجود اپنے زمانے میں قابلِ ذکر حد تک شہرت حاصل کر لی تھی۔ قاضی نورالدین حسین فائق نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

حجاب تخلص محبوبہ ایست کشمیری الاصل بہ رفاقتِ یک شخصِ خشی کہ در جنگ کابل بہ خدمت ترجمانی ہمراہ امیر ان دولتِ انگلشیہ بود، وارد بمبئی شدہ' چندیں اقامت داشت نظر بہ تخلصِ آں نامش از حجاب بر نیامد گاہے در ہندی موزوں می کند' لما در زبان دری آں رشکِ کبک دری گفتار چوں رفتار خوش مے میدارد۔ غزلِ فارسی مع یک غزلِ ہندی بہ وساطتِ شخصے نزد فصاحت مآب مشفقی غلام محمد المعروف بہ میاں مجھو آمدہ بود بہ ملاحظہ در گذشت۔ الحق کہ مضامینِ فارسی را دلچسپ یافتہ است' چوں دریں سفینہ لآلی آبدار اشعار ہند کہ بھموں صدف مملو است گذاشتہ شد مگر در ریختہ کہ رگِ خامہ اش کم ریختہ است ایں شعر پسندیدہ شد۔

کیا جانے بھلا لذتِ دیدار کو اس کی — جب تک کوئی بادیدۂ خونبار نہ ہووے" 3

ہندوستانی رئیسوں اور امیرانِ دولتِ انگلشیہ کے ساتھ شہر بمبئی میں دور دراز سے شعرا اور شاعرات کا آنا جانا رہتا تھا اور اس طرح بھی اس شہر میں علم وفن اور شعر وسخن کے معاملات میں تنوع اور بوقلمونی کی صورتیں پیدا ہو رہی تھیں۔

4- تبسم- عبدالکریم

اپنی مصلحتوں اور ضرورتوں کے مطابق انگریز اپنے عملہ میں لائق اور باصلاحیت ہندوستانی افراد کو بھی شامل کر لیتے تھے۔ اتنا ہی نہیں، موقع اور محل کے تقاضوں سے وہ بااثر ہندوستانی امرا کی غیر معمولی حد تک سرپرستی بھی کرتے رہتے تھے۔

اردو ہندوستان کے حکمراں طبقہ کی زبان تھی اس لیے ولایت سے آنے والے انگریز اُمرا کو یہ زبان سکھانے کے لیے سرکار کمپنی ضروری مصارف بھی برداشت کر رہی تھی اس مقصد کے لیے جن لوگوں کا تقرر کیا گیا تھا ان میں تبسم بھی تھے۔ قاضی فائق نے لکھا ہے:

"تبسم تخلص عبدالکریم، مولدش سورت است۔ اکنوں از چند سال بہ تقریب دادن درسِ زبانِ اردو بہ صاحبانِ دار ولندن در بمبئی اوقات بسری بُرد و در زمانِ گذشتہ بہ تقاضائے وقت بہ صحبتِ ملا قطب الدین گاہ گاہے چند کلمات موزوں می کرد بہ مشاعرۂ آں جا شریک می شد حال شاید لب ازیں خندہ بستہ ایں یک موج از تبسم غنچۂ افکارات تبسم است۔

رواں تھا قافلہ اشکوں کا جو ھرے ہمدم — سو اس تبسم غارت ربا نے لوٹ لیا

اقتباسِ بالا سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں بمبئی میں مشاعرے ہوتے تھے اور ان مشاعروں میں اردو کی غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ تبسم کی جس غزل کا وہ شعر ہے، اس کے کچھ اور شعر یہ ہیں:

جھپک بتا کے مجھے دلربا نے لوٹ لیا — بچا نگہ سے تو شرم وحیا نے لوٹ لیا
ہزاروں ہیں صفِ مژگانِ تیر کے گھائل — مجھے تو ابرو کماں کی ادا نے لوٹ لیا
خدا کے واسطے کر رحم اے بتِ سنگدل — ترے تو روز کے جور و جفا نے لوٹ لیا
نگاہِ شوخ نے کئی خان و ماں کیئے برباد — مجھے بھی کافر زلفِ دوتا نے لوٹ لیا

اہلِ دکن بتانا بہ معنی دکھانا بولتے ہیں چنانچہ پہلے شعر میں یہی ہے۔ بطور مجموعی زبان صاف' سلیس اور رواں ہے۔ مضامین میں ندرت کا وصف نمایاں ہے۔

5- شوق- میر عباس علی

اگر چہ اردو شاعری سے انگریزوں کو کچھ دلچسپی نہیں تھی' مصلحت اور ضرورت سے کمپنی کے عملہ میں شاعروں کا تقرر کیا جاتا تھا۔ ان سے انگریزوں کو زبانِ اردو کے سیکھنے میں آسانی ہو جاتی تھی۔ اس صورت حال کا دوسرا پہلو یہ بھی تھا کہ ہندوستانی لوگ انگریزوں کی صحبت میں رہ کر انگریزی زبان ہی نہیں' ان کے آداب و معاشرت سے بھی اچھی واقفیت حاصل کر لیتے تھے۔

معزز اور مقتدر گھرانوں کے افراد کی سرپرستی بھی کمپنی کے مفاد میں تھی چنانچہ فائق نے اپنے تذکرے میں شوق کے حالات میں لکھا ہے:

''شوق تخلص... میر عباس علی پور حضرت قاضی سید زین العابدین قدس سرهٗ سلسلۂ نسبش بہ حضرت سید احمد جعفر شیرازی منتہی می گردد۔ در ہنگامے کہ والدِ بزرگوارش منزل گزینِ خلدِ برین شدند' معزز الیہ بہ سنِ تمیز نہ رسیدہ بود' نواب گورنر جنرل بمبئی نظر بہ علوے خاندانِ آبائے کرامش نمود و مبلغ پنجاہ روپیہ بہ نامش مقرر کرد۔ بالجملہ موی الیہ تقویٰ و صلاح... و تقلید ملت حنیفِ حنفی نہایت۔ در فارسی دستگاہ ار جمند و در حلِ نکات قوتِ دل پسند' چوں شوق دریں فن شوق تمام و رغبتِ تام می دارد...''5

شوق بھی رواجِ عام اور مشاعروں کے چلن کے مطابق غزل کہتے تھے۔ ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

میں مژدۂ وصال سے اک دم میں جی اٹھا
دم دیکھے آج رشکِ مسیحا دو بن گیا

کان کے بالے کا پتا تابشِ رخ سے تر کے
ہوگیا گویا کہ پتا نخلِ دشتِ طور کا

دیا دل شوق نے اس بت کو کہہ کر
تَوَکَّلتُ علی اللہ تعالیٰ

زندہ اک خلق ہو چلی ہے دفن
ہم نے وحشت میں یہ اُڑائی خاک

جنت کو چلیں اُٹھا کے حوریں
اس کو میں جو جاکے مرگئے ہم

مہِ کنعاں کا حال ہے روشن
حُسن پر مت بتو غرور کرو

معلوم ہوتا ہے کہ شوق کو چھوٹی بحروں میں غزلیں کہنا زیادہ پسند تھا۔ ان کے اکثر شعروں میں حسنِ مطلق کے بجائے حسین اور اسبابِ حسن کا تذکرہ ملتا ہے اور اس اعتبار سے ان کے کلام کا انداز لکھنو والوں کے طرز سے زیادہ مطابقت رکھتا تھا۔

6- خلیق- غلام احمد

انگریزی عملداری کے مختلف اہم مراکز کی طرح بمبئی شہر کو غیر ملکیوں کے استعمال کی اشیا کے نہ صرف بازار کا درجہ حاصل ہو گیا تھا بلکہ یہاں ہر قسم کی انگریزی مصنوعات کے لیے کارخانے بھی قائم ہو گئے تھے اور یہی بہت لوگوں کے لیے حصولِ معاش کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ بعض شاعر چھاپے خانوں میں بھی کام کرتے تھے چنانچہ خلیق کے تعارف میں لکھا ہے:

''خلیق تخلص، غلام احمد از ساکنانِ بمبئی است۔ فی الحقیقت جوانِ خلیق و غریب است۔ نستعلیق فارسی را درست می نویسد۔ اکثر در چھاپہ خانہا بہ کتابت بسر می آرد۔'' 6

یہ بھی معمولاً غزلیں کہتے تھے۔ نمونہ کے طور پر ان کے کچھ شعر یہ ہیں۔

گل رخوں کو وفا کا پاس نہیں   جوں گلِ کاغذی ہیں، باس نہیں
ہے حسن ترا مہرِ درخشاں کے برابر   دنداں دُر و لب لعلِ بدخشاں کے برابر
کیا چاہیے عاشق کے تجھے قتل کو خنجر   ابرو ہیں ترے خنجرِ بُرّاں کے برابر
اس دستِ حنائی کے تصور میں خلیق اب   جی ڈوب چلا پنجۂ مرجاں کے برابر

سیدھے سادے روایتی مضامین ہیں جن کو بول چال کی زبان میں نظم کر دیا گیا ہے۔ کلام میں دقت اور پیچیدگی کی کوئی صورت نہیں ہے، اور اسی لیے وہ عوام پسند ہے۔

دکن کے اکثر مراکز کی طرح بمبئی کے بھی شاعروں کے زیادہ حالات اور ان کا کلام دستیاب نہیں ہے چنانچہ ان کے بارے میں بھی کوئی مفصل اور قطعی رائے قائم کر لینا آسان نہیں ہے۔ اردو اور فارسی میں معمولاً ہر شاعر مفرد ابیات اور غزلیں کہہ لیتا ہے اور تذکرہ نویس عموماً انھیں میں سے چند شعروں کو نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ تلاش کریں تو معلوم ہوگا کہ بیشتر شاعروں نے دوسری شعری اصناف میں بھی کاوش کی ہے۔ بمبئی کے شاعروں کا بھی یہی معاملہ ہے کہ ان میں

سے کئی نے مثنوی کی صنف سے بخوبی دلچسپی لی ہے چنانچہ قیاس کہتا ہے کہ اس علاقے میں غزل کے بعد سب سے زیادہ مقبول و مروج یہی صنف تھی۔

7- آدم- آدم

ان کا نام اور تخلص آدم معلوم ہوتا ہے لیکن ان کے حالات کچھ دریافت نہیں ہو سکے ہیں۔ ان کی ایک مثنوی ''قصہ بادشاہِ روم'' کے نام سے ہے جس کا سات ورقی قلمی نسخہ ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔[7] اس کے ہر صفحہ پر 26 شعر لکھے ہیں۔

اس مثنوی کا ایک مجہول الحال نسخہ نئی دہلی کے نیشنل میوزیم میں بھی ہے جس میں کل 14 ورق ہیں اور ہر صفحہ پر صرف 12 سطریں ہیں۔[8] اس پر مصنف اور تصنیف دونوں کا نام درج نہیں ہے۔ سوا تین سو سے زائد شعروں پر مشتمل یہ مثنوی بھی دستور کے مطابق حمد اور نعت وغیرہ سے شروع ہوتی ہے۔ ابتدائی دو شعر یہ ہیں:

ہو کس سے حمد یارو اس خدا کی　　کہ جس نے عرش اور کرسی بنا کی
کیا ماٹی کو یوں قدرت سے باہم　　ستوں بن کر دیا افلاک قائم

مثنوی میں جو قصہ نظم کیا گیا ہے، مختصراً اس طرح ہے:

''شاہ روم نے جب اس آیت　وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ
کی تلاوت کی تو اس کے دل میں خیال ہوا کہ میں جسے چاہتا ہوں عزت و ذلت دیتا ہوں۔ بھلا مجھے کون ذلت دے سکتا ہے؟ ایک دن اپنے لشکر کے ساتھ شکار کے لیے نکلا۔ اتفاقاً راستہ سے بھٹک کر ملک چین میں جا پہنچا۔ وہاں ایک قزاق کے شبہ میں اسے گرفتار کر کے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے۔ اس تباہی میں وہ ذکر و شغل میں اپنا وقت گزارنے لگا۔ شاہ چین کی بیٹی کو قرآن پاک کی تعلیم دینے کے لیے معلم کی ضرورت ہوئی۔ امرا نے اس مقصد کے لیے اسی کو مقرر کر دیا۔ ایک دن جب وہی آیت پڑھا رہا تھا شہزادی کے اصرار پر اس نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ شہزادی نے یہ واقعہ اپنے ماں باپ کو بتایا اور خود اس سے شادی کرنے کے لیے آمادہ ہوگئی۔ وہ اپنی دولھن کو لے کر اپنے ملک کی طرف

روانہ ہوا تو راستہ میں اپنی فوج کو اپنے انتظار میں وہیں کھڑا پایا۔ معلوم ہوا کہ یہ
سارا واقعہ چشم زدن میں رونما ہو گیا تھا۔"

آخر میں شاعر نے غرور و تکبر کے عنوان سے تیرہ شعر لکھے ہیں۔ ان میں ہے۔

خودی سے حکم قاروں نے نہ مانا گیا اسفل کو دھر سر پر خزانا

مثنوی کے آخری شعر یہ ہیں۔

کھلا مرضی میں جو بندہ میاں کی اسے نعمت ملی دونوں جہاں کی
کہاں رہزن کہاں اس شاہ کی ذات دکھایا حق نے قدرت کا طلسمات
کسی سے حال آدم اپنا مت کہہ خدا کی یاد میں مشغول ہو رہ

ادارۂ ادبیات کے نسخے کی جو مطبع حیدری بمبئی کے مطبوع نسخہ کی نقل ہے اور "نرساپور تعلقہ نرل" میں لکھا گیا تھا ترقیمہ اس طرح ہے:

"عاصی علی بھائی بن لقمان جی کی کپنی نے اپنے مطبع حیدری میں چھاپا 1269ھ
(1853)"

8- علی- غلام علی مہری

بمبئی کے مہری خاندان کے ابتدائی زمانے کے صاحب تصانیف بزرگوں میں قاضی غلام قاسم مہری مشہور ہیں۔ قاضی غلام علی مہری ان کے بھتیجے تھے اور علی تخلص کرتے تھے۔ اردو نظم و نثر میں یہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ علی کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے شعر گوئی اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ کب شروع کیا تھا اور ان کی ابتدائی تالیف کون سی تھی۔

الف- روضۃ البکا

فقیہ پالوسکر کوکن (متوفی 1223ھ/1808) کی ایک مشہور نظم "روضۃ البکا" تھی۔ 9
جس کے بارے میں مصنف نے کہا ہے۔

جو آ اک پیر سن میرے مقابل کہا مجھ کو کیا جو غم کی محفل
تو اس کا نام جوں باد صبا رکھ بہت رورو کے روضات البکا رکھ

یہ نظم حضرت حسین کی شہادت کے واقعات پر مشتمل ہے اور اس میں کل نو مجلسیں تھیں۔ کئی

برس کے بعد قاضی غلام علی مہری نے فقیہ کی مذکورہ نظم کو مکمل کیا۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

''علی کا سب سے پہلا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے 1260ھ (1844) میں مشہور شاعر فقیہ کی مقبول عام مثنوی روضۃ الشہدا کو مکمل کیا...اپنے دوست داؤد خاں جمل کے اصرار پر علی نے اس مثنوی کی دسویں مجلس کو نظم کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ مجلس دہم کے پانچ سو شعر اور خاتمہ کے اٹھارہ اشعار علی نے نظم کیے ہیں۔''10

شعر کہنے کے لیے اصرار اسی شخص سے کیا جا سکتا ہے جس کی شعر گوئی کی لیاقت مسلّم ہو چکی ہو چنانچہ یقین کیا جانا چاہیے کہ اس سے پہلے بھی علی نے بعض مثنوی لکھی ہوگی۔

ب۔مصباح المجالس

علی نے اسی سال میں ایک اور مثنوی لکھی جس کے بارے میں ڈاکٹر میمونہ دلوی نے تحریر کیا ہے کہ:

''علی کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے چچا قاسم کے تتبع میں ایک مثنوی مصباح المجالس کے نام سے لکھی۔ یہ مثنوی سیرت رسول صلعم سے متعلق ہے۔''11

اس اقتباس میں غلام قاسم مہری کی جس مثنوی کی طرف اشارہ ہے اس کا عنوان عروس المجالس ہے۔ اس کا موضوع بھی سیرتِ پاک تھا اور اس کا سال تصنیف 1209ھ (1794) ہے، بقول مصنف۔

عروس المجلس اس کو کر کے موسوم — کیا بارا مجالس پر یو مقسوم
سنہ ہجری تھی بارا سو اوپر نو — اتھا سلطان عادل ٹیپو خسرو

غلام علی مہری نے اپنی مثنوی میں قاسم کی مثنوی کا ذکر اس طرح کیا ہے ۔

ہر اک مداح مدح احمدی سے — ہوا محظوظ فیضِ سرمدی سے
خصوصاً عم مرے مقبول باری — قیامت تک ہے ان کا فیض جاری
ہیں بارہ مجلسیں جو ان سے تصنیف — کروں اس شعر کی کس منہ سے تعریف

علی نے خود اپنی مثنوی کے موضوع اور نام وغیرہ کا بیان ذیل کے شعروں میں کیا ہے۔

سو اس باعث یہ فدوی خاکِ پا نے   غلامِ بارگاہِ مصطفیؐ نے
کیا بارہ مجالس اور منظوم   کیا نادر ہر اک میں حال مرقوم
دے مصباح المجالس نام اس کو   کیا باشوقِ دل اتمام اس کو

اس مثنوی میں سات ہزار تین سو سولہ شعر ہیں۔ اس کا سال تصنیف علی نے ان شعروں میں نظم کیا ہے۔

غرض جس دم ہوا گلشن یہ تیار   عجب گلزار مدح شاہِ ابرار
یہ چاہا میں نے تب تاریخ کر غور   لکھوں اس خاتمہ میں لا کے فی الفور
سو یہ تاریخ خوش دل نے کہی ہے   کہ احسن روضۂ مدح نبیؐ ہے

1260ھ

ڈاکٹر میمونہ نے ایک اور موقع پر اس مثنوی کے بارے میں لکھا ہے:

''قاضی غلام علی مہری اپنی بینظیر مثنوی مصباح المجالس کی وجہ سے بمبئی میں بہت مشہور ہیں۔ یہ مثنوی آج بھی بازار میں ملتی ہے اور گیارھویں شریف میں حصول ثواب کی خاطر پڑھی جاتی ہے۔''12

ج-تحفۂ اعظم

نواب غلام غوث خاں اعظم تخلص ارکاٹ کے صاحب علم اور علم پرور نواب تھے۔ ان کی قدر شناسی کا حال سن کر علی بھی ان کی خدمت میں پہنچے اور ان کے نام سے ایک مثنوی لکھی۔ قاضی نورالدین فائق نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے:

''علی تخلص، شیخ علی، ملقب بہ مہری متوطن بمبئی است و از مشاہیرِ آں جا است۔ مسموع شدہ کہ یک قصۂ عشقیہ بہ نام نواب مدراج (مدراس) موزوں کردہ۔ مہری موصوف از بے مہری گردونِ دوں آنچہ صلہ و انعام کہ یافتہ بود در راہ قطاع الطریقاں بدو دوچار شد، آں ہمہ بدیشاں تو ضع نمود...''13

قاضی غلام علی کی اس مثنوی کا نام اس طرح ہے:

''مثنوی ہمایوں مزاج و خجستہ لقا المسمّٰی بہ تحفۂ اعظم'' اور ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اس کے تعارف

میں بیان کیا ہے کہ:

''اس رومانی مثنوی کے مرکزی کردار فجستہ لقا اور ہمایوں مزاج ہیں۔ فجستہ لقا شہر سبا کے بادشاہ کی بیٹی ہے اور ہمایوں مزاج ہندوستان کا شاہزادہ۔ جادوئی ہند نامی ایک ڈومنی کے واسطے سے ان میں محبت ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے موانعات سے گزر کر دونوں ملتے ہیں اور اپنے والدین کی منظوری سے شادی کر کے خوش و خرم بسر کرتے ہیں۔''14

مثنوی کے ابتدائی حصہ کے اشعار کی تعداد اس طرح ہے:

حمد میں 27 شعر ، نعت میں 49 شعر

مناجات میں 5 شعر ، تعریفِ سخن میں 19 شعر

مدحِ نواب میں 89 شعر ، اس کے بعد اصل قصہ شروع ہوتا ہے۔

دکن کی اکثر قدیمی مثنویوں کی طرح ہر جُز کا عنوان فارسی کے شعر کی صورت میں ہے۔ ان سب شعروں کو اگر مرتب کر لیا جائے تو مثنوی کا خلاصہ تیار ہو جائے گا۔

علی نے یہ مثنوی میر حسن کی مثنوی سحر البیان کے جواب میں لکھی ہے اور اپنے نواب کو آصف الدولہ پر ترجیح دیتے ہوئے کہا ہے۔

وہ ہے کون نواب گیتی ستاں　　خداوندِ جاہ و چشم خوش خاں
ہے مدراس زیر نگیں اس کے سب　　کہ مشہور ہے دارِ علم و ادب
یہ دورِ امیر فلک اقتدار　　بجا حُسن پر کروں افتخار
یہ ممدوح کی اس کے توصیف ہے　　کہ اک دن دو شالے دئے سات سَے
یہ اس کانِ بخشش کا ہے یہ مدار　　کہ اک دن میں بخشے خزانے ہزار

غلام علی مہری نے اپنی مثنوی کو میر حسن کی مثنوی پر ترجیح دی ہے۔ ایک موقع کے اس کے اشعار یہ ہیں:

جو گھبرایا دل تو پھر رونے چلی　　کیا سب نے معلوم تو سونے چلی
کہیں بیٹھنا لے بیاضِ شگرف　　گماں یہ کہ پڑھنے میں ہے دھیان صَرف

دلوں کے دلے اپنے کھولے ورق وہی عشق کا یاد کرنا سبق
نہ کچھ مثنویِ حُسن پر تھا جی کہ اس میں مزاحیں ہیں اور دل لگی
اگر جی میں آیا تو از بیدلی یہ دو چار پڑھ لینا شعرِ علی

علی کی اس مثنوی میں مقامی روزمرّ وں اور بول چال کی کیفیت ظاہر ہے چنانچہ پہلے شعر میں "رونے لگی" کی جگہ "رونے چلی" نظم ہوا ہے، وغیرہ۔

مثنوی کے ابتدائی کچھ شعر یہ ہیں:

لکھا نامِ حق پہلے بہرِ شگوں قلم نے بہ دیباچۂ کاف ونوں
یہ ہیبت سے اس کی گئی لاکھ سال رہا سر بہ سجدہ ہو مفتون ولال
اٹھا لوح سے پھر جبینِ نیاز لگا کہنے اے خالقِ جاں نواز

مثنوی کا خاتمہ ذیل کے شعروں پر ہوا ہے۔

بسے سنگِ خارا برافراشتیم نظر سوئے لعلِ گراں داشتیم
سخن رفت ناگہ بہ گوشِ مراد فلک گفت منظور نوآب باد
یہ تاریخ اردو میں رنگین ہے یہی خانۂ لعبتِ چین ہے

1262ھ

ایک معاصر محمد حسین کھکھٹے نے علی کی اس مثنوی کی تاریخ اس قطعہ میں کہی ہے۔

بنا گلدستہ جب یہ خوب و دلخواہ کہا ہر اک نے اس کو دیکھ وہ واہ
تب آیا جوشِ دل سے بر زباں زود یہ لاثانی ہوئی ہے مثنوی واہ

1262ھ

اس مثنوی سے یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہے کہ اس وقت تک علی اپنے علاقے کے معتبر اور مستند مثنوی لکھنے والوں میں شمار ہونے لگے تھے۔ یہ مثنوی اسی سال یعنی 1262ھ (1846) میں مطبع فضل الدین کھمکر مہائی سے چھپ کر شائع ہوگئی تھی۔

د۔ سعد و سلمیٰ

قاضی غلام علی مہری کی ایک اور عشقیہ مثنوی اس نام سے دستیاب ہے:

''مثنوی منازل القمرین شمائل البدرین یعنی قصۂ حُسن وعشق سعد وسلمٰی''15

اس مثنوی میں بھی سارے عنوان منظوم ہیں اور ان عنوانات کو اگر جمع کرلیں تو مثنوی کا خلاصہ تیار ہو جائے گا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ تحفۂ اعظم کی طرح اس مثنوی کے بھی سب عنوان ایک ہی وزن و بحر میں ہیں۔ اس مثنوی کے بارے میں ڈاکٹر میمونہ دلوی نے لکھا ہے:

''بقول علی یہ قصہ نعتیہ قصائد اور مولانا جامی کی مثنویوں میں پہلے سے موجود تھا۔ علی کی یہ مثنوی حکایت سے زیادہ نعت معلوم ہوتی ہے۔ اس مثنوی سے مقصود رسول اکرم صلعم کی حقیقی الفت سے حاصل ہونے والی برکتوں کے ذکر کے علاوہ رسول اکرم صلعم کی مدح اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان کرتا ہے۔''15

شاعر نے سبب تالیف میں کہا ہے۔

نعت سے دل کو تھا قدیم سے شوق — اس بہار و گل و نسیم سے شوق
گُل کھلا نعت میں تمنا کا — حُسن سعد و جمال سلمٰی کا
شوق سے دل کے مثنوی میں نے — لکھی با فرحت و خوشی میں نے
جس کے راوی ہیں مظہرِ تحقیق — جوہری کرامتِ صدیق ؓ
شہرت انگیز تر روایت میں — خاص صدیق کی ولایت میں
جلوہ گر نعتیہ قصاید میں — مختصر دفترِ شواہد میں
جس کے راوی ہیں حضرتِ جامی — قدس اللہ سرہٗ السامی
جوں لکھا میں نے قصۂ سعدین — ہو صلہ بھی سعادتِ دارین

مثنوی کے قصے کا خلاصہ اس طرح ہے:

''سعد نام کے ایک خوبصورت نوجوان صحابی شکار کھیلتے ہوئے راستہ سے بھٹک کر اس شہر میں جا پہنچے جہاں، ان کے چچا رہتے تھے۔ ان کی بیٹی سلمٰی کے ساتھ بچپن میں سعد کی نسبت ہو چکی تھی۔ جھجک کے باوجود سعد کو مجبوراً ان ہی چچا کے یہاں ٹھہرنا پڑا۔ چچا نے ہر طرح خاطر کی۔ کچھ مدت کے بعد سعد اور

سلمٰی کی شادی ہوگئی۔ دونوں عیش سے رہنے لگے۔ حضرت رسول اکرم صلعم کی محبت نے سعد کے دل میں جوش مارا۔ وہ سلمیٰ کو ساتھ لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اسی وقت خیبر کی جنگ چھڑ گئی۔ سعد سلمیٰ کو چھوڑ کر جنگ میں چلے گئے۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن سعد شہید ہو گئے۔ فاتح اسلامی لشکر کے آنے کی خبر سُن کر سلمیٰ شہر کے باہر جا کر کھڑی ہوگئیں۔ سب سے پہلے رسولِ خدا کی سواری آئی۔ سلمیٰ نے سعد کے بارے میں ان سے معلوم کیا تو جواب ملا کہ علیؑ پیچھے آرہے ہیں ان سے پوچھنا۔ حضرت علی کے بعد حضرت عثمان اور پھر حضرت عمر آئے۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر صدیق سے پوچھنے کے لیے کہا۔ جب وہ آئے اور ساری بات معلوم ہوئی تو انھوں نے حضرت رسول مقبول کا رمز سمجھ کر خدا سے دعا کی۔ حُبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے سعد کو زندگی نصیب ہوئی اور سعد و سلمیٰ دونوں ایک بار پھر مل گئے۔''

علی کی اس مثنوی میں سراپا کے کئی اچھے نمونے ملتے ہیں چنانچہ ذیل کے شعر توجہ کے لائق ہیں۔

حُسنِ یوسف سے مصر رشکِ بلاد　　یوں مدینہ میں سعد نور سواد
ہر نگہ صد بہارِ حُسن نواز　　ہر ادا صد دیار حشر گداز
حور خیاط رشکِ قامت کی　　چال مقراض تھی قیامت کی
اژدہا گنجِ حُسن کے گیسو　　نقش گنجینۂ تحیّر سو
مشرقِ صبحِ عید پیشانی　　بیتِ خوبی میں مصرعِ ثانی
حسن عارض سے سر بہ جیب سحر　　عارضی جس کے آگے حُسنِ قمر

مثنوی کے آخر میں شاعر نے دوبار اس کی تاریخ نظم کی ہے، اس طرح۔

شکرِ حق مثنوی تمام ہوئی　　حسب خاطر سے اختتام ہوئی
دیکھ منظورِ طبعِ اہلِ کمال　　دل نے چاہا کہ ہو مرتب سال

پہنچا ہاتف فلک سے لے کر تب   خمکدہ اہل عشق کا ہے عجب

1286ھ

اسی اثنا میں سال کا سُن ذکر   (بنت؟) ناظم نے کی ہے نادر فکر

یوں لکھا سال سن ترانۂ عشق   بقیامت نہ ہو فسانۂ عشق

1286ھ

قاضی غلام علی مہری کے بعض دوستوں نے بھی اس مثنوی کے سال تکمیل کی تاریخ کہی ہے۔

ہ- شبستانِ خوبی

و- تضمین کریما

ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے ایک اندراج کے حوالے سے قاضی غلام علی مہری کی یہ دو تصانیف بھی بتائی ہیں۔16 لیکن ان کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں۔

ز- دیوان

قاضی غلام علی مہری نہایت مذہب پسند شخص تھے۔ وہ خود کہتے تھے کہ

ع   نعت سے دل کو تھا قدیم سے شوق

تلاش کے باوجود ان کے یہاں روایتی غزل کے شعر نہیں مل سکے، البتہ ان کی نعتیہ غزلوں کا دیوان مرتب ہوکر شائع بھی ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

''علی کی نعتیہ غزلوں کا دیوان مدحت النبی کے نام سے شائع ہوا تھا جو اَب نایاب ہے البتہ اسی دیوان کا مخطوطہ مدرسہ محمدیہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس دیوان کی اکثر غزلیں مشکل زمینوں میں لکھی ہیں۔''17

اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے میں بھی ہے۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے اس کے بارے میں جو معلومات قلمبند کی ہیں یہ ہیں:

دیوان غلام علی مہری 18   تصنیف تقریباً 1290ھ/1873

صفحات چھبیس   شعر ایک سو چوبیس

اس میں زیادہ تر مدحیہ کلام ہے اور رسول ﷺ کی نعت و منقبت ہے۔ علی نے ہر ردیف پر طبع

آزمائی کی ہے اور اس دیوان میں ان کی الف سے ی تک جملہ اَڑسٹھ غزلیں ہیں۔ آخر میں ایک غزل ہے، جس کا عنوان ہے:

'غزل شاہ سید محمد قادری صبغۃ اللّٰہی الشطاری تخلص مشتاق ساکن.. اس دیوان کی پہلی غزل کا مطلع اور آخری غزل کا مقطع حسب ذیل ہے۔

مطلع غزل اوّل۔ دیکھ کیا نورِ نبی عرش بریں پر چمکا
جس کے پرتو سے فلک پر مہِ انور چمکا

مقطع غزل آخر۔ رقم زد کر علی کے دفترِ اعمال میں یارب
بیاضِ شعر میں اس کے نوادر یہ سیاہی ہے

علی کے کلام کے سلسلے میں ڈاکٹر میمونہ دلوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ،

''علی کا تصنیف کردہ ایک مرثیہ بھی دستیاب ہوا ہے۔ مرثیہ مختصر ہے۔ اس کی زبان سلیس اور طرزِ بیان دلکش ہے۔'' 19

یہ مرثیہ غزل کے طور پر ہے چنانچہ اس کے دو شعر یہ ہیں۔

نیزے پہ ہے شبیر کا سر راہِ خدا میں مجرائی ہے چرخ قمر راہِ خدا میں
کونین کی دولت تھی جہاں نقشِ کفِ پا لُٹوادیا شبیر نے گھر راہِ خدا میں

اس کی موجودگی میں خیال کیا جا سکتا ہے کہ بمبئی میں اُنیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں مرثیہ ابتدائی مدارج میں تھا اور اس صنف کے اوّلین نقاش بہ گمانِ غالب سُنی شاعر تھے۔

9- جمل- داؤد خاں

قاضی غلام علی مہری کے ان دوستوں میں سے تھے جن کی فرمائش کو پورا کرنا یہ ضروری خیال کرتے تھے چنانچہ روضۃ البکا کی دسویں مجلس علی نے ان ہی کی خاطر سے نظم کی تھی۔ علی نے اس میں کہا ہے ع

مہرباں، قدر داں داؤد خاں نام 20 جمل جس کا لقب مشہور ہے عام
برائے خاطرِ احباب و مونس فقیہ کی میں نے چھپوائی مجالس
مناسب ہے نہ ہووے سلسلہ گم شہادت نامۂ اقدس لکھو تم

ڈاکٹر میمونہ دلوی نے پہلے شعر پر خیال کر کے داؤد خاں کا تخلص جمل سمجھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ عام طور سے اس نام سے مشہور تھے (شاید اپنے قد و قامت کی وجہ سے) انھوں نے بھی علی کی طرح مثنوی کی صنف سے دلچسپی لی تھی۔

داؤد خاں کی صرف ایک مثنوی دستیاب ہو سکی ہے جس کے مخطوطہ کے بارے میں ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے لکھا ہے:

۔قصہ موسیٰ مصنف۔ داؤد صفحات 42 21
شعر 13

مصنف نے متعدد جگہ مثنوی میں اپنا تخلص داؤد استعمال کیا ہے۔ اس مثنوی میں شاعر نے حضرت موسیٰ کے تین مختلف واقعات کو نظم کیا ہے۔

1- حضرت موسیٰ کا نبی ہونا، حضرت ہارون کے ساتھ فرعون کے پاس جانا اور اسلام کی دعوت دینا۔ فرعون کا پیچھا کرنا اور اس کا دریائے نیل میں غرق ہونا۔

2- حضرت موسیٰ کا قارون کے پاس جانا۔ اس سے مسلمان ہونے اور زکوٰۃ دینے کے لیے کہنا۔ دونوں میں بحث و مباحثہ کا ہونا اور قارون کا اپنے خزانے کے ساتھ زمین میں دھنس جانا۔

3- حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے ملاقات کرنا۔ دونوں کا سفر پر جانا۔ حضرت خضر کا تین ایسے کام کرنا جو حضرت موسیٰ کو ناپسند تھے۔ آخر میں حضرت خضر کا اپنے کاموں کی توجیہہ کرنا اور دونوں کا جدا ہو جانا۔

یہ تینوں واقعات شاعر نے بغیر کسی مبالغہ کے اپنے اصلی رنگ میں بیان کیے ہیں اور قرآن مجید کی تفصیلات سے قریب ہیں۔ مثنوی آخر سے ناقص ہے۔

رواج عام کے مطابق یہ مثنوی بھی حمد اور مناجات وغیرہ سے شروع ہوتی ہے چنانچہ کچھ شعر حمد کے یہ ہیں۔

کروں ارقام اوّل حمدِ یزداں قلم جس کے جُھکا سجدے میں لرزاں
زبانِ خود کو چیرا سر کٹا کر ہوا ہے مدح گو داور سراسر

جبیں اپنی کو رکھ بر صفحہ قرطاس   ثنا خواں ہورہا ہے حق کا لاباس
اور کسے امکان ہے داؤد یکسر   مطول کرسکے نعت و ثنا پر

اسی طرح مناجات کا ایک شعر یہ ہے۔

یہاں داؤد اب کر فکر دیگر   قلم در دست لے ہمت پکڑ کر

اسی مناجات میں شاعر نے اپنے بیٹے کے لیے اس طور پر دعا کی ہے۔

پسر میرا ہے ابراہیم خاں نام   وہ پاوے نیک بختی کا سرانجام
اسے فرماں بَری پر اپنی رکھ شاد   سدا اندوہ و غم سے رکھ تو آزاد

مثنوی کے اس مخطوطہ میں آخری اشعار یہ ہیں۔

یہ شامت سے اسی کی توڑا میں   اثر پہنچے گا تو ماں باپ کے تیئں
بدی میں اس کی وہ ہونگے گرفتار   یہ شامت کفر کی ان کو کرے خوار
کہ ماں باپوں کو اس کے ربّ داور   دے دے گا ارجمند فرزند دیگر

اس مثنوی کی زبان پر اس زمانے کی بمبئی کی بیشتر تصانیف کی طرح دکنی تلفظ اور لب ولہجہ کا اثر بہت کم ہے البتہ بعض لفظوں اور فقروں سے قدامت جھلکتی ہے۔

علی، داؤد، وغیرہ شعرا کا جو کلام دستیاب ہے اس پر اگر قیاس کریں تو کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے تک بھی بمبئی میں سب سے زیادہ مقبول صنف مثنوی تھی۔ روایتی انداز کی غزل گوئی کی طرف میلان بہت زیادہ معلوم نہیں ہوتا ہے۔ بعض شاعر البتہ نعتیہ غزلیں کہکر اپنے شوق کو پورا کر لیتے تھے۔

اوپر جو مذکور ہوا ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بمبئی کے بیشتر شاعر تاریخیں بھی کہتے تھے۔ علی اس شہر کے بڑے باکمالوں میں تھے۔ انھوں نے اپنے علاقے کی اکثر تصانیف کے لیے تاریخیں کہی تھیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر ان کا ایک بہت عمدہ قطعۂ تاریخ جو 'بستان تفاسیر' سے متعلق ہے نقل کیا جاتا ہے۔

قطعہ تاریخ از نتائج فکر قاضی علی مہری صاحب۔ 22

تاریخ

کیوں گل نہ ہوں خجلت سے نم آلودہ تشویر ‏ یک باغ تبارک و گلستاں ہے یہ تفسیر
حاصل بہ کفِ دست یہاں سیرِ چمن ہے ‏ یا طرۂ دستار ہے گلدستۂ تقریر
مصحف ہے گویا خالِ رخِ ناز پہ اس کے ‏ کیوں بوسہ گہِ خلق نہ ہو صفحۂ تحریر
جیوں زلفِ پری چہرہ عبارات مسلسل ‏ ہے بہرِ خرد تاب زدہ حلقۂ زنجیر
شیرینیِ مضمون رواں بخش وطرب خیز ‏ ہے غیرتِ دریائے مے وجوئے نم شیر
الفاظ متیں موجزن معنیِ رنگیں ‏ جوں ساغرِ مینا ہیں پُراز بادۂ شبگیر
از رو ئے ادب سودہ نہ ہوں رشتۂ اوراق ‏ نکلے ہے اگر دست صبا دامن گل چیر
طرفہ ہے تجلی کدۂ تفسیرِ عزیزی ‏ سر باختہ یکھاں برق ہے جوں شمع گلگیر
ہو زیرِ فلک مرقدِ پُرنورِ مصنف ‏ ہر لحظہ مطافِ ملکِ خطۂ تنویر
کیا مشتِ غبار اس کی کرے وصف رقم زد ‏ ہے خاکِ لحد جس کی سدا غیرتِ اکسیر
اس شاہدِ زیبا نے پہن کسوتِ اردو ‏ یک ناز خرامی سے کیا ہند کو تسخیر
تھا رشکِ بہارِ چمن خلد یہ گلگشت ‏ فیاضِ زماں نے کیا سرنو سے اسے تعمیر
مقبول دعا ہو یہ ملایک کریں آمیں ‏ دلشاد رہے ناوخدا صاحب توقیر
شہبازِ تفکر ہے علی از پے تاریخ ‏ پر سوختہ پرواز سے جیوں بلبل تصویر
از بسکہ چمن زارِ کرامات کا کر سیر ‏ ہاتف نے جو حیرت زدہ تکرار کی تکبیر

1264=632+632

سُن نعرۂ مستانہ تکبیر دو چنداں ‏ آئی ہے ندا غیب سے بستان تفاسیر

1264ھ

خیال کرنے کی بات ہے کہ شاعر نے عبارت کی ایک ایک خوبی کا بہت وضاحت سے بیان کردیا ہے۔ تکبیر کی تکرار سے تفسیر کی تاریخ نکالنا نہایت خوب ہے۔ اسے خداداد کہنا چاہیے۔ دوسری تاریخ بھی ایسی بے ساختہ ہے کہ جواب نہیں چنانچہ تفسیر کے لیے اسی کو نام کے طور پر اختیار

کرلیا گیا ہے۔ اس قطعہ کے ایک ایک مصرع سے زبان کے قواعد اور لغات وغیرہ پر شاعر کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔

علی بذاتِ خود تو اپنے علاقے کے معروف تاریخ گو تھے ہی، ان کے دوستوں میں بھی بعض اس فن سے دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ انھوں نے جب اپنی مثنوی سعد و سلمیٰ مکمل کی تو اس کے لیے جن لوگوں نے تاریخ کہی تھی ان میں دو یہ ہیں: 23

الف- قاضی اسماعیل مہری۔ انھوں نے درج ذیل مصرع سے تاریخ نکالی تھی۔

ع نورِ چشم ملک ہے نعت نبیؑ

1286ھ

ب- میر عبدالاحد۔ ان کی کہی ہوئی تاریخ یہ ہے

ع شعلہ زارِ کلام نعت نبی

1286ھ

ب - مذہبی نثر

بمبئی میں اس زمانے میں اردو نثر کو خوب فروغ حاصل ہوا تھا۔ کم و بیش ہر قسم کے موضوعات سے متعلق کتابیں اور رسالے لکھے جا رہے تھے۔

وہ زمانہ تھا جب بمبئی میں مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو چلا تھا اور طرح طرح کے سیاسی ہتھکنڈوں سے انگریزوں کا ہر طرف تسلط ہو گیا تھا۔ ایسے میں مسلمانوں کو خصوصیت سے خدا یاد آ رہا تھا۔ مذہبیات سے متعلق وہاں ہر قسم کے کام کیے جا رہے تھے۔ حصولِ ثواب کے مقصد سے جو کتابیں لکھی جا رہی تھیں، ان پر پوری دیانت کے ساتھ محنت کی جاتی تھی۔ مطالب کی بخوبی چھان بین کی جاتی تھی اور زبان بھی آسان اور عام فہم لکھتے تھے اور کوشش کی جاتی تھی کہ بیان میں بھی دقت اور پیچیدگی کم سے کم ہو۔

1- محمد حسن خاں

ناخدا محمد علی روگھے کا ذکر شروع میں آ چکا ہے۔ بمبئی میں ان کی فرمائش سے انتیسویں پارہ کی شاہ عبدالعزیز دہلوی کی فارسی تفسیر کا اردو میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کے سرورق کی عبارت یہ ہے:

الحمدللہ کہ تفسیر فتح العزیز کے تبارک کے سیپارہ کا ترجمہ ہندی زبان میں مسمّٰی بہ بستان تفاسیر مطبع محمدی میں بندہ عبدالملک کے اہتمام سے 1263ھ میں چھپ کر اختتام کو پہنچا۔

تعجب ہے کہ یہاں 1263ھ کیوں چھپا جب کہ بستانِ تفاسیر تاریخی نام ہے اور اس سے 1264 کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ اس کے خاتمہ کی عبارت یہ ہے:

"الحمد اللہ کہ نسخہ متبرکہ یعنی تفسیر فتح العزیز جو تصنیف کی ہوئی قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین افضل العلماء اکمل الفضلا سند المحدثین سلطان المفسرین حضرت مولانا حافظ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ کی فارسی زبان میں تھی اس میں سے سیپارۂ تبارک کا ترجمہ حسب الارشاد محسن دوراں منبع جود والامتنان قدردانِ غربا و شرفا جناب ناخدا احمد علی صاحب بن حسین رو گھے ادام اللہ حسنا تھم کے ہندوستانی زبان میں معمورہ بندر منبئی میں ہوا اور جناب ممدوح کے حکم کے بموجب عاصی پُر معاصی عبدالملک بن مولوی محمد صادق مرحوم نے مطبع محمدی میں جو واقع بندر مذکور میں ہے چھاپ کر ستائیسویں تاریخ شہر جمادی الاول 1264 ہجریہ مقدسہ کے اختتام کو پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ بانی اس امر خیر کو اور مترجم کو اور کاتب کو اور قاری کو اپنے فضل اور کرم سے توفیق خیر کی عنایت فرماوے۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین بہ رحمتک یا الرحم الرحمین۔" 1

اس تفسیر کی زبان نہایت عمدہ، سلیس اور رواں ہے۔ اتنی شستہ اور شگفتہ نثر دلی اور لکھنو میں بھی اس زمانے میں کم لکھی گئی تھی۔ نمونہ کے طور پر صرف چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ہیں:

"حق تعالیٰ کے دیدار کے منکر اس آیت کے معنوں میں بہت گھبرائے ہیں اور ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور عجیب اور غریب باتیں کی ہیں کہ اکثر وے باتیں کتاب اللہ کی تحریف کو پہنچی ہیں اور مفسروں پر تحریف کا رد واجب ہے اس سبب سے ان چیزوں کا ذکر اس مقام پر ضرور ہوا و الا اس تفسیر کے طرز کے لحاظ سے اس گفتگو کا لانا اس جگہ مناسب نہ تھا۔ لاچاری سے ذکر کیا جاتا ہے اور اس ذکر کے پہلے ایک مقدمہ ضروری بیان ہوتا ہے۔ اس کو کان رکھ کے سُنا چاہیے۔" 2

اس تفسیر میں بعض لفظوں کا تلفظ البتہ قابل توجہ ہے مثلاً:

کھریان (=کھلیان)، چت کبھی (=چت کبری) اور بعشیں اور مزیداریاں کرتے تھے۔

قابل توجہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کسی جگہ مترجم کا نام نہیں لکھا ہے۔ بعد کے زمانے میں جب کانپور سے یہ تفسیر شائع ہوئی تو اس کا نام کسی قدر بدل دیا گیا۔ کیفیت اس کی اس طرح ہے:

''ترجمہ اردو تفسیر سپارہ، تبارک الذی، بستان التفاسیر یعنی تفسیر فتح العزیز مترجم محمد حسن خاں، طبع اول، کانپور، مطبع نظامی 1889 - 268 صفحے- حامل متن- ترجمہ تفسیر شامل ہیں (فارسی سے ترجمہ)''3

وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس زمانے سے پہلے بمبئی میں کوئی اور تفسیر اردو نثر میں لکھی گئی تھی یا نہیں۔

روزانہ زندگی میں کام آنے والے مسائل سے متعلق اس زمانے میں اہل بمبئی نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔ بعض مصنفین کے کاموں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

2- شہاب الدین

قاضی غلام حسین مہری مصنف ''فقہ حسینی'' کے بیٹے قاضی شہاب الدین مہری بھی بڑے صاحب علم و فضل تھے۔ شروع زمانے میں انھوں نے عربی اور فارسی میں ایک ایک کتاب لکھی تھی چنانچہ مذکور ہے کہ:

''غلام حسین مہری نے اپنی تصنیف فقہ حسینی میں، اپنے بیٹے شہاب الدین کی تصانیف شرح ارشاد اور شرح منہاج کا ذکر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ ان کی یہ دونوں کتابیں اب نایاب ہیں۔''4

اپنے والد کے انتقال کے بعد شہاب الدین ناچار اپنے بزرگوں کے مسکن قصبہ مہاڑ میں جا کر رہنے لگے اور کچھ مدت کے بعد تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف ہو گئے۔

قاضی غلام حسین نے فقہِ حسینی کے سبب تالیف میں یہ ذکر کیا ہے کہ ''زبان ہندی زبان عجمی خواہ فارسی یا لسانِ شریفہ عربیہ کہ لسان دین نبوی ہے، یہ سب السنہ درجۂ واحد میں ہیں...... مادری زبان بہت سریع الحفظ اور معہود الذہن ہوتی ہے۔''4 ان کے بیٹے شہاب الدین نے بھی اسی نقطۂ نظر سے قصبہ مہاڑ میں قیام کے زمانے میں دو کتابیں اپنی زبان میں لکھیں۔

الف-احکام دینیہ

ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اس رسالے کے بارے میں اتنا لکھا ہے:

''شہاب الدین نے رسالہ احکام دینیہ کے نام سے ایک مختصر رسالہ تالیف کیا تھا۔ اس کا سن تصنیف معلوم نہ ہوسکا لیکن یہ رسالہ 1263ھ (1847) میں شائع کیا گیا تھا۔ یہ رسالہ احکام دینیہ نمازِ وتر کے وصل و فصل کی افضلیت و اولیت کے متعلق استفسارات کے جواب میں تالیف کیا تھا۔'' 5

اس کی زبان کا نمونہ یہ ہے:

''—اور جو تفریق عظیم اور کسرِ جماعت بے حاجت بہ سبب تعدد جمعہ ایک محلہ میں دو جگہ اور سب ممبئی میں چار پانچ جگہ جمعہ ہونے سے ہوتی ہے اس کا تو کچھ خیال ہی نہیں باوجود یہ کہ جامع مسجد عظیم الشان اور وسیع شہر میں موجود ہے۔'' 6

ب-شہابیہ

شہابیہ اس کتاب کا پورا نام ہے: ''مختصر شہابیہ فی المسائل الفقہیہ'' اور اس کے ذکر میں ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے لکھا ہے:

''جامع مسجد کے کتب خانے میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک چار سو اٹھانوے صفحات پر مشتمل ہے اور باب الاحصار پر ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا نسخہ تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور باب الحوالہ پر ختم ہوا ہے۔ دوسرا نسخہ سید حسین ابن سید پیر محمد نے 1265ھ/1848 میں بارہ روپے نقد کے عوض کتب خانہ کو دیا ہے۔'' 7

اس کی تمہید میں مصنف نے لکھا ہے:

''جس وقت اس عاصی مستغرق المعاصی کا طول سکنت و کثرت اقامت بیچ قصبہ مہاڑ کے متمادی ہوا تو... بعض اخوان وفا اصحاب صفا خصوصاً ملجائے غریباں وایم خاں و محمدی علی خاں نے التماس کیے کہ اگرچہ کتاب فقہ مذہب شافعی کی زبان عربی سیں مانند شموس دبدر موفور الفتو رہیں لیکن اکثر کوئی عالم اس کے خلاصہ مضمون مشحون ہدایت سیں ذکور اُو نساءً محروم الفوائد ہیں۔ اگر زبان کوکنی میں جامع مسایل فقہیہ تصنیف ہو دیں تو عباد اللہ کو تائید دینِ مبین و موجب یادگار روزگار

ہوئیں، بنابرآں... یہ مختصر کو شروع کیا اور اس کا نام 'مختصر شہابیہ فی المسائل الفقہیہ' کیا''

ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے اس سلسلے میں وضاحت کی ہے کہ:

''اس میں لکھا تو زبان کوکنی ہے لیکن آدھی کتاب دکھنی میں اور آدھی کوکنی میں ہے۔ دکھنی کی طرح کوکنی کو بھی اردو رسم خط میں لکھا ہے۔ اس میں تقریباً 25 ابواب ہیں اور ہر باب میں متعدد فصلیں ہیں۔ ابواب کی سُرخیاں کچھ اس طرح ہیں: باب الطہارت، باب الصلوٰۃ، باب الجنائز، باب الجماع وغیرہ۔ باب البیع تک تو یہ کتاب دکھنی میں ہے۔ اس کے بعد سے ذبح کے بیان تک یہ کوکنی زبان میں ہے۔ پھر نامکمل چھوڑ دی گئی ہے۔''

شہابیہ کی زباں کو اس علاقے کی زبان کا معیاری اور مثالی نمونہ خیال کیا جانا چاہیے، ظاہر ہے کہ یہ معیاری اور کتابی اردو سے جس کا نمونہ ''بستان تفاسیر'' میں دیکھا جا سکتا ہے خاصی حد تک مختلف ہے۔

3- غلام علی مہری

قاضی غلام علی مہری کا شاعر کی حیثیت سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ انھوں نے اردو نثر میں بھی چند کتابیں لکھی تھیں۔

الف- تحفۂ محمدیہ

قاضی غلام علی کے ایک رسالے میں اس کا ذکر ضمناً آیا ہے چنانچہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے نقل کیا ہے کہ:

''غرض ان شیطانوں کے اس طرح بکنے اور لکھنے اور عقیدہ رکھنے کا خلاصہ یہ ہے! کہ جیسے کافر اپنے بتوں کی شفاعت پر مغرور تھے ویسے یہ نا سید احمد جسے سرحد کا بل میں غازیوں نے مُردکر دیا۔ بعد اس کے پُتلا بنائے تھے اور بٹھا کر اس کو پوجتے تھے، دور دور سے لوگ زیارت کو آتے اور تحفہ ہدیہ لاتے اور بھجواتے۔ 'تحفۂ محمدیہ' کے رسالے میں بہ خوبی تفصیل سے لکھا ہوں، جس کو مطلوب ہو وہ رسالہ ضرور مطالعہ کرے۔ 6

ب-شفاعتِ کبرائے نبیؐ

اقتباس بالا سے ظاہر ہے کہ کتاب مصنف نے تحفۂ محمدیہ کے بعد لکھی تھی۔ اس کا سالِ تصنیف 1277ھ/1860 ہے۔ 17 سطری مسطر پر یہ صرف 36 صفحوں کا رسالہ ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ:

''25 سال کے عرصے میں دجّالی فرقوں میں سے ایک نئے مذہب والے پیدا ہوئے ہیں۔ اہل عرب و عجم ان کو وہابی المذہب کہتے ہیں اور بعض علمائے سنّت جماعت نے ان کا فرقۂ اسماعیلیہ نام رکھا ہے۔''9

یہ رسالہ مصنف نے اسی فرقہ کے ''رد'' میں لکھا ہے۔ ابتدا اس کی اس عبارت سے کی ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھدی مَن ھُو کَاذِبٌ کفّار یعنی اللہ تعالیٰ کبھی ہدایت نہیں کرتا اس جھوٹے کافر کو کہ شفاعت شافع قیامت ودافع ندامت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عامہ نہیں، خاصہ کہتے ہیں اور منکر ہیں۔''

ڈاکٹر میمونہ دلوی نے لکھا ہے کہ مصنف نے اس رسالے میں اشعار بھی نقل کیے ہیں اور ان کی مدد سے عبارت کو زیادہ موثر بنانے کی کوشش کی ہے۔

ج-تحفۃ الاحباب

قاضی غلام علی مہری کے اس باون صفحے (11 سطر فی صفحہ) کے رسالہ کا پورا نام اس طرح ہے:

''تحفۃ الاحباب فی مناقب الاصحاب''

اس رسالے کی ابتدا میں مصنف نے لکھا ہے:

''حمد وسپاس ہے اس مالکِ حقیقی جلّ شانہ وعزّ برہانہ کو کہ جس نے انوار جمال جہاں آرائے محمدیؐ شبستانِ ہستی کو منوّر کیا اور عنایاتِ ابدی کمالاتِ سرمدی سے جناب سیّد المرسلین و خاتم النبیین کی...مناقب اصحاب کرام وافضلیت خلفائے راشدین سے...واقف ہونا عند الشرع ضروریات سے ہے اس لیے یہ نافہم...کمترین بندگانِ باری قاضی غلام علی مہری نے فی الوقت حسب خواہش و

فرمائش... شیخو میاں صاحب سلمہ کے یہ مختصر رسالہ موسوم بہ تحفۃ الاحباب فی
مناقب الاصحاب لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنی عنایت و احسان سے اس مختصر کو
منظورِ نظر خاص و عام کرے۔"10

قیاس کہتا ہے کہ یہ شیخو میاں وہی گجرات والے ہیں چنانچہ ان کے حالات وہیں لکھے جاچکے ہیں۔ مصنف نے رسالے کے آخر میں بھی اس کی اہمیت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"گو عربی، فارسی اور ہندی میں فضائلِ صحابہ پر صدہا کتابیں ہیں لیکن یہ دو چار
ورقی رسالہ بھی اپنی جگہ اہم ہے اور شب چراغ کی مانند ہے جیسا کہ نام سے
ظاہر ہے یہ رسالہ صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین کی مناقب میں ہے... چہرۂ
اقبال کو اس عروس معانی کے انوار صلوٰۃ و سلام خیرالانام علیہ السّلام سے نقاب
پوش کر کے معارج حمیت و مدارج اتمام کو پہنچایا اور حلت اس سے یہ ہے کہ
دیکھنے اور سننے والے اس کے اس عاصی کو بہ دعائے خیر یاد فرمادیں"

قاضی غلام علی مہری کی نثر صاف ستھری اور پختہ ہے۔ بخوبی ممکن ہے کہ انھوں نے بعض اور رسالے بھی لکھے ہوں جو امتداد زمانہ سے نایاب ہوگئے ہوں۔

4- محمد طاہر

مولوی محمد طاہر کے حالات میں بس اسی قدر معلوم ہے کہ وہ بمبئی کے رہنے والے تھے اور عربی فارسی میں اتنی لیاقت رکھتے تھے کہ اہل بمبئی کی فرمائش سے انھوں نے بزرگانِ مذہب کا ایک تذکرہ لکھ ڈالا۔ کتب خانۂ آصفیہ میں اس کا جو قلمی نسخہ ہے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"روضۃ الاصفیا۔ مصنف۔ محمد طاہر 158 صفحے
22 سطر فی صفحہ، سال تصنیف بعد 1255 ھ (1829) اس کتاب میں
آنحضرت صلعم، خلفائے راشدین اور بعض اماموں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مختصر
حالات لکھے گئے ہیں۔ آنحضرت صلعم سے آغاز کر کے امام احمد حنبل پر اختتام کیا
گیا ہے۔"11

آغاز کی عبارت یہ ہے:

''شکر ہے اس خدا کو کہ جس نے انبیا کو دنیا میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے ارسال کیا اور ثنا اس مولا کو جس نے پیغمبروں کی تلقین سے اپنے بندوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا۔

اور تذکرے کے خاتمے کے الفاظ یہ ہیں:

''امام احمد حنبل کے مذہب کے لوگ کم تھے لیکن ان کے تقویٰ و زہد کے احوال مشہور ہیں اور کیمیائے سعادت اور احیاء العلوم ان کی خوبی اور کمال سے بھری ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان لوگوں کی پیروی کی توفیق دیوے۔ آمین۔''

5- محمد اسماعیل کوکن

مولوی محمد اسماعیل کا خاندانی لقب ''بردے'' تھا۔ وہ رتنا گیری کے رہنے والے تھے۔ جنجیرہ کے نواب شیدیؒ ابراہیم یاقوت خاں کے یہاں ملازم تھے اور اکثر بمبئی میں مقیم رہتے تھے۔ ان کی کتابوں کے بارے میں ڈاکٹر میمونہ دلوی نے بہت صحیح لکھا ہے کہ:

''ان کی کتابیں اپنے زمانے میں بہت رائج تھیں۔ اہل بمبئی خصوصاً کوکنی مسلمانوں کو مذہب اور مسائلِ شرع سے بہت زیادہ لگاؤ تھا۔ ہر فعل و عمل میں شرعی جواز ڈھونڈھا جاتا تھا۔ وقت گذرتا گیا۔ لوگوں کی توجہ اس طرف سے ہٹتی گئی اور ان موضوعات سے متعلق کتابوں کی اہمیت بھی کم ہوگئی۔ مولوی صاحب کی کتابوں کا بھی یہی حشر ہوا۔''[12]

الف۔ ردِّ ہندو

مولوی صاحب کی سب سے پہلی معلوم تصنیف ''ردِّ ہندو'' ہے۔ کتب خانۂ آصفیہ میں اس کا جو قلمی نسخہ ہے وہ مطبوعہ نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ:

''' خادم الطلاب محمد ادریس بن عبداللہ چلمائی نے یہ کتاب ردّ ہندو بمبئی میں 1261ھ میں چھپوائی تا مسلمان بھائیوں کو اس کے مطالعے سے کفر و شرک کی برائی اور سوال اور جواب کا طریق معلوم ہو۔''[13]

یہ محمد ادریس بن عبداللہ چلمائی غالباً گنپت جی کرشنا کے چھاپے خانے سے وابستہ تھے چنانچہ انھوں نے ہی مولوی اسماعیل کوکنی کی دوسری کتاب فرائض قادر یہ بھی اسی سال یعنی

1261ھ/1844 میں چھپوائی تھی۔

کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد میں کتاب ردِّ ہندو کے کم سے کم تین قلمی نسخے تھے۔اس کتاب کے بارے میں بتایا گیا ہے:

''اس میں ہندو عقاید کے جوابات اسلامی عقائد سے دیے گئے ہیں۔مختلف قسم کے سوال و جواب مثلاً ایک سوال یہ کیا گیا ہے کہ ہندو کو کافر مشرک کہنے کی وجہ کیا ہے؟ جواب بتایا گیا ہے کہ مسلمان کا خدا ایک ہے اور تم لوگوں کے خدا ایشور، برھما، وشنو، نارائن وغیرہ ہیں۔اکثر سوالات ناواقفیت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔''

کتاب کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے:

''اِنَّ الدِّین عِند اللّٰہِ الاِسلام ردِّ ہندوان سوالات اور جوابات مسلمان اور ہندو کے ،تصنیف کیا ہوا مسکین خادم الطالب محمد اسماعیل کوکن رتنا گیری: آغاز میں ذرا مسلمان اور ہندو کو سوچنا چاہیے۔''

اور ذیل کی عبارت پر کتاب ختم ہوئی ہے:

''.....خدا تعالیٰ ہر ایک کافر و مشرک کو بھی نیک توفیق دیوے کہ یہ اسلام لادیں اور سب کا خاتمہ کلمۂ طیب لااِلٰہ الا اللہ محمد رّسول اللہ پر ہووے۔ آمین۔''

ب-فرائض قادریہ

اس کتاب کو مصنف حضرت عبدالقادر کی برکت سے اپنی اور متعلقین کی مغفرت کا وسیلہ خیال کرتا ہے۔یہ ایک مقدمہ، دو قسم اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔اس کی طباعت کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔

ج-تحفۂ احمدیہ

اس میں نکاح، طلاق، مہر اور ایجاب وقبول کے مسائل بیان کیے ہیں۔یہ کتاب پہلی بار 1267ھ/1850 میں چھپی تھی۔

د-تحفۂ اہلِ حق

اس رسالے میں بھی نکاح اور شادی سے متعلق مسائل لکھے ہیں۔ یہ ممبئی میں 1276ھ/ 1859 میں چھپی تھی۔

ہ-تحفۂ ابراہیم خانیہ

نجیرہ کے نواب شیدی ابراہیم یاقوت خاں کے نام سے یہ کتاب معنون کی ہے اور اس میں بھی نکاح کے احکام، میراث اور طلاق وغیرہ کے مسائل قلمبند کیے ہیں۔ یہ رتنا گیری میں 1289ھ/1872 میں چھپی تھی۔

مولوی محمد اسماعیل کوکنی کی زبان بھی صاف اور سلیس ہے۔ عام طور سے انھوں نے مذہبی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں لیکن ان کی پہلی کتاب ''ردِّ ہنود'' مناظراتی ادب میں شمار کی جاسکتی ہے اور غالباً ان کو مقبولیت اور شہرت بھی اسی کتاب نے عطا کی تھی۔

ج - علمی نثر

وہ زمانہ تھا جب بمبئی کے علاقے میں مذہبیات ہی کو ''اصلِ علوم'' تسلیم کیا جاتا تھا اور تصنیف وتالیف کے تقریباً سارے کام انھیں موضوعات سے متعلق ہوتے تھے۔ کاروباری علوم کی طرف اہلِ قلم کی توجہ کم سے کم تھی۔

1- محمد علی روگھے

گزشتہ اوراق میں محمد علی روگھے معروف بہ ناؤ خدا کا ذکر ایک سے زائد مقاموں پر آچکا ہے۔ ان کی بعض خوبیوں مثلاً علم دوستی اور فیاضی وغیرہ کی طرف اشارے کیے جاچکے ہیں۔

جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے میں ایک قلمی نسخہ ہے جس کا نام فہرست کے مرتب نے ''کتاب جہاز رانی کوکنی جلد اول و دوم'' اور مصنف کی حیثیت سے محمد علی روگھے کا نام لکھ دیا ہے۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے اس کے تعارف میں تحریر کیا ہے:

> ''کتاب میں ایک مقام پر سرخ روشنائی سے ''علم البحر والکبیر ہذہ کتاب رحمانی لکھا ہوا ہے جو اس کا نام بھی ہوسکتا ہے.... محمد علی روگھے کا تعلق اہل کوکن سے تھا۔ درآمد و برآمد کا کاروبار کرتے تھے اور متعدد جہازوں کے مالک تھے۔ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے ہی اپنی تجارت کے سلسلے میں بحری سفر پر جانے

والوں کی سہولیت کے لیے اس کو بہ طور گائڈ خود مرتب کیا ہو یا کسی سے کروایا ہو۔"1

کتاب جہاز رانی مختلف بحری راستے، ایک جزیرہ سے دوسرے جزیرہ کی مسافت، لنگر انداز ہونے کے مقامات، طول البلد، عرض البلد، ان کے معلوم کرنے کے طریقے اور بحری سفر سے متعلق دیگر ضروری معلومات پر مشتمل ہے، زبان کوکنی ہے مگر عام کوکنی بولنے والے مسلمانوں کی زبان سے الگ ہے اور مشکل سے پڑھی جا سکتی ہے۔ مصنف کوکنی کے علاوہ عربی، فارسی کا بھی عالم معلوم ہوتا ہے۔ سُرخیاں عربی میں، اور بعض وضاحتیں فارسی میں ہیں۔ صرف پہلی جلد کی تمہید عربی میں ہونے کی وجہ سے پڑھی جا سکتی ہے۔

ناخدا کے کاروبار کے بحری سفروں سے متعلق ہونے کے سبب اور کچھ اس کتاب کے موضوع کے تقاضوں کی وجہ سے ان کی زبان مرکب ہوگئی ہوگی۔ ندوی صاحب نے اس کا کوئی اقتباس درج نہیں کیا ہے۔

2- عبداللہ ماجد

13 سطری مسطر پر 45 صفحوں کا یہ رسالہ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور اس کا نام "تقویت دین ماجدی (عہد نامہ پارسیان)" ہے۔ 2 مترجم کی صراحت کے مطابق یہ اصلاً عربی میں تھا۔ کسی نے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا اور فارسی سے سر جمشید جی جیجی بھائی کے حکم سے سہراب جی نے گجراتی میں ترجمہ کیا اور گجراتی سے اردو میں آیا..... سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

"از عبداللہ ماجد ترجمہ گجراتی کا اردو میں"

مترجم نے تمہید میں لکھا ہے:

> "کمترین خاکسار ذرۂ بے مقدار سہراب جی جیجی بھائی سارے زردشتی فرقے کے نامداروں کے حضور میں بڑی خواہش سے خبر کرتا ہے کہ اگلے قدیم وقت میں مسلمانوں کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام پارسیوں کے فرقے کی نگہداشت میں ایک محضر تیار کر دیا تھا۔ اس فرمان کی اصل عربی و فارسی ایک دولت کی معرفت سے اس خادم کو ملی تھی۔ اول اس کا فارسی زبان میں ترجمہ

ایک مہربان اور دین ہی کی پیروی کرنے والے صاحب کی معرفت سے کروایا اور اس وقت کے پیچھے اس کا گجراتی میں ترجمہ اپنے نیک، نامدار سر جمشید جی جیجی بھائی نیٹ مدظلہ العالی کے حکم سے اس خادم نے کیا۔ اور اس رسالہ کا نام 'تقویتِ دینِ ماجدی' دینے کو لائق سمجھا۔ اس کے مطالعے سے اس زمانے کے سب قوم کے لوگ گجراتی پڑھنے والے صاحب ان میں خصوصاً حضرت زردشت پیغمبر کے دینِ پاک کی پیروی کرنے والے صاحب واقف ہوویں کہ مسلمان لوگوں کے بڑے لوگ اپنے فرقے کو اگلے ہی وقت میں کس قدر تعظیم دیتے آئے ہیں اور اپنے فرقے کے برداشت کرنے کے لیے کیسی تاکید فرماتے ہیں۔ اس بابت اپنی زرتشت قوم کے صاحبوں کو نہایت شکرگزار ہونا چاہیے۔''

روز 26، ماہ دویم شہنشاہی سنہ 1221 یزدجردی/ تاریخ 21 نومبر سنہ 1858 روز جمعہ۔

خود اس رسالے کے متن میں یہ صراحت موجود ہے کہ:

''یہ عہد نامہ رسول اللہ صلعم نے پارسیوں کی نگہداشت کے سلسلے میں بہت سے صحابہؓ کرام کی موجودگی میں لکھوا کر دیا تھا۔ یہ عہد نامہ حضرت علیؓ نے حضرت سلمانؓ فارسی کو دیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی کے ذریعے پوری فارسی قوم کے پاس پہنچا۔''

رسالے کے خاتمے میں تحریر ہے کہ:

''جانیو کہ اس کتاب میں چھپوا کر ظاہر کیے ہوئے حوالے اور دوسرا عہد ناموں کی اصل عربی نقل جن صاحبوں نے بانچھی ہووے یا دیکھی ہووے یا اس اصل نقل پر سے اس کتاب میں عربی عبارت تحقیق کرنی ہووے تو ان صاحبوں نے شہر بمبئی کے قلعے میں فارسی جماعت کے نیتا بھای اردشیر جی دادابھائی کے گھر جا کر ان کے پاس سے وہ عربی عہد نامہ مانگنے سے اس وقت دیکھانے میں آویگا۔ تمام شد۔''

یہ رسالہ چھپ چکا ہے اور ڈاکٹر ندوی کا خیال ہے کہ یہ قلمی نسخہ شاید مطبوعہ رسالہ ہی کی نقل ہے....اور یہ ذکر بھی کیا ہے کہ:

''اس گجراتی نسخہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں مذکورہ عہد نامہ کا عربی اور فارسی متن بھی پورے کا پورا موجود ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم کی مہر کی جگہ بھی باقاعدہ چھوڑی گئی ہے۔''

اس کے سرورق کی عبارت اس طرح ہے:

''عہد نامہ نقل مطابق اصل حسب الحکم جناب عمدۃ الاعاظم والاعیان سر جمشید جی جیجی بھائی نیٹ دام اقبالہ مطبوع نمودہ شد سنہ 1221 یزدجردی مطابق سنہ 1851 عیسوی''

اس رسالے کی زبان پر بمبئی کی بول چال کا اثر نمایاں ہے بلکہ خیال کریں تو اس میں ایسے کلمات بھی ملیں گے جو معیاری اور کتابی اردو میں رائج نہیں ہیں۔

د - افسانوی نثر

افسانوی نظم ہو یا نثر، دونوں صورتوں میں زبان اردو میں تاحال جو تحریریں دستیاب ہو سکی ہیں، وہ طویل ہیں۔ اوّلین دستیاب نظم مولانا داؤد کی چندا ین ہے جسے ہیئت کے اختلاف کے باوجود مثنوی کہا جاتا ہے۔ نثر میں افسانوی طرز کی قدیم ترین تحریروں میں مولانا وجہی کی سب رس کا نام لیا جاتا ہے۔ بعد کے زمانے میں اسی قسم کی طویل تصانیف میں چھوٹی چھوٹی حکایتیں اور نقلیں شامل کی جانے لگیں۔ ان سے مقصود بیان میں آنے والے مطالب کی توضیح، تصریح اور تشریح ہوتا رہا ہے۔ پھر حکایتیں اور نقلیں الگ سے بھی بیان کی جانے لگی تھیں اور ان سے تعلیم، تربیت اور تلقین مقصود ہوتا رہا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر اور لائق توجہ ہے کہ نثر میں حکایتوں اور نقلوں کے قلمبند کرنے کی طرف سب سے زیادہ توجہ کلکتہ اور بمبئی میں کی گئی تھی اور یہ دونوں مراکز انگریزوں کی عملداری میں تھے۔ قیاس کہتا ہے کہ انگریزی (FABLES) فیبل کے اثر سے ایسا ہوا ہوگا۔

1- شیخ صالح محمد عثمانی

شیخ صالح محمد عثمانی نامی ایک صاحب علم شخص کئی برس تک انگریزوں کی ملازمت میں دکن کے علاقوں میں رہا تھا۔ وہ گورنر الفنسٹن (ELPHINSTONE) کے زمانے (1819 تا 1827) میں بمبئی پہنچا تھا۔ اس وقت کرنل کینیڈی (KENNEDY) وہاں (1817 تا

1835) جج ایڈوکیٹ جنرل تھا۔ یہ شخص کئی زبانوں کا ماہر تھا چنانچہ پیشوا کی فوج میں فارسی کا مترجم رہ چکا تھا اور بعد کے زمانے میں اس نے مراٹھی کا ایک لغت بھی شائع کیا تھا۔ شیخ صالح محمد عثمانی نے ان دونوں کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''یہ فقیر حقیر شیخ صالح محمد عثمانی اگر چہ مدت سے اس خطۂ خوش سواد دکھن میں وارد ہے اور کئی سال سے خدمت میں صاحبان عالیشان کے علاقہ رکھتا ہے، پر ان دنوں آنرابل گورنر الفنسٹن صاحب بہادر دام اقبالہ، کے عہد میں کہ جن کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ اظہر من الشمس و شہرۂ آفاق ہیں..... سن 1240ھ مطابق سن 1825 میں اس حقیر کو بندر منبئی میں آنے کا اتفاق پڑا تو یہ کتاب موافق مرضی جناب فیاض زماں، نکتہ رس قدر داں یعنی کرنل کینڈی صاحب بہادر دام حشمتہ، کے تصنیف ہوئی...''[1]

مصنف نے اس کا تاریخی نام سیر عشرت رکھا جس سے ہجری سال کے عدد 1240 نکلتے ہیں، پھر چونکہ'' جامع الحکایات سے یہ کتاب ماخوذ ہوئی اور عہد میں عیسویوں کے ترتیب پاس اس لیے.... وہی لفظ جامع الحکایات کا اس کے نام سے ملایا تو سن 1825 اس سے نکلی۔''[2]

گورنر الفنسٹن کی شخصیت نہایت مقبول رہی ہے۔ اس کے اعزاز میں بمبئی میں الفنسٹن کالج قائم کیا گیا تھا اور اس کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد بھی حکایتوں کے قلمبند کیے جانے کے کام کو بعض لوگوں نے اپنے طور پر جاری رکھا۔

2- نظام الدین

منشی نظام الدین کے حالات تو معلوم نہیں ہو سکے البتہ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے لکھا ہے کہ:

''اندرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نو وارد انگریزوں کو اردو سکھانے کا فرض انجام دیتے تھے اور ملازمت کے سلسلے میں بمبئی اور پونہ میں قیام رہتا تھا۔''[3]

الف- رسالۂ انشا

منشی نظام الدین نے انشا اور حکایتوں وغیرہ سے متعلق کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ بظاہر ان کی ابتدائی تحریر یہی ہے۔ اس کے قلمی نسخہ کے تعارف میں لکھا ہے:

'' رسالہ انشا مصنف منشی نظام الدین مابعد ؁ 122ھ

62 صفحے 13 سطر فی صفحہ

مصنف نے بیان کیا ہے کہ وہ برسوں انگریزوں کو اردو فارسی کی تعلیم دیتا رہا اور مختلف شہروں سے ہوتا ہوا پونہ پہنچا اور یہاں بھی انگریزوں کی تعلیم میں مصروف رہا....اس میں خطوط، عرضی مختلف نوعیت کی شامل ہیں جو بطور نمونہ لکھی گئی ہیں۔'' 4

آغاز۔

'' انشاء ثنا اس صانعِ کامل کے واسطے سزاوار ہے کہ جس نے اپنی صنعت سے صحیفۂ انسانی کو آئین اور قانون ترتیب دیکر احسن التقویم بنایا اور اپنی ساری خلقت میں اسے اسم سامی نام نامی بخشا۔''

اختتام۔

'' ایک زر تقاوی سرکار جو اُن کے ذمے ہے سو وہ بھی وصول نہ کیا اور اس کے سوا چار اسامی بھاگ گئے کہ وہ کھیتی یوں ہی پڑی رہے۔ دیکھیے کہ اس صورت میں سرکار کا نقصان کتنا ہوا۔ زیادہ کیا لکھیں۔ تمام شد۔''

ب۔ انشائے ہندی

1245ھ (30-1829) میں لکھی۔ 1266ھ (1850) میں محمدی پریس بمبئی میں چھپی۔ اس میں عرضیاں، پروانے، فرمان، اشتہار، دستک کے عنوان سے کئی خطوط ہیں۔ دیباچے میں لکھا ہے:

'' اکثر یوروپین لوگوں کو ہندی اور فارسی سکھاتا رہا۔ پونہ میں اسکاٹ صاحب بہادر نے... ہر روز چار خط ہندی میں لکھنے شروع کیے۔ کئی مدت کے بعد خیال آیا اور انھیں جمع کر کے کتاب بنائی اور اس کا نام انشائے ہندی رکھا۔ اس کے علاوہ فارسی کتاب انشائے ہرکرن کا آزاد ترجمہ سلیس ہندی میں کیا۔'' 5

خاتمہ میں ذیل کی رباعی میں تاریخ کہی ۔

یہ انشائے ہندی ہوئی جب تمام تھے بارہ سو چالیس اے نیک نام
1240

مگر پنج افزود تھے اس پہ تب زسنِ رسالت علیہ السلام
+5 =1245ھ

ج۔نقلیاتِ یوسف

کسی واقعہ کو اس طرح بیان کرنا کہ جس وقت اور جس صورت میں وہ واقعہ رونما ہوا تھا، بیان کرنے والا اسی طور پر عمل کر کے بھی دکھائے نقل ہے۔ نقل کو ڈرامہ یا ناٹک کی ابتدائی صورت سمجھنا چاہیے۔ اس میں پورے واقعہ کو معمولاً ایک ہی شخص پیش کرتا ہے۔ نقلوں کو پیش کرنا بتدریج ایک فن بن گیا تھا اور ان کے پیش کرنے والوں کو بھانڈ کہتے تھے۔ بعد میں بھانڈوں نے اپنی ٹولیاں بنالی تھیں اور ٹولی کے تمام افراد مل کر کوئی نقل پیش کرتے تھے۔

منشی نظام الدین کی ''نقلیاتِ یوسف'' کے بارے میں ڈاکٹر میمونہ دلوی نے لکھا ہے:

''حکیم لقمان کی حکایتوں کا سلیس زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ نو وارد انگریزوں اور مبتدیوں کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ کتاب 1260ھ (1844) میں شائع ہوئی تھی۔ دتاسی کے بیان کے مطابق منشی نظام الدین نے ابراہیم مقبہ کی مدد سے نقلیات یوسف 1850 میں لکھی تھی۔'' 6

د۔مجموعہ لطیفہ۔

یہ کتاب انھوں نے 1847 میں تصنیف کی تھی۔

ہ۔لیڈرا اور اُس کی آیا

یہ کتاب انگریزی سے ترجمہ کی گئی تھی اور مشن پریس بمبئی سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

و۔ہنری اینڈ ہز بیرڈ (Henry and his beard)

انگریزی سے اس کا بھی اردو میں ترجمہ کیا گیا تھا۔

ز۔بغاوتِ مالوہ

یہ کتاب 1864 میں میرٹھ سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں صوبہ مالوہ میں غدر کے زمانے کا حال لکھا ہے اور موقع واردات کی تصویریں بھی شائع کی گئی تھیں۔

ج۔ مجموعۂ مفید

یہ کتاب دو حصوں میں ہے۔ پہلا حصہ فارسی زبان کی قواعد ونحو، اور دوسرا حصہ فارسی سے ایک 193 حکایتوں کا ترجمہ ہے۔ سال ترجمہ 1268ھ (1852) ہے۔ یہ کتاب پونہ سے شائع ہوئی تھی۔

3- باپو صاحب

شیخ داؤد کے بیٹے ملا محمود، باپو صاحب کے نام سے معروف تھے۔ تمیہ مقبہ خاندان کے فرد تھے۔ ان کے حالات معلوم نہیں۔ انھوں نے 1272ھ (1856) میں فارسی کی سو حکایتوں کا ترجمہ کر کے اس مجموعہ کا نام ''گلدستۂ اردو'' رکھا تھا۔ ہر حکایت کو نقل کہا ہے اور اسے ختم کرنے کے بعد ''حاصل اس کا'' کے عنوان سے نتیجہ اور ہدایت وغیرہ کا بیان کیا ہے مثلاً۔

نقل

جب حاتم کی سخاوت کا شہرہ جہان میں پھیلا تب قیصرِ روم نے سُرخ بال کے ایک سو اونٹ طلب کیے۔ اس وقت حاتم کے پاس ایک اونٹ بھی نہیں تھا، پر اپنے خویش وقبائل سے جمع کر کے ان سے واپسی کا وعدہ کیا.....بیت

سخاوت ہر اک درد کی ہے دوا
ہے بے شک مسِ عیب کی کیمیا

حاصل اس کا

ہر ایک شخص ایسا کام کرے کہ جس میں خدا کی خوشنودی اور اپنے نفس کا خلاف ہووے تو اس کا نام زندہ رہے لیکن اگر اس زمانے میں حاتم ہوتا تو گداوروں کے ہاتھ سے تنگ آجاتا اور اس کے تن کے کپڑے چندیاں ہو جاتیں بلکہ اپنی سخاوت سے درگزر کرتا

4- ابراہیم مقبہ

ان کا ذکر شروع میں آچکا ہے۔ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے میں ایک قلمی نسخہ ہے جس کا نام ''مجموعۂ حکایات (جزو اول)'' ہے۔ اس میں سو صفحے ہیں اور ہر صفحے پر 11 سطریں ہیں۔ اس میں تمہید یا خاتمہ نہیں ہے۔ نقل پہلی، نقل دوسری وغیرہ کے عنوان سے حکایت شروع ہوتی ہے۔ آخری نقل ناتمام ہے۔ بیشتر حکایتیں فارسی سے لی گئی ہیں۔ مقصد نصابی کتاب تیار کرنا معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ بمبئی کے مشہور کوئی معلم منشی محمد ابراہیم مقبہ کی مرتب کی ہوئی ہو۔ نمونہ یہ ہے:

نقل پہلی

''دو عورتیں ایک بچے کے واسطے جھگڑتی تھی اور ان کا کوئی شاہد نہ تھا۔ دونوں قاضی کے پاس گئیں اور انصاف واسطے عرض کیا۔ قاضی نے جلاد کو حکم دیا...''

نصاب کے نقطۂ نظر سے حکایتوں اور نقلوں کے مجموعہ کی افادیت مسلّم ہے۔ ان سے نہ صرف زبان و بیان کی خوبیاں سامنے آجاتی ہیں بلکہ پڑھنے والے کو نیکی کی ترغیب بھی ہوتی ہے۔

۵ - مطبعے

"چھپائی کا فن بمبئی میں 18 ویں صدی کی آخری دہائی میں بہت مستحکم طور پر قائم ہو چکا تھا۔ انگریزی ٹائپ جو اس وقت استعمال ہوتے تھے وہ یورپ سے منگائے جاتے تھے۔ اس زمانے میں بمبئی میں کوریر پریس بہت مشہور تھا.... 19 ویں صدی کے عشرۂ اوّل میں انجیل کا مراٹھی ترجمہ اور دوسری تصانیف چھپ گئی تھیں.... پھر دیوناگری رسم الخط کا استعمال گجراتی اور مراٹھی کتب کی طباعت کے لیے کیا گیا۔"[1]

ٹائپ کی چھپائی کے بعد سنگی چھپائی کا سلسلہ شروع ہوا چنانچہ مذکور ہے کہ:

"حکومت نے اپنی ایک گشتی چھٹی 28 موزخہ۔ اگست 1824 کے ذریعہ بہت سے سرکاری دفاتر کو حکم دیا کہ وہ اپنی چھپائی کی ضروریات سنگی چھاپہ خانہ کو بھیجیں۔"[2]

اس صورتِ حال کا فائدہ یہ ہوا کہ مراٹھی، گجراتی وغیرہ زبانوں کے ساتھ ساتھ فارسی کی بھی بعض کتابیں چھاپی جانے لگی تھیں۔

19 ویں صدی کے چوتھے عشرے کے وسط میں بمبئی میں بڑی تیزی کے ساتھ اردو، فارسی کے چھاپے خانوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا اور 1857 تک ان کی تعداد خاصی زیادہ ہوگئی تھی۔ یہاں ان میں سے صرف بعض کا ذکر کیا جاتا ہے:

1- مطبع ابراہیمی

قاضی محمد یوسف مرگھے کے دولت خانے کے سامنے ''جزیرہ معمور بمبئی'' میں یہ مطبع تھا۔ عبداللہ مجید پوری اس کے مہتمم تھے۔ اس مطبع میں 1261ھ (1845) میں مولوی عمران کا رسالہ تجہیز و تکفین چھپا تھا۔ اس مطبع کی قابلِ ذکر مطبوعات میں رسالہ تکمیل الایمان بھی ہے جس کا سالِ طباعت 1263ھ ہے۔

2- مطبعِ اسماعیلیہ

یہ نسبتاً بعد کے زمانے میں قائم ہوا تھا۔ کتاب مصباح الصلوٰۃ اسی مطبع میں جمادی الاوّل 1270ھ (1854) میں چھپی تھی۔

3- مطبعِ حیدری

علی بھائی بن لقمان جی اپنے وقت کے معروف اور بیدار مغز لوگوں میں سے تھے۔ ان کی کمپنی کا یہ پریس تھا۔ رسالہ تحفۂ احمدیہ پہلی بار 1267ھ (1851) میں اسی پریس سے چھپ کر شائع ہوا تھا۔ ''کاشف الاسرار ضمیر'' بھی اسی مطبع میں چھپی تھی اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''1286ھ (1869) میں قاضی ابراہیم کے مطبع حیدری میں طبع ہوئی تھی''3

4- مطبعِ صفدری

مطبع حیدری کی ملکیت بعد کے زمانے میں بدلی چنانچہ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے لکھا ہے کہ:

''مطبع حیدری اور مطبع صفدری دونوں شیخ نورالدین بن جیوا خاں کی ملکیت میں تھے۔ ان کا وطن بھاؤنگر تھا لیکن مدت سے بمبئی میں مقیم تھے۔''4

مطبع صفدری سے شائع ہونے والی کتابوں میں ''قصہ سوداگر بچہ'' بھی ہے، جسے دوسرے مطبع سے قصہ سیہ پوش کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔

5- مطبع فتح الکریم

یہ بمبئی کے قدیم ترین مطبعوں میں سے ہے۔ ذیل کے اقتباس سے اس کے زمانے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

''زین المجالس (مثنوی) کی پہلی اشاعت 1234ھ میں مطبع فتح الکریم بمبئی میں

ہوئی تھی۔ پھر اسی مطبع میں اسے 1309ھ میں دوسری مرتبہ چھاپا گیا تھا۔" 5

6- مطبع کھمکر

یہ بمبئی کے قدیم تاریخی جزیرہ ماہم کے رہنے والے کھمکر خاندان کے ایک فرد منشی فضل الدین کا قائم کردہ مطبع تھا۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی کا کہنا ہے کہ اس پریس سے اردو کی متعدد کتابیں شائع ہوئی تھیں۔ یہ پریس 1844 (1260ھ) میں لگایا گیا تھا۔ ابتدائی زمانے کی اس کی مطبوعہ کتابوں میں علی کی تحفۂ اعظم بھی ہے چنانچہ لکھا ہے:

> "علی کی یہ بزمیہ مثنوی 1262ھ (1846) کی تصنیف ہے۔ یہ مثنوی اس سال میں مطبع فضل الدین کھمکر مہائی سے شائع ہوئی تھی۔" 6

7- مطبع گنپت جی

گنپت جی کرشنا جی اپنے زمانے کے علم دوست اور ہوشمند شخص تھے۔ انھوں نے 1844 میں اپنا چھاپہ خانہ لگایا اور اس کے لیے محمد ادریس بن عبداللہ چلمائی کو مہتمم یا منتظم مقرر کیا۔ یہ محمد ادریس کاروبار کے اعتبار سے باصلاحیت شخص تھے۔ چنانچہ پہلے ہی سال میں چند کتابیں چھاپ دیں:

> "خادم الطلاب محمد ادریس بن عبداللہ چلمائی نے یہ کتاب 'ردِ ہنود' بمبئی میں 1261ھ میں چھپوائی تا کہ مسلمان بھائیوں کو اس کے مطالعہ سے کفر و شرک کی بُرائی اور سوال اور جواب کا طریق معلوم ہو۔" 7

"فرائضِ قادریہ" 1261ھ/1844۔ 8 یہ کتاب محمد ادریس عبداللہ چلمائی نے گنپت جی کرشنا جی کے چھاپے خانے میں چھپوائی تھی۔ "گنپت جی کے مطبع سے اسی سال میں رستم جی کاوس جی کی کتاب "مجمع الفوائد" بھی چھپی تھی۔ 9

8- مطبع محمدی

اس پریس کے مالک ناخدا محمد علی رو گھے تھے جن کا ذکر گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔ نادر علی خاں نے اس کا سالِ اجرا 1847 لکھا ہے جو صحیح نہیں۔ 10 یہ پریس یقینی طور پر اس سے پہلے قائم ہو چکا تھا۔ اس کے مہتمم عبدالملک بن محمد صادق، پرنٹر عبدالوہاب اور پبلشر شیخ محمد تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ناخدا محمد علی روگے نے جو مذہب پسند شخص تھے اپنے مطبع کا کام قرآن پاک کی تفسیر کی طباعت سے شروع کیا تھا چنانچہ ''بستانِ تفاسیر'' کے سرورق کا اندراج اس طرح ہے:

''بستانِ تفاسیر مطبع محمدی میں عبدالملک کے اہتمام سے 1263ھ میں چھپی۔''

بستان تفاسیر تاریخی نام ہے جس سے 1264 کے عدد برآمد ہوتے ہیں، اس بنا پر خیال ہے کہ اس کی چھپائی کا کام 1263ھ میں شروع ہوگیا تھا۔ نام اور قطعہ تاریخ وغیرہ اس کی تکمیل کے وقت کے ہونگے اور یہ اندراج بھی اسی زمانے کا ہوگا۔

تفسیر سورۂ یوسف (منظوم) بھی مطبع محمدی بمبئی میں بہ گمانِ غالب 1263ھ (1847) میں چھپی ہوگی۔ 11

مطبع محمدی بمبئی کی بیشتر مطبوعات مذہبی موضوعات سے متعلق تھیں مثلاً:

فتاوائے ہندی، مسایل اربعین فی بیان سنت المرسلین 1265ھ میں، ریاض العارفین 1277ھ میں اور زین المجالس 1278ھ میں چھپی تھی۔

بعض کتابیں انشا وغیرہ سے متعلق بھی اس مطبع میں چھپی تھیں مثلاً انشائے ہندی جو 1266ھ میں مطبع ہوئی تھی۔

19ویں صدی عیسوی کے وسط میں ان آٹھ کے علاوہ اور بھی کئی مطبعے تھے، رفتہ رفتہ اس شہر میں مطبعوں کی تعداد بڑھتی گئی اور مطبعوں کے اعتبار سے اس کو ملک کے سب سے بڑے مرکز کا درجہ حاصل ہوگیا بلکہ 20ویں صدی کے آغاز میں تو یہ شہر دنیائے اسلام کا سب سے بڑا طباعتی مرکز بن گیا تھا۔ پروفیسر نجیب اشرف نے لکھا تھا:

''20ویں صدی کی ابتدا میں... اردو کے علاوہ عربی اور فارسی کے بڑے بڑے پریس تھے... ایران، عراق، جاوا، ساترا، ملایا، برٹش افریقہ وغیرہ... کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سہرا بھی بمبئی کے سر ہے... یہیں سے قاعدۂ بغدادی اور قرآن شریف کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی متعدد کتابیں طبع ہوکر مختلف اسلامی ممالک کو بھیجی جاتی تھیں۔'' 12

و - اخبارات وغیرہ

ڈاکٹر میمونہ دلوی نے بمبئی سے شائع ہونے والے ابتدائی دور کے درج ذیل اخباروں کا ذکر کیا ہے:

1847 میں محمدی جس کے مالک ناوخدا محمد علی روگھے،

1849 میں قدوسی جس کے مالک عبداللہ مشتاق،

1850 میں صالح جس کے مالک محمد صالح تھے۔ ان کے علاوہ عمدۃ الاخبار، بمبئی کا ہرکارہ، تازہ بہار وغیرہ بھی تھے۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ''ان سے متعلق اب کسی قسم کی تفصیلات پیش کرنے سے وہ قاصر ہیں۔''[1]

1- کشف الاخبار

اس اخبار کے بارے میں ڈاکٹر میمونہ نے لکھا ہے کہ:

''بمبئی کا سب سے قدیم اردو اخبار جو دستیاب ہوا ہے کشف الاخبار ہے، کتب خانہ مدرسہ محمدیہ اور کریمی لائبریری میں اس کی کئی جلدیں موجود ہیں۔ اس کے ضمیمہ کا نام کاشف الاسرار تھا۔ گھوگھاری محلہ، بمبئی کے ناکے، حکیم دادا میاں مقری کوکنی کے پڑوس سے محمد امان علی لکھنوی کی ادارت میں

ہر پنجشنبہ کو نکلتا تھا.....1895 سے مرزا شہاب الدین ثاقب کی زیرِ نگرانی جاری رہا۔'' 2؎

اس اخبار کے دسمبر 1874 کے شمارے میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ:

''سال جلد 19 ویں کشف الاخبار بمبئی کا بہ خیریت تمام ہوا۔ اب آغاز سال جلد بیسویں کا شروع اہتمام ہوا۔''

1856 سے 1874 تک 19 جلد ہو گئیں۔ 1875 سے 20 ویں جلد شروع ہوئی تھی۔ مختلف حضرات نے اس کا سال اجرا 1855 لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ڈاکٹر میمونہ نے اسی سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ:

''اگست 1897 میں کشف الاخبار بند ہو گیا تھا۔ 1900 میں دوبارہ جاری ہوا۔''

اخبار کی غرض و غایت 1873 کے ایک شمارے میں اس طرح درج کی گئی ہے:

''اس اخبار کاشف الاسرار سراسر بہار کے طبع کا ہفتے میں ایک بار دستور ہے۔ خبر ہائے تازہ یا شنیدہ کا التزام نامقدور ہے۔ اس میں سوائے ترجمہ اخبارات صداقت آیاتِ انگریزی اور معتبر کے، کلامِ افواہی بلا تحقیق کا نام نہیں۔ کسی کی ہجو اور مذمت زبان پر لانا اپنا کام نہیں دیگر.....قلم کو سچ لکھنے سے باز نہ رکھیں گے۔ جو صحیح اور تحقیق ہوگا درج کریں گے۔''

''اس اخبار میں اپنے زمانے کے دستور کے مطابق خبریں بھی ہوتی تھیں اور معلوماتی تاریخی اور ادبی مضامین بھی، جن پر نہایت لطیف طنز و دلچسپ تبصرے بھی ہوتے تھے۔ سرکاری محکموں کی بدعنوانی، ہندوستانی نوابوں کی عیاشی، عیسائی مشنریوں کی چیرہ دستی، غرض ہر بدنظمی کے خلاف سختی سے آواز اٹھاتا تھا۔''

ایک لائق توجہ حقیقت یہ بھی ہے کہ بمبئی کے علاقہ میں جو انگریزی عملداری میں تھا انگریزی اخباروں کو ''صداقت آیات'' خیال کیا جاتا تھا گویا اردو اخبارات کو برعکس خیال کرتے تھے۔ شاید آج بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہے؟

2- مراۃ الاخبار

ذیل کا اقتباس توجہ طلب ہے؛

''تنبیہ الغافلین کا ایک نسخہ 1268ھ 1851 میں مطبع 'مراۃ الاخبار' سے شائع ہوا تھا۔''3

مطبع کا یہ نام اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ یہاں سے ایک اخبار۔ ''مراۃ الاخبار'' کے نام سے 1268ھ میں یا اس سے پہلے چھپتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس کے بارے میں کوئی اور اطلاع نہیں مل سکی ہے۔ بظاہر یہ کشف الاخبار کے مقابلے میں بمبئی کا قدیمی اخبار تھا۔

بمبئی میں جہاں اردو نظم ونثر کے لکھے جانے کا بخوبی رواج ہو گیا تھا اور جہاں متعدد چھاپے خانے قائم ہو چکے تھے، کشف ،الاخبار اور مراۃ الاخبار کے علاوہ 1857 سے پہلے اور بھی کوئی اخبار نکلا ہو اور امتداد زمانہ سے اب ناپید ہو گیا ہو تو اس پر تعجب کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

OOO

حواشی

-1	بمبئی میں اردو	ص57
-2	ایضاً	ص65
-3	ایضاً	ص56
-4	ایضاً	ص346
-5	ایضاً	ص347

الف - شاعری

-1	نظم آخریں (غیر مطبوعہ)	
-2	گلستان سخن	جلد1
-3	مخزن شعرا	ص36 تا37
-4	ایضاً	ص34
-5	ایضاً	ص67 تا68
-6	ایضاً	ص38
-7	تذکرہ مخطوطات جلدا	ص200 تا201

8- دہلی کے اردو مخطوطات ص 131 تا 132

9- جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات ص 254 تا 255

10- بمبئی میں اردو ص 104

11- ایضاً ص 104

12- ایضاً ص 62

13- مخزن شعرا ص 76

14- بمبئی میں اردو ص 105 وما بعد

15- ایضاً ص 107 تا 110

16- جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات ص 214

17- بمبئی میں اردو ص 110

18- جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات ص 214 تا 215

19- بمبئی میں اردو ص 111

20- ایضاً ص 113 تا 114

21- جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات ص 200 تا 202

22- بستان تفاسیر ص 496

23- بمبئی میں اردو ص 108

ب - مذہبی نثر

1- بستان تفاسیر ص 496

2- ایضاً ص 409

3- قرآن کریم کے اردو تراجم ص 130

4- بمبئی میں اردو ص 135

5- جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات ص 36

6- بمبئی میں اردو ص 135

7-	جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات		ص31تا35
8-	ایضاً		ص92
9-	ایضاً		ص91تا92
10-	جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات		ص70تا71
11-	کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص226
12-	بمبئی میں اردو		ص140
13-	کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص169تا171

ج - علمی نثر

1-	جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات		ص121تا122
2-	ایضاً		ص111تا114

د - افسانوی نثر

1-	جامع الحکایات ہندی		ص1تا3
2-	ایضاً		ص159
3-	بمبئی میں اردو		ص126
4-	کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص374
5-	بمبئی میں اردو		ص126تا127
6-	ایضاً		ص128
7-	ایضاً		ص140تا141
8-	جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات		ص86

و - مطبعے

1-	ہندوستان میں چھاپہ خانہ		ص85xتا68
2-	ایضاً		ص105تا108
3-	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد3	ص88

-4	بمبئی میں اردو حاشیہ		ص315
-5	مخطوطات انجمن ترقی اردو، کراچی	جلد5	ص121
-6	بمبئی میں اردو		ص105
-7	کتب خانۂ آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص170
-8	ہندوستانی پریس		ص96
-9	ایضاً		ص97
-10	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد2	ص23
-11	بمبئی میں اردو		ص313

ہ - اخبارات وغیرہ

-1	بمبئی میں اردو	ص247
-2	ایضاً	ص248تا250
-3	جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات	ص44

7-ناگپورو کامٹی

		ناگپور	225
		الف - شاعری	227
1-	حشمت-	محمد ناصر خاں	227
2-	شہرت-	سید عباس علی	229
3-	عاجز-	عبدالجبار	230
4-	عادل-	سید محمد عبدالعلی	231
5-	غمگین-	غلام رسول	236
6-	فیض-	فیض محمد	237
		ب - نثر	239
1-	حشمت-	محمد ناصر خاں	239
2-	عادل-	سید محمد عبدالعلی	240
		کامٹی	243
1-	جعفر شریف		243
	حواشی		246

ناگپور

اکبر شاہ ثانی بادشاہِ دہلی کے زمانے میں آپا صاحب (مادھو جی) کے انتقال کے بعد انگریزوں نے 26۔ جون 1818 (1233ھ) کو رگھو جی ثانی کے دس سالہ نواسے باجی باکو رگھو جی ثالث کے لقب سے ناگپور کا حکمراں بنادیا اور 26 دسمبر 1829 (1245) کو اسے حکومت کے اختیارات بھی دے دیے۔ رگھو جی ثالث کچھ مدت کے بعد عیش وعشرت میں پڑ گیا اور مختلف امراض میں مبتلا رہ کر 11 ردسمبر 1853 (1270ھ) کو فوت ہوگیا۔ تاریخ ہوئی:

خواستم از عقل در یک شعر دو تاریخ سال   گفت در اندوہ و دردِ ایں رئیسِ دادگر

گشت پیجاں عدل و خلق و عقل و عیش اے آہ آہ   احتشام و جاہ و عشرت حُسن شد بے پا و سر

370+100+700+100   60+ 500 +1 +709

1270ھ   1270ھ

اس راجا کے بارے میں ڈاکٹر شرف الدین ساحل کی رائے یہ ہے:

''رگھو جی فیاض، رحم دل، رعایا پرور، غیر متعصب اور انصاف پسند راجا تھا۔ اس نے اپنے دربار میں مسلمانوں کو معزز و ممتاز عہدے دیے تھے۔ فطرتاً عاشق مزاج تھا۔ شراب کثرت سے پیتا تھا۔ فنونِ لطیفہ کا دلدادہ تھا۔ فارسی اور اردو کو

قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔"1

یہ راجا لاولد فوت ہوا تھا۔اس کے بعد انگریزوں نے ناگپور کو اپنی مقبوضات میں شامل کر لیا۔

اس مقام پر تاریخ ناگپور کا ایک قابل توجہ واقعہ یہ ہے کہ ناگپور کے بادشاہ چاند سلطان ابن بخت بلند شاہ کی وفات کے بعد چاند شاہ کے بیٹے میر بہادر شاہ کو قتل کر کے ملک پر اس کا ایک چچا قابض ہو گیا تھا۔ رانی نے رگھوجی بھونسلہ سے مدد چاہی۔ بھونسلہ نے رانی کی ایما کے مطابق غاصب کو شکست دے کر چاند سلطان کے دوسرے بیٹے برہان شاہ کو گدی پر بیٹھا دیا۔رانی نے خوش ہو کر بھونسلہ کو بھی اپنا بیٹا بنالیا۔ بعد میں جب پورے ملک پر اس کا قبضہ ہو گیا تو بھی رگھوجی بھونسلہ نے برہان شاہ اور اس کے اخلاف کے لیے بادشاہت کو برقرار رکھا اور یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ:

"جو کوئی اس کے بعد راج گدی پر بیٹھے گا اس کے پیشانی پر مسند نشینی کی رسم ادا کرتے وقت برہان شاہ یا اس کی اولاد میں سے جو کوئی موجود ہوگا ٹیکا (راج تلک) لگائے گا۔"2

برہان کے بعد اس کا بیٹا بہرام شاہ مسند نشین ہوا۔3لاولد ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کے پوتے رحمان شاہ ابن سبحان شاہ کو گود لے لیا تھا چنانچہ بہرام کے بعد 1236ھ (1821) میں وہی بادشاہ ہوا۔

راجا رحمٰن شاہ نے 18 ذی الحجہ 1268ھ (1852) میں رحلت کی۔ یہ بھی لاولد تھا اس لیے اس کے بعد اس کے بھتیجے راجا سلیمان شاہ کو مسند ملی۔ یہ 1236ھ (1880) میں فوت ہوا۔

اس خاندان کا آخری بادشاہ راجا محمد اعظم شاہ تھا جس نے ہندوستان کو آزادی کے بعد بھی کئی برس دیکھا تھا لکھا ہے:

"اس کے بیٹوں نے اس کے انتقال کے فوراً بعد ہندو مذہب اختیار کر لیا اور باپ کی نعش کو بھی نذر آتش کر ڈالا۔ اب صرف راجا اعظم شاہ کی بڑی بیٹی راج موتی عرف بی بی ماں اور اس کا خاندان مذہب اسلام کا پیرو ہے اور ایک چھوٹے سے محل میں اپنے بیٹوں کے ساتھ سکونت پذیر ہے۔"4

الف - شاعری

بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے عہد میں ناگپور میں بھی زبان اردو کے لیے حالات سازگار تھے۔ اس لیے قریب کے دوسرے بعض مراکز کے مقابلے میں یہاں اردو کے شاعروں کی تعداد زیادہ تھی۔

1- حشمت- محمد ناصر خاں

حشمت دراصل رامپور کے رہنے والے تھے۔ امیر مینائی نے ان کا احوال اس طرح لکھا ہے:

> ''حشمت محمد ناصر خاں ولد محمد یوسف خاں، مرد عالم تھے۔ اخوندزادہ عبدالاحد خاں سے ناگپور میں کتب درسیہ پڑھیں۔ شعر فارسی کا شوق ہوا۔ سید رفیع للہ رجات نزہت کے شاگرد ہوئے۔ ناگپور میں رسالدار تھے۔ ستر برس کی عمر ہوئی۔ 1260ھ (1844) میں قضا کی۔''5

امیر مینائی نے ان کا صرف ایک فارسی کا شعر اپنے تذکرے میں لکھا ہے۔

حشمت کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر تھے انھوں نے اپنے زمانۂ شباب میں ایک طویل مذہبی مثنوی ''کنز العابدین'' کے نام سے لکھی تھی۔ خاتمہ میں اس کے بارے میں ضروری

معلومات نظم کی ہیں:

انقتام اس کا ہوا اہلِ نجات　　روز شنبہ کے بہ شہر شب برات
دوازدہ پینتیس سَن میں اہلِ دیں　　اور نام اس کا ہے کنزالعابدیں
جو کوئی اس کو پڑھے اور یا لکھے　　وہ دعا حق میں مصنف کے کرے
شیخ مَن عبدالاحد ذوبرکت ست　　اسم مَن ناصر، تخلص حشمت ست
مصطفےٰ آباد جائے مَسکنم　　آبا و اجداد آں متوطنم

معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا قلم جب روانی میں ہوتا تھا، بے ساختہ اس سے فارسی کے شعر نکلنے لگتے تھے۔ یہ مثنوی شعبان 1235ھ (1820) میں مکمل ہوئی تھی۔ اس کا جو قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے اس کی کتابت حیدر علی نامی کاتب نے 1256ھ (1840) میں 355 ورقوں پر کی تھی۔ اس کا خطبہ اور حمد و نعت عربی میں ہے اور بیچ بیچ میں فارسی عبارت بھی شامل کی گئی ہے۔ مثنوی کے شروع کے کچھ شعر یہ ہیں:

حمد کہتا ہوں تری اے ذوالجلال　　ذات تیری لَم یَزل ہے لایزال
کُلُّ شَیٔ ھَا لِک اِلّٰا توئی　　لَیس فیہا مالک اِلّا توئی
کرد پیدا ایں جہان و آں جہاں　　نیز کُل مخلوق دریک کُن فکاں
تو ہے دانا جملہ اخفا و جلی　　جو کہ کرتے ہیںگے جن و آدمی
بھید سب خلقت کا ہے تجھ پہ عیاں　　من چہ گویم اے علیمِ دو جہاں

یہ مثنوی شاعر کے علم و فضل کی بھی مظہر ہے۔ اس نے اس میں چھ درجن سے زائد کتابوں کے حوالے نظم کیے ہیں۔

ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل نے حشمت کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ''راجا رگھوجی بھونسلہ'' کے یہاں ملازم ہوئے تھے۔ 6 پھر ترقی کر کے رسال دار کے منصب کو پہنچے۔ ''بھونسلہ اپنی ریاست کی تعمیر و ترقی کے لیے کوشاں تھا اس لیے باہر سے آنے والے باصلاحیت شخصوں کی وہ قدر کرتا تھا چنانچہ رامپور سے آنے والوں میں اخوند زادہ عبدالاحد خاں اور محمد ناصر خاں حشمت کی بھی اس نے قدر کی تھی۔ حشمت نے عبدالاحد خاں کا نام اس طرح لکھا ہے:

''حضرت مولانا عارف باللہ عبدالاحد خاں قاضی زادۂ کنجورہ قدس اللہ سرہا''

افسوس ہے کہ ان کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ مقام کنجورہ یا گنج پورہ کے بارے میں بھی کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔

حشمت کا آخر عمر کا کلام بھی فی الوقت دستیاب نہیں ہو سکا ہے۔

2- شہرت- سید عباس علی

شہرت تخلص، سید عباس علی نام تھا۔7 ان کے بارے میں بس اسی قدر معلوم ہے کہ یہ عبدالعلی عادل کے استاد تھے اور 1305ھ (1888) میں انھوں نے وفات پائی تھی۔ عادل نے تاریخ کہی تھی:

عباس علی شہرت گو بود اوستادم — زیں دار بے بقائی رفتہ بہ سوئے جنت
سالِ وفات عادل گو درسنِ مسیحی — اے آہ حاجی شہرت اے آہ حاجی شہرت

1888

حاجی شہرت خود بھی اپنے زمانے میں تاریخ گوئی کے لیے معروف تھے۔ اُس وقت کے اہم واقعات، تعمیرات وغیرہ سے متعلق انھوں نے اچھی تاریخیں کہی ہیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر صرف دو نقل کی جاتی ہیں۔

' ناگاہ از مشیتِ حق جل شانہٗ 8 — رحمان شاہ چوں کہ بہ ملکِ بقاشد
شہرت بگفت سالِ وفاتش زروے حیف — رحمان شاہ آہ زدارِ فناشد

8 + 1260=1268ھ

جب کہ راجہ سلیماں شاہ دلیر — کی تعمیر عیدگاہ شریف
دیکھا از سرِ نشاط ہے سن — کہا شہرت نے عیدگاہ لطیف

50 + 1230=1280ھ

حاجی شہرت قادر الکلام شاعر تھے جنانچہ انھوں نے شیخ سعدی کی کریما کی تضمین بھی کی تھی۔ ان کے شاگرد عادل نے اس سے متعلق چھ شعروں کا قطعۂ تاریخ کہا تھا۔ اس کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے:

چوں نعیما کہ ہست گلزارے — بلبلش فکرِ کاملِ عاقل
از سرِ جہد سالِ تاریخش — باغِ نادر بگفت بلبلِ دل
3 — 1258= — 1261ھ

+

حاجی عباس علی شہرت کی ایک مثنوی کا بھی عادل نے پتہ دیا ہے جس کا عنوان ''معدن عصمت'' بتایا گیا ہے۔ عادل نے اس کے لیے یہ قطعۂ تاریخ کہا ہے:

اوستادم کہ ایں مجال کسے — پیشِ او درسخن بحاث کند
حبذا طبع دے کہ صد مضموں — بہ دمِ فکر انبعاث کند
مثنوی چناں نوشت کہ چشم — از نظارہ نہ انتکاث کند
می نویسم بہ شعرِ نو دوسال — جلوہ درچشم نے اثاث کند
تازہ آں مثنوی را ابدا — مخزنِ عفتِ اثاث کند
1289ھ — 1873

ڈاکٹر شرف الدین ساحل نے مثنوی کا نام ''معدنِ عصمت'' بتایا ہے لیکن قطعہ میں شاعر نے ''مخزن عفت'' نظم کیا ہے۔ بظاہر اس مثنوی میں عورت کی پاکدامنی ظاہر کی گئی ہے۔

شہرت کے حالات بالکل معلوم نہیں ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اصلاً ناگپور ہی کے باشندہ تھے یا حشمت کی طرح کہیں باہر سے آ کر یہاں رہ پڑے تھے۔

3- عاجز- عبدالجبار

عاجز تخلص، مولوی عبدالجبار نام تھا، ناگپور میں 1242-1243ھ (1827) کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی عبدالعظیم خاں رامپوری سے حاصل کی تھی جو رگھو جی ثالث کے زمانے میں رامپور سے ناگپور میں آئے تھے۔

عاجز اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بھوپال گئے تھے۔ ناگپور کے الحاق کے بعد اپنے بھائیوں وغیرہ کے ساتھ جا کر وہیں رہ پڑے تھے۔ 29 رشعبان 1294ھ (1883) کو عاجز نے وہیں وفات پائی۔ عاجز نے اپنے والد کے ساتھ جا کر حج کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔

مولوی عبدالجبار عاجز کی صرف ایک نعت دستیاب ہوسکی ہے، جس کے کچھ شعر یہ ہیں:

عشاق بہ صد شوق ہیں شیدائے مدینہ رکھتے ہیں شب و روز تمنائے مدینہ
دل ہے ہمہ تن وقفِ تمنائے مدینہ مشتاق و سراسیمہ و سودائے مدینہ
ہے مظہرِ اخلاقِ کریمہ کا جو مدفن اخلاق مجسم ہے سراپائے مدینہ
بہتر ہے مجھے سلطنتِ روئے زمیں سے تھوڑی سی بھی مل جائے اگر جائے مدینہ

عاجز کی دعا ہے یہ شب و روز خدا سے
مل جائے الٰہی مجھے کل جائے مدینہ

رگھو جی ثالث کے وقت تک ناگپور کی آبادی کو خاصی مدت ہو چکی تھی اور وہاں کی خاک سے بھی باکمال اٹھنے لگے تھے، یہ اور بات ہے کہ ان کو تعلیم دینے والے بیشتر وہ لوگ تھے جو باہر سے آئے تھے۔ ن میں بھی زیادہ رامپور اور بھوپال سے متعلق تھے۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناگپور کے ابتدائی زمانے کے شاعروں پر انھیں کے اثرات نمایاں تھے۔

4- عادل- سید محمد عبدالعلی

عادل تخلص، سید محمد عبدالعلی نام تھا۔ ڈاکٹر شرف الدین ساحل نے ان کا شجرہ قلمبند کر دیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے دادا کا نام سید لطیف علی تھا۔ 10عادل کے والد سید محمد علی جو عربی فارسی کے عالم تھے اور میسور کی تباہی کے بعد ناگپور میں آ گئے تھے۔ رگھو جی بھونسلہ ثانی کے زمانے میں جمعدار ہوئے۔ پھر ترقی کر کے رسال دار ہو گئے اور رگھو جی ثالث کے بھی مقرب رہے۔ حج کے لیے گئے تھے۔ وہیں حالتِ احرام میں رحلت کی۔ 11عادل نے تاریخ کہی:

چوں تاریخ ہفتم ز ذی الحجہ شد بہ ذکر و بہ تہلیل وقتِ مسا
بہ احرامِ حج انتقالش شدہ بدل ماند آں مطلب و مدعا
چو رفت ایں دول سالِ تاریخ شد شدہ داخلِ مجلسِ مصطفیٰ

40 1266=1306ھ

عادل نے اپنی والدہ کے انتقال کی تاریخ اس طرح کہی تھی:

ندا آمد پے تاریخ از کلک شود با فاطمہ محشورہ یارب

1290=1220 + 70 ھ

اور اپنی والدہ سے معلوم کر کے خود اپنی تاریخِ ولادت ''ہادی بیدار بخت'' سے نکالی۔

1239ھ

وہ زمانہ تھا جب ناگپور میں ''مدرسہ رسولہ'' جاری ہو چکا تھا۔ عادل نے وہیں فارسی، اردو کی تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر رگھوجی ثالث کے یہاں ملازمت کر لی۔ ناگپور کے الحاق کے بعد وہ ملازمت ختم ہو گئی۔ پھر کئی برس کے بعد ان کے لیے پنشن مقرر ہوئی۔ اس کی تاریخ خود کہی:

ہزار شکر کہ ثابت شدہ حقوقِ من عطا شدہ مرا پنشین از نوال دود

برائے سالِ مسیحی چو سرخرو بردم بجیب فکر کہ باشد ازاں ہزار نمود

بگفت مصرع معقول ہاتفِ غیبم ہزار ہشتصد و شصت ودو برد بجہود

1862

اس کے بعد کئی برس گوشہ نشین رہ کر عادل نے 1311ھ (1894) میں وفات پائی۔

عادل مولوی غلام رسول غمگین کے شاگرد اور خود کثیر التصانیف شخص تھے۔ ان کے دواوین یہ ہیں:

الف۔خزاین الاشعار

یہ پہلا مجموعہ کلام 1271ھ (1854) میں مرتب ہوا تھا۔ اس میں فارسی اور اردو میں سلام، مرثیے، منقبت، غزلیں، تضمین، مثنویاں، معمے، قطعے اور مضحکے شامل ہیں۔ اس مجموعے کا نام تاریخی ہے۔ معمہ کی صنف دلچسپ لیکن وقت طلب ہوتی ہے۔ اس میں عادل کا طبع آزمائی کرنا بڑی بات ہے۔

ب۔جیش المضامین

یہ دوسرا مجموعۂ کلام ہے اور اس کا نام بھی تاریخی ہے۔ عادل نے یہ اپنے استاد شہرت کی فرمائش سے مرتب کیا تھا۔ اس میں غزلیں، سلام، مرثیے، قطعے، تاریخیں اور معمے وغیرہ شامل ہیں۔

ج۔ دیوان عادل (اردو)

اس میں کل 72 غزلیں ہیں۔ 1306ھ (1888) کے قریب مرتب کیا تھا۔

د- دیوان عادل (فارسی)

یہ صرف 32 صفحوں پر محیط ہے۔ اس میں غزلیں، قطعے، رباعی، مثنوی، معمے اور فردیات وغیرہ ہیں۔ یہ بھی آخر عمر میں مرتب ہوا تھا۔

ہ- دیوان قصائد

یہ 1293ھ (1876) میں مرتب ہوا تھا۔ اس میں فارسی اور اردو کے قصیدے ہیں۔

و- دیوانِ تاریخات

اس کتاب کا تاریخی نام ''فوجِ تواریخ'' ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ 1306ھ (1888) میں مرتب ہوئی تھی لیکن اس میں بعد تک بھی اضافے کیے جاتے رہے تھے۔

عام یہ ہے کہ دیوان سے دیوانِ غزلیات ہی مراد لیتے ہیں۔ عادل نے اس مفروضہ کی تردید اس طرح کی ہے کہ انھوں نے بعض دوسری اصناف کا دیوان بھی مرتب کر کے پیش کر دیا۔ ان کا یہ عمل لائق ستائش ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ناگپور جیسے دور افتادہ مرکز پر ایک سے زائد شاعروں نے معمہ جیسی مشکل صنف سے بخوبی دلچسپی لی تھی۔ انھوں نے نہرل کے لیے ''مضحکہ'' کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ اس جدت کے لیے بھی وہ ستائش کے مستحق ہیں۔

مذکورہ کاموں کے علاوہ عادل نے منظوم ترجمہ اور مثنوی لکھنے کا کام بھی بہت شوق سے کیا تھا چنانچہ ان کی بعض منظومات یہ ہیں:

الف-شرح کریما

شیخ سعدی کی منظومات میں ''کریما'' نہایت مقبول رہی ہے۔ عادل نے کوئی 14 برس کی عمر میں یکم رجب 1253ھ (1837) کو اس کا منظوم ترجمہ کیا تھا۔ شروع کے دو شعر یہ ہیں:

کرم سے ہمیں اپنے بخش اے خدا　　کہ ہیں ہم گرفتارِ حرص و ہوا
نہیں ہے ہمیں دادرس تجھ سوا　　تو ہی بخش دے عاصیوں کی خطا

اس نوعمری میں ایسا ترجمہ کر دینا بڑی بات ہے۔

ڈاکٹر شرف الدین ساحل کے پیشِ نظر ترجمۂ کریما کا جو نسخہ رہا ہے وہ بخطِ شاعر ہے چنانچہ اس کا ترقیمہ یہ ہے:

"تمت تمام شد، کارمن نظام شد، شیطانِ من غلام شد.... نسخۂ شرح کریما من
تصنیفِ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ بتاریخ یکم ماہ رجب الرجب 1253ھ از
خطِ بے ربط عاصی پُر معاصی محمد عبدالعلی ابن محمد علی جمعدار مغلائی ناگپور یافت۔"

ترقیمہ کی یہ عبارت مبتدیانہ ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ شاعر نے اس ترجمہ کو "شرح" کہا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ترجمہ کے بارے میں ڈاکٹر ساحل نے لکھا ہے کہ:

"زیرِ نظر نسخہ میں ہر فارسی بیت کے نیچے اردو بیت میں ترجمہ نقل کیا گیا ہے.....
فارسی میں جملہ ابیات دو سو دس ہیں جب کہ اردو ابیات کی تعداد ایک سو انسٹھ
ہے اس طرح فارسی کے اکیاون اشعار کا ترجمہ عادل نے چھوڑ دیا ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں یہی صورت تھی۔ بعد میں عادل نے نظرِ ثانی میں ترجمہ کو مکمل کر لیا تھا۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں ترجمۂ کریما کا 1266ھ (1850) کا لکھا ہوا جو نسخہ ہے۔ اس کا ترقیمہ نہیں ہے لیکن شعروں کا متن بقول ڈاکٹر ساحل "لفظ بہ لفظ وہی ہے جو نسخۂ ناگپور کا ہے۔" اور اس نسخۂ حیدرآباد کی (جو دو جلدوں میں منقسم ہو گیا) کیفیت یہ ہے:

"زیرِ نظر نسخہ میں ہر فارسی بیت کے نیچے اردو بیت میں ترجمہ لکھا گیا ہے... یہ نسخہ
جلد بندی کے وقت غلطی سے دو جلدوں میں آدھا آدھا شریک ہو گیا ہے....
دونوں جلدوں کے ابیات کی تعداد دو سو دس اردو اور دو سو دس فارسی ہے۔"12

اس طرح یہ ترجمہ اب مکمل ہے اور ایک شعر بھی ترجمہ میں چھوٹا نہیں ہے۔

ب۔ چہل حدیث

یہ 40 چیدہ حدیثوں کا منظوم ترجمہ ہے جسے زلفی شاگرد عادل نے بہت خوبصورتی سے رمضان 1311ھ میں نقل کیا ہے۔ زلفی نے اس کے لیے جو قطعہ تاریخ کہا ہے یہ ہے:

جنابِ قبلۂ عبدالعلی عادل نے — چہل حدیثِ رسولِ خدائے عالم کا
کیا ہے ترجمہ اردو میں مختصر کیا نظم — ہزار آفریں اے خبّذ وصَلِ علٰی
لکھا یہ زلفی آشفتہ دل نے مصرعِ سال — چہل حدیث کا کیا ترجمہ کیا زیبا

1311ھ

یہ نسخہ صرف چودہ صفحوں میں سما گیا ہے۔

ج-سحرِ بابل

یہ کوئی ساڑھے تین ہزار شعروں پر مشتمل ایک فارسی مثنوی ہے۔ اس کا تاریخی نام ''لآلیِ غرائب'' 1248ھ ہے۔

د-ریاض المآرب

یہ ایک ہزار سے زیادہ شعروں کی ایک فارسی مثنوی ہے۔ اس کا نام بھی تاریخی ہے جس سے اس کا سال تصنیف 1285ھ (1868) معلوم ہوتا ہے۔

ہ-نور الہدیٰ

یہ بھی فارسی کا ایک منظوم رسالہ ہے۔ ضخامت بیاسی صفحات اور ہر صفحے پر پندرہ سطریں ہیں۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ عادل ایک قادرالکلام اور پُرگو شاعر تھے۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ یہ ہے:

نوکِ مژگاں میں ذرا اشک نہ اے چشم پرو ہاں مبادا نہ شکستہ ہوں یہ ہار آپ سے آپ
گر الٹ دے رخِ پُرنور سے اپنے وہ نقاب ہو شب ماہ سے روشن شب تار آپ سے آپ

مشکل قافیوں اور طویل ردیفوں میں غالباً طرحی مشاعروں اور اپنی قدرتِ کلام کے اظہار کے لیے عادل کبھی کبھی غزلیں کہتے ہوں گے ورنہ معمولاً ان کی غزل کا انداز یہ ہے:

تھا ادب مانع کہ پاؤں تک نہ پہنچے دونوں ہاتھ ورنہ اس دل کو شب خلوت میں کسی کا باک تھا
ہو نہ جس مجلس میں عادل شہرتِ لحن شناس ہے عبث اس بزم میں پڑھنا ترے اشعار کا
گھیرا ہے دردِ عشق نے عادل تجھے جواب ہوگا تو اس مرض سے بہ دشوار تندرست
ظلمتِ فکر میں جب نور خرد کا چمکا تو اُسے ماہ، اِسے ماہ کا ہالا باندھا
دیکھتے ہی نامہ دل قرباں ہوا لفظ کے، معنی کے، حرف ونام کے

معاملاتِ عشق میں حُسنِ مطلق کے مقابلے میں حَسین (پیکرِ حُسن) اور اسبابِ حسن و آرائش کی طرف زیادہ توجہ ہے۔ اسی طرح خوبیِ فکر و خیال سے زبان و بیان کے لطف کو شاعر نے زیادہ اہمیت دی ہے۔

5- غمگین- غلام رسول

غمگین تخلص، حاجی غلام رسول نام، لیکن اکثر مولوی حاجی رسول کہلاتے تھے۔ کرنول میں پیدا ہوئے تھے۔ وہاں سے آکر ناگپور میں رہ پڑے تھے۔ رگھوجی ثالث کے دور میں مہاراج گنج چھاونی پارڈی میں رہتے تھے۔13 بعد میں جیل خانے کے علاقے کے کوتوال ہو گئے آخر میں بھوپال گئے تھے۔ وہیں یکم شعبان 1288 (16-اکتوبر 1871) کو 80 برس کی عمر میں وفات پائی۔ سید محمد عبدالعلی عادل نے ان کے وفات سے متعلق کئی قطعہ کہے تھے، ایک یہ ہے:

اوستاد و مقتدا و مرشد و مولائے من ۔۔۔ کز نسیمِ حُسنِ ارشادش چوگل دل در شگفت
مولوی وحاجی و مفتی و واعظ فاضلے ۔۔۔ حافظ و قاری و عارف بود بے گفت و شنفت
روز دو شنبہ یکم ماہِ شعبان بود آہ ۔۔۔ گوہر جاں راش الماسِ قضا اے وائے سُفت
بہر سالِ فصلِ ایں واقعہ عادل بمن ۔۔۔ زبدۂ اہلِ رضا افسوس میں بود او عقل گفت

1281

اس زمانے کے چلن کے مطابق حاجی رسول غمگین فارسی کے شاعر اور انشا پرداز تھے۔ کبھی کبھی اردو میں بھی شعر کہہ لیتے تھے۔ ڈاکٹر شرف الدین ساحل کا کہنا ہے کہ:

''اردو میں ان کی صرف ایک مثنوی، ایک سلام اور دو قطعاتِ تاریخ ملتے ہیں۔''14

غمگین بھی اپنے وقت میں تاریخ گوئی کے لیے معروف تھے۔ اُس زمانے کی اکثر شخصیات، تعمیرات اور واقعات سے متعلق ان کے کہے ہوئے قطعات ملتے ہیں۔ بعض قطعے کئی کئی شعروں کے بھی ہیں چنانچہ ایک یہ ہے:

''تاریخ زوفاتِ سید محمد زکریا''

ذکر و میاں تھے لختِ دلِ شہ محی الدین ۔۔۔ فرزند میرے پیر کے اور ان کے جانشیں
حضرت کا نام ان سے منور تھا اور نشاں ۔۔۔ نور اللہ گھرانے کے تھے شمع خانداں
صاحب کمال، مہر جلال و مہ جمال ۔۔۔ شہ مہردار، نور الٰہی سے پُر کمال
مصباح محی دین بخارا کے تھے وہ نور ۔۔۔ ملتاں سے تابہ کڑپہ و کرنول و ناگپور

افسوس ہے کہ عینِ جوانی میں وہ سراج　　بے نور ہو گیا ہے ہوائے وبا سے آج
یعنی عقیب عصر، جمعرات کا تھا روز　　اُنّیسویں جمادی آخری کی سینہ سوز
سالِ وفات کا نہیں اس دن ملا سراغ　　جب شب ہوئی تو دل نے کہا گُل ہوا چراغ
1266ھ

یہ قطعہ مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ حاجی غمگین نے غزل کی صورت میں بھی اکثر قطعے کہے ہیں۔

حاجی غمگین کی جس مثنوی کا ڈاکٹر ساحل نے ذکر کیا ہے وہ بھی مختصر ہے اور صرف 25 شعروں پر مشتمل ہے۔ شروع کے دو شعر یہ ہیں:

دوستو وقت ہے سعادت کا　　یہ مہینہ ہے کیا کرامت کا
حبّذا رتبہٗ رمضاں　　اَنَا اَجزِی ہے جس کی شاں

اور آخر کے دو شعر یہ ہیں:

روزہ داراں سحر سے لے تا شام　　ہاتھ اپنے اُٹھا بہ عجز تمام
روزہ رکھ یہ دعا میں کہتے ہیں　　ہم جزا اس کی تجھ کو چہتے ہیں

غمگین کا سلام بھی صرف سات شعروں کا ہے۔ مطلع یہ ہے:

ہے سلام اس پہ جو تھا ہمسرو ہمشانِ علیؓ　　قرۃُ العین نبیؐ نورسِ بُستانِ علیؓ

اگرچہ غمگین کی دستیاب اردو کی نظمیں محض گنتی کی ہیں، ان سے شاعر کی لیاقت اور خوبی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

6- فیض- فیض محمد

فیض تخلص، فیض محمد نام تھا، عبدالقادر عرف قادر شاہ ساکن سیونی چھپارہ (مدھیہ پردیش) کے بیٹے تھے۔ 15 فیض کی تعلیم و تربیت وہیں ہوئی تھی۔ ان کے والد نے بھی وہیں وفات پائی تھی۔ فیض 1235ھ (1820) میں تلاشِ معاش میں ناگپور پہنچے۔ رگھوجی ثالث کی ملازمت اختیار کی۔ ترقی کر کے 1235ھ (1848) میں فوج دار کے منصب پر پہنچے۔ عادل نے تاریخ کہی۔ کچھ شعر یہ ہیں:

چوں ز فیضِ محمدِ امجد　　مظہرِ جود و منبعِ ارشاد
شاعرانِ زماں از و جوئید　　در فنونِ عروض استمداد

دویم فوجدار ایں جاشد گشتہ سبزش نہال باغ مراد
یا الٰہی زذات والایش خانہ عدل و داد باد آباد
گفت مصراع سال غیر دامع خدمت دویمی مبارکباد

1265ھ = 1384- 119

فیض کی شادی ناگپور میں 1823 میں ہوئی تھی۔ان کے ایک بیٹے مولوی عبدالجبار عرف اچھومیاں تھے جن کا ذکر عاجز تخلص کے ساتھ کیا جا چکا ہے۔عادل کے ایک قطعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ فیض نے ایک مثنوی اعجاز عشق کے نام سے 1261ھ (1845) میں لکھی تھی:

ساختہ تصنیف چوں با حُسنِ فکر نو کتابے فیضِ سرفرازِ عشق
طبعِ عادل سال تاریخش بگفت یا فتہ انجام حسن اعجاز عشق

1261ھ

اپنے بیٹے مولوی عبدالجبار کی تحریک سے فیض الحاق ناگپور کے بعد بھوپال چلے گئے تھے۔ وہاں پر وہ تحصیل دار ہو گئے تھے۔وہیں 17 شعبان 1282ھ (1865) کو انھوں نے رحلت کی۔عادل نے تاریخ کہی:

چوں فیض محمد آہ ترحیل بنمود ازیں سرابہ فردوس
رضواں کہ برائے وصلِ آں داشت صد آرزو و ہوا بہ فردوس
سن گفت رخ جمیل دیدہ اے فیض بیا، بیا بفردوس

1282 = 1279+ 3

اس دور کے شعرائے ناگپور کے ناموں پر نظر کریں تو معلوم ہوگا کہ اس مقام کے تقریباً ہر شاعر نے فنِ تاریخ گوئی اور مثنوی نگاری سے دلچسپی لی تھی۔ناگپور کے مو املک کے طول وعرض میں شاید کوئی مرکز ایسا نہیں ہے جہاں ان اصناف کی طرف اس حد تک توجہ کی گئی ہو۔

ناگپور کے شعرا کی بیشتر تخلیقات استدادِ زمانہ سے ناپید ہو چکی ہیں۔ان کی بازیافت کے لیے کوشش کی جانی چاہیے تاکہ ان شعرا کے کارناموں کی قدر و قیمت کا کما حقہ، اندازہ کیا جا سکے۔

ب - نثر

بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے عہد میں ناگپور کے بعض شاعروں نے اردو نثر کی طرف بھی توجہ کی تھی۔ یہاں بعض کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

1- حشمت- محمد ناصر خاں

حشمت تخلص، محمد ناصر خاں نام تھا۔ انھوں نے اردو نثر میں ایک کتاب "تقسیم المیراث" لکھی تھی۔ اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ اس کے بارے میں جو اطلاعات قلمبند کی گئی ہیں مجملاً اس طرح ہیں:

"صفحات-60 سطر فی صفحہ-14

مصنف-محمد ناصر خاں ولد یوسف خاں مصطفیٰ آبادی (رامپوری)

تصنیف -قریب1250ھ کتابت1258ھ"[17]

اس کتاب میں مصنف نے اپنے نام، ولدیت اور وطن کے ساتھ اپنے استاد حضرت عبدالاحد خاں قاضی زادہ گنج پور کا نام بھی لکھا ہے۔ اس رسالے میں علم حاصل کرنے کی احادیث، علم فرائض کے جاننے کے احکام، میراث کو تقسیم کرنے کے مسائل کا بیان کیا گیا ہے۔ مسائل کی توضیح کے لیے مثالیں بھی دی گئی ہیں۔

آغاز۔

''الحمدللہ....بعداس کے جان تو کہ علم دین کا پڑھنااوپر مسلمان مرداورزن کے
فرض ہے، اسی سبب سے کہ رفع حاجت دین اور دنیا کا علم ہے۔ فی الحدیث
طلبُ العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم۔ رواۃ البیہقی میں شعب الایمان یعنی بیچ حدیث
کے ہے کہ طلب علم کا فرض ہےاوپر مسلمان کے...''

اختتام۔

''پس اگر کوئی صاحب نظر سے دیکھے اس کتیں سات نگاہ غور کے اصلاحا صریحا
اور خطا معلوم کرے بیچ مسئلہ کے یا عبادت کے تحقیق تو اصلاح دے صلاحاً صحیحاً
وال یاد فرمائے دعا واخلاصاً۔''

مخطوطے کے آخر میں ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

''اختتام پایا اس نسخے نے بتاریخ 27 شہر جمادی الثانی روز پنجشنبہ بوقت چار
گھڑی روز 1258ھ کے مقام امراوتی''

بظاہر ترقیمہ کے آخر کے بعض کلمات چھوٹ گئے ہیں۔ بہرنوع زبان اس کتاب کی قدیمانہ ہے اور بہت الفاظ اس میں ایسے آئے ہیں جو ہمارے زمانے میں متروک ہیں۔ امراوتی میں اس نسخے کے لکھے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب برار کے مختلف مقامات میں پڑھی جاتی تھی۔

2- عادل- سید محمد عبدالعلی

عادل تخلص، سید محمد عبدالعلی نام۔18 ان کی اردو کی دو نثری تصانیف کا ڈاکٹر شرف الدین ساحل نے تعارف کرایا ہے:

الف- مفتاح الفتوح- یہ نوسطری سطر پر صرف بارہ صفحوں کا ایک مخطوطہ ہے۔ کیفیت اس کی یہ ہے کہ آیات قرآنی اور احادیث کی روشنی میں عادل نے ایک خط کی صورت میں اپنے ہمزلف ڈاکٹر محمد اکبر کو روح کی حقیقت لکھ بھیجی تھی۔ ترقیمہ اس مختصر رسالے کا یہ ہے:

''تمت تمام شد، کارمن نظام شد۔ الحمد للہ والمنۃ ۔ تمام ہوئی کتاب مفتوح الفتوح فی حقیقت الروح، بتاریخ 28 / ماہ ربیع الاول، روز دوشنبہ 1311ھ مطابق 11 / ماہ اکتوبر 1893 بپاسِ خاطرِ محبی و مشفقی جناب محمد عبدالعلی صاحب نائب رسالدار بخطِ زشت عاصی پُر معاصی زین العابدین عرف ابومیاں کے اختتام ہوئی۔ آمین ثم آمین۔''

ب۔ حقیقت خواب۔ یہ مخطوطہ بھی مفتاح الفتوح کے ساتھ مجلد ہے۔ ڈاکٹر محمد اکبر کے نام خط کی صورت میں ہے اور اس میں آیات و احادیث کے حوالے سے خواب کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ یہ صرف گیارہ صفحوں پر محیط ہے اور اس کا ترقیمہ یہ ہے:

''تمت تمام شد، کارمن نظام شد۔ تمام ہوئی یہ کتاب، نام اس کا حقیقت خواب، الحمد للہ والمنہ ، بتاریخ 12 / روز 1311ھ چہار شنبہ بوقت دو بجے بپاسِ خاطرِ محبی و مشفقی جناب سید عبدالعلی صاحب نایب رسالدار، بخطِ زشت عاصی پر معاصی زین العابدین عرف ابومیاں کے انصرام پائی، مطابق 22 / ماہ نومبر 1893''۔

یہ دونوں رسالے نہایت مختصر ہیں اور بہت بعد کے زمانے کے ہیں اس لیے ان کی وہ اہمیت نہیں ہے۔ قرائن اس بات کے ہیں کہ بعض اور لوگوں نے بھی نثر لکھی ہو لیکن اب وہ دستیاب نہیں ہیں۔

ج۔ لُغت

سید محمد عبدالعلی عادل کی تصانیف میں ایک منظوم کتاب ''لُغاتِ گونڈی'' بھی ہے۔ 19 جو 92 صفحوں پر محیط ہے۔ اس میں گونڈی (زبان گونڈوانہ) کے الفاظ اور محاورات کے معنی اردو میں بتائے گئے ہیں، اس طرح اسے گونڈی اردو لغت کہا جاسکتا ہے۔ سید عباس علی شہرت نے اس کے لیے یہ قطعۂ تاریخ کہا تھا:

ان دنوں میں لُغاتِ گونڈی میں لکھی عادل نے ہے کتاب یکسر
بہترِ تاریخِ سالِ عیسائی ہوئی شہرت کو فکر مدِّ نظر
از سرِ عین عیسوی ہوا سال گونڈوانی نصاب ہے خوشتر

70 + 1811=1881

اس سے اس کتاب کا سالِ تالیف 1298ھ (1881) معلوم ہوتا ہے۔ علمی نقطۂ نظر سے عادل کی اس تالیف کی اہمیت ظاہر ہے۔

کامٹی

1- جعفر شریف

ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل نے کامٹی کے تعارف میں لکھا ہے:

''کامٹی کی تاریخ ناگپور کے سیاسی عروج وزوال سے وابستہ ہے۔اس وقت یہ ناگپور ضلع کا دوسرا سب سے بڑا شہر ہے....کامٹی میں اردو بولنے والوں کی آمد کا سلسلہ 1822 کے بعد شروع ہوا.... ہمارے سامنے کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ انیسویں صدی کی تیسری دہائی سے لے کر 1857 تک یہاں شعر وادب کی رفتار کیا تھی۔''1

حقیقت یہ ہے کہ زمانے کی دستبرد سے شاہی کے زمانے کے اکثر نقوش، تعمیرات اور تصانیف وغیرہ، اس طرح مٹ گئے ہیں کہ اب خیال بھی ان کی طرف نہیں جاتا ہے۔ شہر کامٹی کے قدیم علمی اور ادبی معاملات بھی کچھ مستثنیٰ نہیں تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تمل ناڈو کے علاقے کے لوگوں کا کامٹی میں آنا جانا رہا ہے چنانچہ ڈاکٹر ساحل نے لکھا ہے:

''ابتدائی دور کے شعرا میں صرف محمد غوث مدراسی کا نام بزرگوں کے حافظے میں

محفوظ رہ گیا ہے۔ انتہائی کوششوں کے بعد بھی ان کے کلام کا نہ تو کوئی نمونہ مل سکا اور نہ ہی ان کی زندگی کے حالات معلوم ہو سکے۔''2

تا حال راقم کے علم کے مطابق کا مٹی میں وجود میں آنے والی قدیم ترین نثری تحریر ''رسالہ عصائے سالکان'' ہے۔ اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے:

''رسالہ عصائے سالکان صفحات 124 فی صفحہ 13 سطر
مصنف۔ منشی جعفر شریف تاریخ تصنیف 1255ھ (1839)
تاریخ کتاب۔ رمضان المبارک 1260ھ (1844)
جعفر شریف لالہ میاں کر کے مشہور تھے۔ ویلور وطن تھا۔ کئی کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے۔ علمی قابلیت اچھی تھی۔ شاہ شرف الدین شطاری کے مرید تھے۔''3

یہ رسالہ اردو نثر میں ہے۔ شروع میں حمد، نعت اور مناقب صحابۂ کبار نظم میں ہیں۔ ابتدا کے دو شعر یہ ہیں:

سپاس ستائش کروں دم بہ دم بنایا جہاں کو جو محض از عدم
وہی جزو کُل کا ہے صاحب یقیں اسی کی طرف بازگشت آخریں

اس سے ظاہر ہے کہ مصنف حسب ضرورت شعر بھی کہہ لینے پر قادر تھا۔ اس نے یہ حمد وغیرہ مثنوی کی صورت میں لکھی تھی۔ اس کے بعد سبب تالیف نثر میں ہے۔ رسالہ کا آغاز اس بیان سے کیا ہے:

''جب میں صراط المتقین تنبیہ المشرکین کی تالیف سے فراغت پایا تو ایک مخلص یعنی صوبے دار شیخ محی الدین چھل ونہم رجمنٹ کی خواہش پر پیری اور مریدی اور مرشدوں کے ارشاد کے الفاظ وغیرہ کے باب میں یہ تالیف کیا۔ چونکہ مولف اپنے مرشد شاہ شرف الدین قادری بن حسن الغفاری شطاری سے درس و تدریس کے وقت سامع رہتا تھا اس لیے معتبر کتب تصوف مثل گلشن راز

وجواہرالاسرار وغیرہ وغیرہ سے لکھ کر 1255ھ مقام کامٹی میں بہ ماہ رجب المرجب
اختتام کو پہنچایا....''

خاتمہ ذیل کی عبارت پر ہوا ہے:

''....مگر سب سے پہلے مشہور و معروف وہی چار پیر، چودہ خانوادہ مذکور ہیں،
زیادہ کوئی نہیں۔ والسلام علیکم علی من اتبع الہدیٰ''

اس مخطوطے کا ترقیمہ یہ ہے:

''بفضلہٖ تعالیٰ در تصوف رسالہ عصائے سالکان تصنیف منشی جعفر شریف عرف
لالہ میاں صاحب بتاریخ ہفتم شہر رمضان المبارک روز شنبہ 1260ھ...
از دست عاصی پُر معاصی نور اللہ شادری عرف نتھر میاں، اتمام یافت...''

نہیں کہا جا سکتا کہ مصنف نے کتاب ''صراط المتقین تنبیہہ المشرکین'' بھی کامٹی ہی میں لکھی تھی یا اس شہر میں آنے سے پہلے وہ اسے مکمل کر چکے تھے۔

جعفر شریف اور ان کے مخلص صوبیدار شیخ محی الدین کے حالات بالکل معلوم نہیں ہو سکے۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کامٹی میں ان کے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی پہنچ گئے تھے جو زبان اردو میں کتب مذہب کے متلاشی تھے اور اردو نثر و نظم سے کم و بیش دلچسپی رکھتے تھے۔

○○○

حواشی

ناگپور

1-	تاریخ ناگپور		ص107
2-	ایضاً		ص62
3-	ناگپور کا مسلم معاشرہ	حصہ 1	ص209 تا 211
4-	تاریخ ناگپور		ص65

الف - شاعری

5-	انتخاب یادگار		ص117
6-	ناگپور کا مسلم معاشرہ	حصہ 1	ص119 تا 120
7-	ناگپور میں اردو		ص30 تا 32
8-	ناگپور کا مسلم معاشرہ	حصہ 1	ص210، 221
9-	ایضاً	حصہ 1	ص128 تا 129
10-	ایضاً	حصہ 1	ص231
11-	ناگپور میں اردو		ص32 تا 50

12-	تذکرۂ اردو مخطوطات	جلد1	ص279تا280
13-	ناگپور کا مسلم معاشرہ	حصہ1	ص130تا132
14-	ناگپور میں اردو		ص20تا28
15-	ناگپور کا مسلم معاشرہ	حصہ1	ص182تا183
16-	ایضاً	حصہ1	ص124تا127

ب - نثر

17-	کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص124
18-	ناگپور میں اردو		ص42تا43

ج - لغت

19-	ناگپور میں اردو		ص40

کامٹی

1-	کامٹی کی ادبی تاریخ		ص19،22
2-	ایضاً		ص22
3-	کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص294تا295

8-دکن

i- حیدرآباد

ii- ویلور

iii- کرنول

		حیدرآباد دکن	253
		الف - شاعری	255
-1	شاداں-	چندولال	255
-2	شہید-	میر احمد علی خاں	257
-3	ظہور-	مرزا عابد علی بیگ	259
-4	اُمید-	اعظم علی خاں	260
-5	آصف-	میر گوہر علی خاں	262
-6	تمیز-	محمد بدر الدین خاں	264
-7	متین-	غلام محی الدین خاں	265
-8	تشیعہ-	پیر خاں	266
-9	امام-	غلام امام خاں	268
-10	عصر-	میر احمد علی	270
-11	وصل-	غلام صمدانی	273
		نثر	277
		الف - سوانح	277
-1	شاداں-	چندولال	277

2-	ہجر-	غلام امام خاں	278
		ب - تاریخ	281
1-	ہجر-	غلام امام خاں	281
2-	تمیز-	بدرالدین خاں	286
		ج - مذہب	289
1-	عصر-	میر احمد علی	289
2-	محی الدین-	سید محی الدین قادری	291
3-	ہجر-	غلام امام خاں	292
		د - قواعد وغیرہ	295
1-	ہجر-	غلام امام خاں	295
2-	تمیز-	بدرالدین خاں	295
		ہ - حکایات	297
		و - علوم وفنون ہندوستانی	299
1-	رئیس العناصر		299
2-	شرح خلاصۂ حساب		300
3-	رسالہ اسطرلاب		301
4-	تحفۃ		301
		ز - مغربی علوم	303
1-	ستۂ شمسیہ		303
2-	رسالہ کیمسٹری		306
3-	تختۂ گرداں		307
	حواشی		309

حیدرآباد دکن

دکن کے علاقے میں ناصرالدولہ آصف جاہ رابع نے دہلی کے بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے آخری زمانے کے علاوہ بہادر شاہ ثانی کا تقریباً پورا دور پایا تھا، ان کے زمانے میں جنوب کے علاقے میں انتشار پھیل گیا تھا، چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن کر بگڑ رہی تھیں اور انگریزوں کی عمل داری وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی تھی۔ اردو زبان و ادب پر بھی انگریزی معاشرت اور ادبیات کے اثرات نمایاں ہونے لگے تھے۔ انگریزی مصنوعات کا رواج بھی رفتہ رفتہ عام ہوتا جا رہا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم چیز جس نے ملک کی علمی اور ادبی فضا میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ چھاپہ خانہ کی ایجاد اور ترویج تھی۔

انگریزوں کے ساتھ روابط کے سبب حیدرآباد میں فضائے سکون تھی۔ دولت کی فراوانی تھی چنانچہ مختلف علوم و فنون کو پھلنے پھولنے کے مواقع مل رہے تھے۔ دہلی اور لکھنؤ وغیرہ مراکز سے بھی صاحبانِ علم اور اہل سخن اس شہر میں آ کر سکونت پذیر ہو رہے تھے۔ ان میں ایک بڑی اور مؤثر شخصیت مہاراجا چندو لال کی تھی، وہ خود بھی شمالی ہند سے آئے تھے چنانچہ ان کی سرکار میں شمال سے آنے والوں کی ہر طرح پذیرائی ہوتی تھی بلکہ انھوں نے شمال کے بعض اربابِ فکر و فن کو خود مدعو بھی کیا تھا، اس طرح نہ صرف حیدرآباد کی رونقوں میں اضافہ ہوا بلکہ یہاں کے صاحبانِ علم و دانش کو ان سے کسبِ فیض کے بہتر اور براہِ راست مواقع حاصل ہوئے۔

الف - شاعری

1- شاداں- چندولال

شاداں تخلص، چندولال نام، نراین داس کھتری کے بیٹے اور شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد تھے، انھوں نے اپنی خودنوشت میں جو حالات لکھے ہیں وہ مختصراً اس طرح ہیں:

> "میرے آباء واجداد قوماً کھتری مہرہ، دارالخلافہ لاہور میں متوطن تھے، میرے بزرگوں اور رائے ٹوڈرمل کے درمیان علاوہ قومی تعلق قرابت سبب کا سلسلہ قائم تھا، بناءً علیہ رائے صاحب نے میرے بزرگانِ سلف کو اپنے پاس بلایا اور خدماتِ لائقہ پر مقرر فرمایا۔ دہلی میں نسلاً بعد نسلٍ محمد شاہی زمانہ تک آرام سے زندگی بسر کرتے رہے۔ میرے جدِ اعلیٰ حضرت نظام الملک آصف جاہ کے ہمراہ عازمِ دکن ہوئے.. میرے والد ماجد نے دنیائے فانی سے رحلت کی اس وقت میری عمر دہ سالہ تھی۔ ہماری تربیت و تعلیم کے سرپرست عم بزرگ نانک رام ہوئے۔"[2]

آصف جاہ ثانی کے عہد میں ارسطو جاہ کی سفارش سے 1212ھ (98-1797) میں راجا بہادر خطاب سے مخاطب ہوئے۔ آصف جاہ ثالث کے زمانے میں 1219ھ میں ریذیڈنٹ

بہادر کی سفارش سے پیش کاری پر مامور ہوئے۔ 1235ھ (1820) میں مہاراجا بہادر خطاب ملا، دو برس بعد ہفت ہزاری منصب ملا۔ 1245ھ میں ناصر الدولہ کے وقت میں راجایان راجا مہاراجا چندولال بہادر خطاب سے سربلند ہوئے۔ 1260ھ میں مستعفی ہوئے۔ ناصر الدولہ بہادر نے 30 ہزار روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ آخر 82 یا 86 سال کی عمر میں 7/ ربیع الثانی 1261ھ (1845) میں رحلت کی۔

راجا کشن پرشاد شاد نے ان کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ:

''منیر الملک بہادر نے 1248ھ (33-1832) میں انتقال کیا اور مہاراجا چندولال وزارت عظمیٰ پر سرفراز فرمائے گئے۔'' 3

لیکن نصیر الدین ہاشمی کا یہ بیان زیادہ صحیح ہے کہ:

''اگرچہ مہاراجا چندولال باضابطہ وزیر اعظم مقرر نہیں ہوئے بلکہ پیشکار سلطنت آصفیہ تھے، مگر ایک عرصۂ دراز تک دیوانی پر کوئی مامور نہیں تھا بلکہ آپ ہی اس کا کام بھی کرتے تھے۔'' 4

چندولال کے دو دیوان چھپ چکے ہیں، ان دونوں کی ترتیب کے بعد کوئی پندرہ سولہ برس تک وہ زندہ رہے تھے، اس مدت میں انھوں نے جو غزلیں وغیرہ کہی ہوں گی قیاس کہتا ہے کہ ان سے کم سے کم ایک دیوان اردو مرتب ہو سکتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس میں کا ایک شعر بھی ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ بہر نوع اس بارے میں شبہ نہیں کہ چندولال شاداں کی سرپرستی میں اردو نظم اور نثر دونوں کو بخوبی پروان چڑھنے کے مواقع ملے تھے۔

راجا کشن پرشاد شاد نے چندولال شاداں کے متوسلین کی فہرست درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''مہاراجا ہر ایک اہل کمال کے ساتھ عزت کے ساتھ پیش آتے تھے جس کی وجہ سے دور دراز ممالک کے ذی کمال حضرات علما، شعرا، حکما، فقرا وغیرہ جوق در جوق چلے آتے تھے اور مہاراجا بہادر کے فیض سے بہرہ مند ہوتے تھے۔'' 5

یہاں آخر زمانے کے ان کے دربار کے بعض شاعروں کا مجملاً تعارف کرایا جاتا ہے۔

2- شہید- میر احمد علی خاں

عبدالجبار خاں ملکاپوری نے شہید کے حالات اس طرح تحریر کیے ہیں:

''شہید تخلص، میر احمد علی خاں نام، سید جعفر علی خان بہادر کے فرزند، دہلی میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم و تربیت ہوئی، شاہ نصیر سے تلمذ تھا۔ علاوہ علوم عربیہ و شاعریہ و رمل و عملیات میں بھی مہارت کاملہ رکھتے تھے، کوئی شعر نزاکت و لطافت سے خالی نہیں۔ بہ کشش آب و خورش ہند سے حیدرآباد دکن میں نواب سکندر جاہ کے آخر عہد میں آئے......نواب ناصر الدولہ نے خلعت و خطاب میر الشعراء و اضافۂ منصب سے سرفراز کیا۔ 1292ھ میں رحلت کی۔''6

شہید کے سالِ وفات میں شاید کتابت کی غلطی ہوگئی ہے۔ صحیح سال ان کے شاگرد عالم علی خاں عالم کے اس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے ۔

میر احمد علی خانِ شہید یافت رحلت بجناں داخل شد
گفت تاریخ وفاتش عالم بندۂ خاص بحق واصل شد

1294ھ=1877

شہید کے اخلاف میں کئی پشت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا، چنانچہ ذیل کے ناموں سے ظاہر ہے:

شہید کے بیٹے میر کاظم علی خاں شعلہ تخلص کرتے تھے۔

شعلہ کے دو فرزند حکیم سید نوازش علی لمعہ اور حکیم سید نادر علی خاں رعد تھے۔

رعد کے بیٹے میر کاظم علی برق موسوی ہوئے۔

لمعہ اور رعد نے شہید کا دیوان 1309ھ (92-1891) میں مرتب کر کے اس کا تاریخی نام ''نظم شہید'' مقرر کیا تھا لیکن یہ مطبع فخر نظامی حیدرآباد سے 1318ھ میں پہلی بار چھپا تھا۔

شہید اپنے زمانے کے معروف تاریخ گو تھے، ان کے دیوان میں سب سے قدیم قطعہ تاریخ یہ ہے ۔

روشن رہے شمع جشن اسکندر جاہ　　جب تک رواج نذر راکھی کی ہے
تاریخ جو یاد ہے تو کر عرض شہید　　تاریخ کہ آئج نذر راکھی کی ہے

1235ھ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حیدرآباد کے دربار میں بھی راکھی کی نذر کا رواج تھا اور شہید 1235ھ میں یا اس سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ ڈاکٹر زور نے ان حالات میں لکھا ہے:

''معلوم ہوتا ہے کہ آخر زمانہ میں نواب ناصر الدولہ ان پر اتنے مہربان نہ رہے تھے۔ ایک قطعہ میں انھوں نے ان کی ہجو بھی لکھی ہے اور پیر نابالغ کہا ہے۔ نواب افضل الدولہ کو تو شعر و سخن کا ذوق ہی نہ تھا، اس طرح ان کی عمر کا آخری زمانہ عسرت اور تنگی میں گذرا۔ بیٹے کی شادی میں قرض لینا پڑا تھا اس لیے آدھی ماہوار قرضہ میں چلی جاتی تھی چنانچہ کہتے ہیں ۔''

قرض میں پانزدہ تو جاتے ہیں　　پانزدہ خوردنی میں آتے ہیں ؎

حیدرآباد کو'' کانِ نمک'' کہتے تھے یعنی جو وہاں گیا گمنام ہوگیا۔ شہید کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ زور صاحب نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

'' کلیاتِ شہید میں متعدد قصائد ہیں جو سودا اور ذوق اور خود شہید کے استاد شاہ نصیر کے قصائد کے ہم پلّہ ہیں۔ افسوس ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں شہید کو ان کا صحیح مرتبہ نہ مل سکا۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ حیدرآباد ہی کے ہوکر رہ گئے تھے۔''

یہاں ان کے دو قصیدوں کا ایک ایک شعر نمونہ کے طور پر درج کیا جاتا ہے ؎

ان کے فیض و کرم وجود، دعا میری شہید　　خوب رکھتے ہیں سعادت کا اثر چاروں ایک

اور ؎

لال و گل، سرو سمن تیری مہک پانچوں ایک　　مہر د مہ، برق و شرر، رخ کی چمک پانچوں ایک

ان سے ظاہر ہے کہ نہایت مشکل زمینوں میں بھی شہید کامیابی کے ساتھ قصیدے کہہ لیتے تھے اور بلاشبہ ان کا شمار اردو کے گنے چُنے بہترین قصیدہ گویوں میں کیا جانا چاہیے۔

شہید نے اپنے دیوان کو خود مرتب کرنا چاہا تھا اور اس کے لیے انھوں نے دس صفحے کا دیباچہ بھی لکھ لیا تھا جس میں اپنے حالات قلمبند کیے تھے۔ ذیل کے اقتباس سے شہید کی نثر کا اندازہ کیا جانا چاہیے۔(یہ نثر 1270ھ/ 1854 کے قریب کی ہے)

''جب نواب ناصر الدولہ بہادر ابن سکندر جاہ نے 1244ھ میں جلوس فرمایا اور مسند ریاست پر بیٹھے تمام منصب داران کو بلایا اور مخاطب کیا اور مصاحب بنایا، فقیر بھی حسب الطلب دربار میں آیا اور اضافۂ خلعت وقُربیت وصحبت سے فائدہ اٹھایا۔''9

اس دیوان کے بارے میں ڈاکٹر زور کی یہ رائے بہت زیادہ توجہ طلب ہے:

''کلیات شہید یوں تو ایک مجموعۂ کلام ہے لیکن اس میں حیدرآباد کی تقریباً 60 سالہ سیاسی اور سماجی تاریخ بھی محفوظ ہوگئی ہے اور بہت سے اہم اور دلچسپ واقعات کے ایسے صحیح سَن معلوم ہو جاتے ہیں جن کو اہل حیدرآباد بھول چکے ہیں اور اس شہر کی کسی تاریخ میں ان کا اندراج نہیں ہوا ہے۔''10

3- ظہور- مرزا عابد علی بیگ

ظہور تخلص، مرزا عابد علی بیگ خاں نام تھا، چندو لال شاداں کے مقرب مصاحب تھے۔ فنِ شعر میں انھیں سے تلمذ بھی تھا، چنانچہ ان کے دونوں دواوین کی انھوں نے تاریخ کہی تھی۔ دونوں تاریخیں اچھی طرح ہیں۔ پہلے دیوان کا قطعہ سات شعروں کا ہے، آخری دو شعر یہ ہیں۔

سمجھنے کا تاریخِ دیواں کے جب ارادہ ہُوا اہلِ فہمید کا
کہا میں نے روئے ہدایت سے تب یہ دیوان دفتر ہے توحید کا

1234 =1239ھ 5

اور دوسرے دیوان کا قطعہ تاریخ پانچ شعروں کا ہے۔ اس میں شاداں کی تعریف بڑی خوبی سے نظم کی ہے۔

ہے کشورِ دکن کا جو سلطان بے نظیر کہتے ہیں اہل چین اسے خاقان بے نظیر
آسودہ کیوں نہ خلق رہے اس کے عہد میں شاداں سا اس کا ہووے جو دیوان بے نظیر

اہل کمال کہتے ہیں جس کے کمال دیکھ طباع بے عدیل و سخندان بے نظیر
گلہائے نظم اس کے جو دیکھے بہ چشم غور دیوان کو کہے وہ گلستان بے نظیر
جس کی نظیر ہووے نہ آفاق میں ظہور تاریخ اس کی کیوں نہ ہو دیوان بے نظیر
1243ھ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اپنے وقت کے مشہور تاریخ گویوں میں سے تھے "بنائے پُل رود موسیٰ" کی بھی انھوں نے اچھی تاریخ کہی تھی۔ وہ قطعہ یہ ہے ؎

ناصرالدولہ شاہ آصف جاہ کہ عہدیلش گہے نہ دید نگاہ
شد چو حکمش بہ راجہ چندولال زود سازند پُل بہ شام و پگاہ
از سر عقل میجر اسٹورٹ پُل بنا کرد مثل مہر و ماہ
1246ھ = 1176+ 70

ان کی غزل گوئی کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی البتہ نصیرالدین نقش نے ان کی نعتیہ غزل کا یہ ایک شعر لکھا ہے ؎

جاتا ہے سر سے چل کے بشر ہر زمین کا کیا مرتبہ حجاز کی ہے سرزمین کا

زبان اور بیان پر ظہور کو قدرت حاصل تھی۔ طبیعت ان کی مذہب کی طرف مائل تھی چنانچہ ان کی شاعری کا مزاج بھی یہی تھا۔

4- اُمید- اعظم علی خاں

نصیرالدین نقش حیدر آبادی نے امید کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ لکھا ہے:
"امید تخلص، اعظم علی خان بہادر شاگرد میرزا حسن علی خاں حسن دہلوی، در آبادی ریزیڈنسی حیدرآباد استقامت دارند، از مشہوران ایں بلدہ اند، دیوانش مرتب بہ غزلیات فارسی و ہندی کی نامش "مجموعۂ اعظمی امید" نہادہ در 1279ھ در مطبع رحمانی صادق مدراس طبع کنانیدہ اند، ملاحظہ شدہ، کلامش صفے ہیچ از اضافش را بر طریقۂ راسخہ شعرانہ گفتہ، از بُن ملو و خالی گفت و گوئے پریشان ہست۔"12

افسر صدیقی امروہوی نے اس پر اچھا اضافہ کیا ہے۔ مختصراً یہ ہے:

''صاحب خمخانۂ جاوید نے ان کے والد کا نام مرزا فتح علی خاں، بردی رسالہ دار شاہی لکھا ہے اور میر شجاعت علی رئیس مدراس کا نواسہ بتایا ہے۔ محمد صادق نزہت لکھنوی اور حسن علی خاں دہلوی کے شاگرد تھے۔ ملا محمد شریف امیدی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ بڑے پُر گو شاعر گذرے ہیں۔ رہنے والے غالباً مدراس کے تھے لیکن حیدرآباد آ گئے تھے۔ مہاراجا چندو لال شاداں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے...... مجموعہ اعظمی امید کا ایک ضمیمہ بھی 1287ھ (1870) میں مطبع رحمانی حیدرآباد میں چھپا تھا۔ امید کا ایک رسالہ ''اعظم القصائد'' بھی تھا جو 1270ھ میں مرتب ہوا تھا۔ عبدالعلی والہ نے تاریخ لکھی۔

از حضرت اعظم امیدم نظم و شرح پدید آمد
از والہ مستمند سالش نظم گہر امید آمد'' 31

1270ھ

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

نکما ہوں ، برا ہوں ، یا بھلا ہوں — بہر صورت ترے ہاتھوں بنا ہوں
پوچھی میں نے جو اس سے شب کی بات — بولا صاحب کہاں کی ، کب کی بات
مردم آزاری سے بدتر نہیں جب کوئی گنہ — ہر گھڑی کرتا ہے کیوں نامۂ اعمال سیہ
عاشق شب فراق نہ روئے تو کیا کرے — اشکوں سے اپنے منہ کو نہ دھوئے تو کیا کرے

اپنے بیشتر معاصروں کی طرح امید بھی خوب تاریخیں کہہ لیتے تھے، اپنے بیٹے محمد اکرم کی ولادت کی تاریخ اس طرح کہی تھی ۔

ہزار شکر بعم البدل کہ فرزندم — بہ فضل خویش عطا کرد خالق عالم
ز سال و نام او جستند دوست باسر دل — بگفت امید سن و اسم اکثر اعظم

1272 18محرم = 1276 - 4

اسی طرح یوسف خاں تخلص فرزند شاہ عالم خاں بابوزئی سپہ دار سرکار آصفیہ نے

رحلت کی تو انھوں نے یہ قطعۂ تاریخ کہا ۔

عزیزِ 14 مصرِ مروّت کہ بود یوسف خاں ۔۔۔ بسا دریغ فگندش بہ چاہِ گورِ قضا
بگفت سالِ غمش دل ز روئے حسرت و درد ۔۔۔ ہزار حیف بزودی شدہ بشہرِ بقا

ھ1271=1259 + 4 + 8

5- آصف- میر گوہر علی خاں

''آصف تخلص، میر گوہر علی خاں مخاطب بہ مبارز الدولہ بہادر پور نواب سکندر جاہ مغفور والیِ حیدر آباد، تلمیذِ حضرت فیض۔'' 15

افسر صدیقی نے ان کے حالات میں بہت وقیع معلومات قلمبند کی ہیں:

''آصف 1214ھ (1799-1800) میں پیدا ہوئے۔ علم و فضل میں یکتا اور سپہ گری میں کامل تھے۔ سید احمد بریلوی سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی تحریک آزادیِ وطن کے سرگرم مؤید تھے، نوجوانی میں ایک ہزار سواروں کے ساتھ انگریزی ریذیڈنٹ سے جنگ کر کے اسے شکست دی تھی۔ 19 رمضان 1270ھ (1854) کو وفات پائی اور درگاہ برہنہ شاہ میں دفن ہوئے۔ کتب خانے کی بیاض میں آصف کا ایک قصیدہ ہے جس میں نظامِ عہد کی تعریف اور راجا چندو لال دیوان کی ہجو کی گئی ہے۔'' 16

ہجو کے یہ شعر لائقِ توجہ ہیں ۔

یک روز مجھے سوجھے ہے مہاراج پہ واللہ ۔۔۔ میں دل سے اسے گر کہوں شیطانِ ریاست
مہاراج کے ظلموں سے خلائق کیے افسوس ۔۔۔ بالکل نہ رہی جان نہ کچھ آنِ ریاست
سب مُلک کو اور فوج کو یوں لوٹ کے مہاراج ۔۔۔ منگل کو کیا کرتے ہیں وہ دانِ ریاست
یوں حکم جو ہو جائے ترا ملک کے اوپر ۔۔۔ مختار بدستور ہو دیوانِ ریاست
تیار ہو سب فوج ترا ملک ہو آباد ۔۔۔ مامور ہوں خدمات پہ ارکانِ ریاست
ہیں جتنے بھلے آدمی کر حکم کہ ان کو ۔۔۔ ملتی رہے صدقے سے ترے نانِ ریاست

حیدر آباد کی تاریخ کے سلسلے میں آصف کا یہ قصیدہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ خصوصاً اس

صورت میں جب کہ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آخر عمر میں مہاراج نے استعفیٰ دے دیا تھا اور نواب نے اسے منظور بھی کر لیا تھا۔

آصف کی غزل کے یہ شعر بھی ان کے زمانے کے حالات میں معنی خیز اور فکر انگیز ہیں۔

ہمارے قتل پر جب یار غارت گر بدلتا ہے — کبھی تیغہ، کبھی نیزہ، کبھی خنجر بدلتا ہے
جو تیاری ہے گورستاں میں کل سے گور تازہ کی — کوئی بیمار چشم یار شاید گھر بدلتا ہے
کئی ہیرے کی کھائی وہاں کسی نے انتظاری میں — وہ یہاں بیٹھا ہوا الماس کا زیور بدلتا ہے

یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اس زمانے میں حیدرآباد کے اکثر شاعر غزلوں میں اپنے حالات کے مطابق شعر کہتے تھے۔ قصیدوں میں بھی حقائق کو کم و بیش نظر میں رکھا جاتا تھا۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ معروف شعرا عموماً تاریخ گوئی سے دلچسپی رکھتے تھے اور اس طرح جو حالات اور واقعات رونما ہوتے تھے ان کا مآخذ کو ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا تھا۔

آصف اور شہید جیسے شاعروں نے ہجو کی طرف بھی توجہ کی تھی لیکن ان کی ایسی نظمیں بھی شعری اور تاریخی نقطۂ نظر سے مفید اور قابل قدر ہوتی تھیں۔

اس زمانے میں علم و فن اور شعر و سخن کے دوسرے بڑے مربی اور سرپرست محمد فخر الدین خاں تیغ جنگ شمس الامرا ثانی تھے جو ابوالخیر خاں تیغ جنگ کے پوتے اور ابوالفتح خاں تیغ جنگ شمس الامرا (اول) کے بیٹے تھے۔ یہ برہانپور میں 1194ھ (1770) میں پیدا ہوئے تھے اور 1279ھ (63-1862) میں وفات پا کر درگاہ برہنہ شاہ حیدرآباد میں مدفون ہوئے۔ شہید نے ان کی وفات کی تاریخ کہی۔

شمس بالائے زمیں حیف شد بزیر زمیں

1279ھ

ان کے بعد ان کے بیٹے رفیع الدین خاں عمدۃ الامرا کو ان کے خطابات سے سرفرازی ملی۔ شہید نے اس واقعہ کی تاریخ کہی۔

ثانی شمس الامرا امیل جاہ

1279ھ

شمس الامرا نواب فخر الدین خاں کی سرپرستی جن شعرا کو حاصل رہی ہے ان میں سے شہید کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ مزید بعض شاعروں کے احوال اب لکھے جاتے ہیں۔

6- تمیز- محمد بدرالدین خاں

نصیر الدین ہاشمی نے ان کے تعارف میں جو لکھا ہے، وہ اس طرح ہے:

''محمد بدرالدین خاں نام، تمیز تخلص، نواب فخر الدین خاں شمس الامرا کے فرزند، رفعت جنگ معظم الدولہ معظم الملک خطاب تھا۔ 1220ھ میں ولادت ہوئی۔ 1265ھ (1849) میں انتقال ہوا۔ حافظِ قرآن تھے اور عربی فارسی کی اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ انگریزی سے بھی واقف تھے۔ حضرت فیض سے شاعری میں تلمذ تھا۔ پایگاہی امیروں میں پہلے شخص تھے جو حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ خوشنویس بھی تھے۔ خطِ ناخن میں مہارت حاصل تھی۔''18

تمیز صاحب دیوان تھے اور ان کے دیوان میں غزلیات، قصائد، مخمس اور ترجیع بند ہیں۔ ڈاکٹر زور نے لکھا ہے:

''انھوں نے ان تمام شعرا کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں جو اُس زمانہ میں استاد مانے جاتے تھے۔ مثلاً میر، سودا، نصیر، ذوق، ظفر، شاداں......اور ہر غزل میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا ہے، مثلاً ایک غزل پر لکھا ہے- در جواب مرزا ابوظفر ولی عہد و فرزند کلاں اکبر شاہ بادشاہ از دہلی آمدہ ع

اس کے ہنسنے سے مرا غنچۂ دل تنگ کھلا''19

ان کے کچھ شعر نمونہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں ؎

نظر کر اس کی زلف عنبریں پر لیا مول اک بلا جانِ حزیں پر
چلو اس باغ سے جوں نکہتِ گل اُڑو جلدی، تمھارے کیا نہیں پر
مؤثر گر نہ ہو نالہ تو ہے ضبطِ نفس بہتر ہماری جی کی جی میں یہ جو رہ جائے ہوس بہتر
ہر اک بُنِ مو سے جو ہے مشتعل آتش شاید کہ لگی دل کے مرے متصل آتش

تمیز قادر الکلام شاعر تھے اور سنگلاخ زمینوں میں بڑے شوق سے غزل کہتے تھے۔

7- متین- غلام محی الدین خاں

نصیر الدین نقش کے تذکرے میں ان کا تعارف اس طرح ملتا ہے:

''متین تخلص، غلام محی الدین خاں تلمیذ محمد تاج الدین مشتاق، در سرکار پائگاہ یعنی نواب شمس الامرا امیر کبیر بہادر ملازم بود، در تدریس فارسی بہ غایت ملک، داشت و در عروض علم امتیازی افراشت۔ چند سال گذشت کہ رخت ہستی بربست، طرز کلامش نیکوست۔'' 20؎

ادارۂ ادبیات اردو میں ان کی ایک بیاض موجود ہے، اس کے تعارف میں زور صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

''تذکرۂ ضیغم میں ان کو ''نومسلم'' لکھا ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ اسلام لانے سے پہلے ان کا یا ان کے بزرگوں کا نام کیا تھا۔ ان کے شاگرد یعقوب علی نے تاریخ وفات کا جو قطعہ کہا ہے اس کا آخری مصرع یہ ہے ع

زدنیا طرف دیں جان متیں شد'' 21؎

1283ھ

ان کے کلام میں دو غزلیں آصف جاہ رابع کی مدح میں ہیں۔ ایک غزل کے تین شعر یہ ہیں۔

مدح ناصر الدولہ آصف جاہ رابع ؎

ناصرِ دولت شہِ فرخندہ آصف جاہ ہے | حق رس و حق بین و حق گو اور حق آگاہ ہے
تیرا رتبہ جانتا تو ہی ہے اے حشمت پناہ | شاہ ابنِ شاہ شاہنشاہ ہے
مدعا تجھ کو ملے گا مدعا کے واسطے | اے متین مت فکر کر تو بندۂ درگاہ ہے

چندو لال شاداں بھی متین کے قدرداں تھے۔ چندو لال کے بعد متین ہر عید یا تقریب پر شمس الامرا کی خدمت میں عیدیاں وغیرہ پیش کرتے تھے۔ ایک شعر یہ ہے ؎

اللہ کے کرم سے مبارک ہو آپ کو | عیدِ صیام امیر کبیر جہاں پناہ

متین نے بھی اکثر غزلیں ناسخ، آتش اور جرأت وغیرہ شعرائے لکھنؤ کی غزلوں کے جواب میں لکھی ہیں اور ان پر اس بات کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ آخری غزل جو ناسخ کے جواب میں ہے، اس کے دو شعر یہ ہیں ۔

کیا کریں کیا دیکھیں حُسن روئے جاناں چھوڑ کر سیر کرنا ہے عبث ایسا گلستاں چھوڑ کر
مثل بلبل ہم نہ جاویں گے کبھی اے باغباں غنچہ لب کا کوچۂ رشکِ گلستاں چھوڑ کر

متین بھی قادر الکلام اور مشاق شاعر تھے لیکن انھیں شہرت حاصل نہیں ہو سکی۔

حیدر آباد کے لوگوں میں خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، مذہب پسندی کا رجحان غالب رہا ہے، اس کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ ان کی طبیعتیں کسی نہ کسی حد تک حقیقت بیانی کی طرف مائل تھیں چنانچہ بیشتر شاعروں نے اپنے عقیدے کے مطابق مذہبی اور سچے واقعات کو نظم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح اس علمی مرکز پر شاعری کی مختلف اصناف کے ساتھ مثنوی کی صنف کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ اس زمانے کے مخصوص حالات کے زیر اثر مثنویوں میں بزم آرائیوں کے ساتھ جنگی معرکوں کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔ اس طرح جنوب کی مثنویاں شمالی ہند کی مثنویوں سے ایک حد تک مختلف رہی ہیں۔

8- تشیعہ - پیر خاں

تشیعہ تخلص، پیر خاں نام تھا۔ بہ گمانِ غالب یہ وہی شخص ہے جس نے حُسین خاں نامی کاتب سے اپنے لیے اردو نظم و نثر کی چند کتابیں لکھوائی تھیں اور ان میں سے بعض ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد میں محفوظ ہیں۔ اس سلسلہ میں عشق نامہ (یوسف زلیخا) از نگار کے ترقیمہ کی یہ عبارت مفید مطلب ہے:

> ''تمام شد قصہ یوسف زلیخا..... کاتب الحروف حُسین خاں فرمائش پیر محمد دفعدار آوردہ کوتوالی در حاضی جانی صاحب فرنگی دراجرائی پتھر گھٹی کام کردہ، حکم سالار جنگ بہادر 1280ھ۔''22

اس کے پہلے اور آخری ورق پر دوسرے لوگوں کے علاوہ پیر محمد خاں کی 1278ھ کی مہر بھی لگی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر زور کا کہنا ہے کہ پتھر گھٹی حیدر آباد کی ایک مشہور سڑک ہے۔ ایک دوسرے

مخطوطے کے تعارف میں اس شخص کا نام اس طرح آیا ہے...... پیر محمد ولد خان محمد اور "تیاری سڑکاں" کا مذکور ہے۔

تشیعہ کی غزلوں کا ایک قلمی مجموعہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔23 بتایا گیا ہے کہ یہ صرف 10 صفحے ہیں اور "ان اوراق میں ردیف یا کی صرف 20 غزلیں ہیں۔ یہ دیوان کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔" اس میں آخری مقطع یہ ہے ۔

یہی ہے دولتِ دنیا تشیعہ جو نام اپنا یہ مشہور جہاں ہے

اس دعوے کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ اس شاعر کو شہرت نصیب نہیں ہوئی۔

تشیعہ نے "نور جہاں" کے عنوان سے ایک مثنوی بھی لکھی تھی، اس کا جو قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی کے کتب خانہ میں ہے اس کے تعارف میں جو کچھ لکھا گیا ہے مختصراً یہ ہے:

"نور جہاں، صفحات 112 صاحب مثنوی کا نام پیر خاں اور تخلص تشیعہ ہے۔ ناصر الدولہ میر فرخندہ علی خاں والی حیدرآباد کے دور کا شاعر ہے۔24 سن تصنیف 1265ھ(1849) ہے ۔

ہوئے جب گنا میں نے کر کے خیال ہزار و دو صد شصت پنج اس کے سال

اس مثنوی میں شہزادہ جہانگیر اور نور جہاں کی داستانِ عشق نظم کی گئی ہے۔ تشیعہ نے نواب ناصر الدولہ کے بعد نواب سراج الملک وزیر دکن کی تعریف و توصیف کی ہے۔ مناجات میں نواب میر عالم اور نواب منیر الملک کی آل و اولاد کی فلاح و بہبود کے لیے دعا کی ہے ۔

الٰہی رہے میر عالم کی آل کہ جب تک ہے یہ مہر و مہ لا زوال

منیر الممالک کی اولاد شاد رہے حشر تک یا خدا با مراد

نواب سراج الملک 1263ھ میں وزارت سے سبکدوش کر دیے گئے تھے، اس کے بعد ان کو "وزیرِ دکن" کہنا بیجا تھا۔ مثنوی کے ابتدائی کچھ شعر ضائع ہو گئے ہیں۔ بصورتِ موجودہ اس کا آغاز ان شعروں سے ہوا ہے ۔

زہے بے تمیزی و بے حاصلی　　کہ در فکرِ دنیا ، ز دیں غافلی
ز بس آتش و باد اور خاک و آب　　سدا ابر باراں مہ و آفتاب
ہر اک کام میں اپنے مامور ہے　　وہ کرتے ہیں جو اس کو منظور ہے

اوراس کے اختتام کے شعر یہ ہیں ۔

غرض اس کے دل میں بھرا تھا یہ کیں　　کیا قید نور جہاں کے تئیں
غم ، الم ، رنج ، سختی ، ملال　　کہ تھوڑے دنوں میں کیے انتقال
ہوا داستاں بس یہاں سے تمام　　کریں دوست تحسین سُن یہ کلام

ترقیمہ اس نسخہ کا لائق توجہ ہے:

''بتاریخ بیست دہفتم شہر جمادی الثانی روز شنبہ یک پاس چہار گھڑی روز برآمدہ قصہ نور جہاں بیگم بہ دست میر محمد علی نبیرۂ حکیم شفائی خاں معتمد الملک مرحوم در مکان ملک نظام علی خاں ولد ملک عدل خاں شاہجہاں پوری بہ اتمام رسید۔''

مثنوی کے بعد مخطوطہ میں تشبیعہ کی دس غزلیں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ تشبیعہ کا جو کلام ہمارے پیش نظر ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی علمی استعداد زیادہ نہیں تھی۔ اس نے اپنے کلام میں عوامی بول چال کی زبان کا استعمال کیا ہے۔ لفظ داستان کو اس نے مذکر نظم کیا ہے۔ شاید عوام ایسا ہی بولتے ہوں گے۔

9- امام غلام امام خاں

غلام امام خاں نام اور ترین پٹھان تھے۔ وہ امام اور ہجر دونوں تخلص کرتے تھے۔ نصیر الدین نقش نے ان کا احوال اس طرح لکھا ہے:

''ہجر تخلص، غلام امام خاں پور تہور خاں سپاہی زادہ، از قوم افغان موسازئی مولد ومنشائش بلدۂ حیدرآباد، در علوم لطیفہ وفنون شریفہ دستگاہے داشت وتاریخ رشید الدین خانی در اردو بہ نہج شگرف وحاوی جمیع سیر دکن نوشتہ ابواب فرحت بروئے نظارگیان کشادہ واندراج کوائف آں آئینہ حیرت برروئے جام جہاں نمابستہ... ودر تسوید تاریخ مذکور ملک تخلص ہم می کرد۔ در 1285ھ (1868)

از یں دارِ فانی سوئے عالم جاودانی ہجرت کرد و صاحب دو دیوان و تالیفاتِ متعددہ دارد۔''25ے

مرحوم افسر صدیقی نے ان کے حالات میں مفید اضافے کیے ہیں۔لکھا ہے:

''ہجر کے دادا مکارم خاں تھے۔ہجر 1223ھ(1808) میں پیدا ہوئے۔ 1280ھ میں دیوان مکمل ہوگیا تھا،ڈیڑھ سال راجاچندولال کے حاشیہ نشیں رہے،پھر علم ریاضی میں استعداد حاصل کی،قسمت نے شمس الامرا امیر کبیر تک پہنچایا،بیشتر قصائد ملک تخلص کے ساتھ لکھتے ہیں۔ایک دیوان مکمل،دوسرا نا مکمل،تاریخ رشید الدین خانی،تاریخ خورشید جاہی،محی الصلوٰۃ،ترجمہ کیدانی، احسن التر کیب،خورشید دانش،صد مسودات در انشا،کشف الغوامض،رسالہ ہیئتِ کوکب،مطالع خورشید،تیغ ہندی،خورشید الحساب،مثنوی در بیان حضرت مریم وعیسیٰ اور رئیس العناصر متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ان کے بھائی محمد نقی نقی تخلص نے ان کی وفات کا یہ قطعہ کہا تھا ؎

چوں جناب ملک شدند بہ خلد جملہ احباب چشم نم کروند
سال تاریخ گفتم از سر آہ ہجر ہجرت سوئے عدم کروند''26ے

1285=1284 + 1

ہجر کی مثنوی ''قصہ حضرت مریم'' کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے،اس کے بارے میں نصیر الدین ہاشمی نے جو لکھا ہے اس کا اختصار یہ ہے:

''قصہ حضرت مریم صفحات:ستاون مصنف:غلام امام خاں ہجر
زمانہ تصنیف:قبل 1275ھ(1858)

اس مثنوی میں حمد ونعت اور مدح حضرت غوث اعظم کے بعد اپنے مرشد حضرت موسیٰ قادری کی مدح کی ہے،پھر ان کے فرزند اور خلیفہ شاہ غلام علی کی تعریف کے بعد حضرت مریم کا جو تذکرہ قرآن مجید میں ہے اس کو نظم کیا ہے۔''27ے

اس مثنوی کے شروع کے دو شعر یہ ہیں ؎

رہے کارداں وہ عیاں و نہاں   کہ پیدا کیے جس نے ہیں دو جہاں
کسو کو دیا مال و زر بے شمار   کسو کو کیا فقر کا تاجدار

اور آخری شعر یہ ہے ؎

کرا کے ہجر شکر خدائے انام   ہوئی اب تو یہ مثنوی بھی تمام

دوسرے مصرع میں لفظ ''بھی'' شاید اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ اس سے پہلے بھی ہجر کوئی مثنوی مکمل کر چکے تھے۔ یہ مثنوی ''قصہ مریم'' اس زمانے کے اعتبار سے کہ جب عیسائی مشنری نہایت فعّال تھے، اہمیت رکھتی ہے۔

10- عصر- میر احمد علی

یہ اپنے زمانے میں حیدر آباد کے اہم شاعروں میں سے تھے۔ نقش کے تذکرے میں لکھا ہے:

''عصر اسم گرامیش میر احمد علی بن میر بندہ علی مرحوم، از سادات حُسینی، نسبش بہ چند واسطہ بہ حضرت سید جلال الدین بخاری کہ سادات نقوی اندمی رسد، تلمیذ حضرت فیض، شاعر یست خوش گفتار، بلند پایہ، موزونیست عالی مقدار گراں مایہ......صاحب دیوان است۔''28؎

افسر امروہوی نے اس پر جو اضافہ کیا ہے، مختصراً یہ ہے:

'' عصر حیدر آبادی بیرون دروازہ علی آباد سکونت پذیر تھے، ان کے متعدد شاگردوں کا کلام گلدستۂ فیض میں پابندی سے شائع ہوتا تھا، بقول ڈاکٹر زور 1322ھ (1904) میں فوت ہوئے۔ مدفن تکیہ مغل فقیر ہے۔ غزلوں کے چار دیوان غیر مطبوعہ ہیں۔ کچھ نعتیہ کلام 1309ھ میں مطبع صفیۃ الٰہی رائچور سے شائع ہوا تھا، ایک ہزار رباعیوں پر مشتمل ایک دیوان رباعیات بھی تھا، اتنی رباعیاں اردو کے کسی شاعر نے نہیں لکھیں۔''29؎

الف- دیوان عصر کے نسخۂ آصفیہ کے تعارف میں لکھا ہے:

''دیوانِ عصر   صفحات: 694 فی صفحہ: 15 سطر
1282ھ (1865) میں دیوان مرتب کیا۔

عصر شاعر، عالم، صوفی اور صاحب ارشاد و ہدایت بھی تھے۔ اس دیوان میں ردیف وار غزلیات، رباعیات، قطعات، مخمس اور مثلث شامل ہیں۔"30

آغاز ؎

اے عصر سلسلہ ہے یہی مجھ فقیر کا   جاروب کش ہوں روضۂ پیرانِ پیر کا
شام و سحر جو نام لے پیرانِ پیر کا   کیا خوف اس کو پُرسشِ منکر نکیر کا

اختتام ؎

کوئی کیا اپنا حضوری میں نشاں بتلائے   کچھ نہ کچھ کان میں پھونکا ہے ہوا خواہوں نے
............آپ ہو فقروں میں اُڑائی جاتی

اسی دیوان کا ایک نسخہ ادارۂ ادبیات اردو میں بھی ہے۔ اس کے تعارف میں ذیل کے امور لائق توجہ ہیں:

"اس دیوان میں غزلوں کے بعد خمسے درج ہیں، یہ حصہ چوٗن صفحات پر مشتمل ہے۔ کل 365 ورق، اس دیوان میں حمد و غزلیں، فیض کی مدح و منقبت میں ہیں۔"31

اس نسخہ کی ابتدا بھی اسی غزل سے ہوئی ہے، البتہ حصۂ غزل کا اختتام ان شعروں پر ہوا ہے ؎

کھل گیا سوء مزاجی کا سبب   ترکِ عادت سے عداوت ہوگئی
عصر کس منزل سے نکلا آج چاند   مصحفِ رُخ کی زیارت ہوگئی

ب- دیوانِ رباعیات: اس کا ایک نسخہ ادارۂ ادبیات اردو میں ہے، اس کے بارے میں جو ضروری باتیں لکھی ہیں، یہ ہیں:

"دیوان عصر اوراق:144 کتابت:1313ھ(96-1895)
یہ میر احمد علی عصر قادری (1245ھ تا1322ھ) کی صرف رباعیوں کا دیوان ہے جسے انھوں نے اپنے شاگرد حاجی سید شاہ روشن علی شرف قادری شطاری کی فرمائش پر ردیف وار مرتب کیا تھا، چنانچہ ذیل کی رباعی میں کہتے ہیں۔

ہے پاس خاطر شرف ہم کو میاں   لکھا ہم نے رباعیوں کا دیواں
تھا ورنہ کسے ترانہ چار بتی کا خیال   آزادوں کو کبھی اتنی فرصت ہے کہاں"[32]

آغاز ؎

اے عصر بھلا رقم ہو کیا وصفِ خدا   کوزے میں سمائے کس طرح سے دریا
دَم مار سکے کوئی یہاں کیا مقدور   فرمائے رسولؐ جب کہ لا احصیٰ ثنا

اختتام ؎

شمر کا غم نجات کی ہے چٹھی   ہم بخشش ہر عصات کی ہے چٹھی
واللہ باللہ حبِ اولادِ رسولؐ   اے عصر مری برات کی ہے چٹھی

ج۔ مثنوی فرزندانِ مسلم

عصر کی ایک مثنوی ادارۂ ادبیات اردو کی ایک بیاض میں ملتی ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے:

"یہ دو سو دس ابیات کی ایک طویل مثنوی ہے جس میں عاصر نے حضرت مسلم بن عقیل کے دونوں فرزندوں عون اور محمد کے حالات اور شہادت کا دردناک قصہ بڑے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔"[33]

آغاز ؎

کہتے ہیں یوں راویِ شیریں زباں   غم الم ماتم زدوں کی داستاں
حضرتِ مسلم کے تھے فرزند دو   خوبصورت نیک سیرت پاک خو

خاتمہ کے اشعار ؎

عصر تو بھی کر بس اب ختمِ کلام   عرض مطلب کر کہ اے دونوں امام
دو غمِ دنیا سے اور دیں میں نجات   اور رکھو حشر میں بھی اپنے سات
اور جو حاجاتِ دینی دُنیوی   وہ بھی حل کیجیے سخی ابنِ سخی
آخرت کا جب سفر آوے مجھے   اس جہاں سے جاؤں میں ایمان سے
اور اس مجلس کے جتنے حاضرین   ان کا بھی ہو مطلب ....
یہ دعا ہے میری ربِ ذوالمنن   ہووے سب مقبول بہر پنجتن

اس مثنوی میں فرزندان مسلم کا سراپا اس طرح نظم کیا ہے ۔

گیسو اُن کے شامِ وصلِ عاشقاں صبح رحمت ان کی تھیں پیشانیاں
سرمہ آنکھوں میں نہ تھا پیسا ہوا چشمۂ نرگس پہ برسا نور تھا
لب اوپر اعجاز جن کے روبرو آبِ حیواں کو نہیں کچھ آبرو
دو دہن تھے غنچۂ باغِ جناں مجھ کو ان کی بات میں حجت کہاں
تھے دُرِ دنداں درِ اسرارِ حق ہے وہ باطل جو نہ بولے اس کو حق
خالِ رخسار آتا تھا فہمید میں تھے ستارے پہلوئے خورشید میں
تھیں الف اللہ کی دو بینیاں ناک گھسنی کرتی تھیں حوریں جہاں
کان ان کے کان بحرِ حُسن تھے ہو ثنا امکان نہیں ہر ایک سے
موے مژگاں سبزۂ جنت سے تر طائر سدرہ کے یہاں جلتے ہیں پَر
کیا سراپا اُن حسینوں کا لکھوں کس طرح دریا کو کوزے میں بھروں

عصر کی یہ مثنوی اپنے زمانے کے اعتبار سے بہت خوب اور کامیاب ہے۔

د۔محفل مولود (نظم)

ڈاکٹر زور نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''عصر کی محفل مولود سے متعلق چودہ شعر کی ایک اور نظم (اسی بیاض میں درج ہے) جس کا مقطع یہ ہے ۔

عصر تا سوزِ فراق سرورِ کونین ہے میرے سینے میں دہکتی آتشِ نمرود ہے'' 34

یہ نظم غزل کی ہیئت میں ہے اور اِسے اسی اعتبار سے دیکھنا چاہیے۔

11- وصل- غلام صمدانی

یہ بھی فیض کے شاگردوں میں سے تھے چنانچہ نقش نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''وصل تخلص، غلام صمدانی عرف بھولے صاحب از مریدانِ سید معین الدین عرف شاہ خاموش مرحوم اند ذنسبت تلمذی بہ حضرت فیض دارند، صاحب دیوان، مردم آراستہ فلاح و پیراستہ صلاح۔'' 35

افسر امروہوی نے ان کے حالات میں اس طرح اضافہ کیا ہے:

''امیر پائگاہ رفیع الدین خاں سے توسّل رکھتے تھے۔ 1279ھ (1862)
میں دیوان مکمل کیا۔ تاریخ یہ ہے۔

کہہ چکے جب غلام صمدانی تازہ دیوان یادگار جہاں
سال تاریخ فیض نے لکھا باغ دلجو ہے وصل کا دیواں

1279ھ

اسٹیٹ سینٹرل لائبریری حیدرآباد میں ان کی ایک تصنیف چراغ باطن کے
تاریخی نام سے ہے اور دوسری تصنیف جان سخن کے نام سے چھپ چکی
ہے۔''36

اول الذکر کے قلمی نسخے کے تعارف میں لکھا ہے:

''چراغ باطن صفحات: 34 فی صفحہ 9 سطر

اس مختصر مثنوی میں ایک زاہد و متقی مرد نے بادشاہ وقت کو راہ حق بتانے
میں تمثیلات کے طور پر حکایات وغیرہ بیان کی ہیں۔ آخر میں اصحاب
کہف کا قصہ اور درمیان میں آصف جاہ ناصر الدولہ بہادر اور نواب
رفیع الدین خان کی مدح نظم کی ہے۔ خاتمہ میں مصنف اور کتاب کا نام
اس طرح نظم کیا ہے۔

قصہ ان اصحاب کا آخر ہوا وصل اب تو مانگ لے حق سے دعا
جب کہ میں نے قصہ یہ سب لکھ چکا پھر کیا تاریخ کی خواہش ذرا
بے تامل آئی دل سے یہ ندا یہ چراغ باطن اب روشن ہوا

1266ھ

ہے چراغ باطن اس کا نام بھی مادہ تاریخ کا بھی ہے یہی
نام اس کا یہ رکھا ہوں اس لیے تا کہ اس سے جان و دل روشن رہے''37

آخر میں ان دعائیہ شعروں پر مثنوی کو شاعر نے ختم کیا ہے۔

شمع سے جیسا منوّر ہے مکاں — یا رب اس سے بھی روشن قصر جاں
جو کوئی اس کے تیئں یا رب پڑھے — اس کے دل پر نور وحدت کا پڑے

مثنوی کا آغاز اس طرح ہوا ہے:

بعد حمد حضرت ربّ العلیٰ — اور نعتِ پاک احمد مصطفیٰ
قصہ میں لکھتا ہوں زاہد کا عجیب — کر قبول اس کو تو اے میرے مجیب

حکایت زاہد

ایک زاہد تھے بڑے مردانہ مَرد — متقی پرہیزگار و اہل درد

افسوس ہے کہ ''جانِ سخن'' کے بارے میں ہمیں معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ بہرنوع غلام صمدانی وصل باصلاحیت شاعر تھے لیکن یہ قسمت کی بات ہے کہ انھیں شہرت حاصل نہیں ہوسکی۔

مذکورہ معلومات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں حیدرآباد میں جو مثنویاں لکھی گئی تھیں، بیشتر مذہبی تھیں۔ عشق مجازی کے موضوعات سے متعلق مثنویاں بہت کم لکھی گئی تھیں۔

نثر

الف - سوانح

وہ زمانہ تھا جب جنوبی ہند کے علاقوں میں چھوٹی بڑی ہندوستانی ریاستیں تیزی سے انگریزی عملداری میں ضم ہوتی جارہی تھیں۔ ایسے میں اپنے شاندار ماضی کی یادوں کو محفوظ کر لینے کی خواہش تیز ہونے لگی چنانچہ اکثر لوگوں نے ضمناً اپنے حالات قلمبند کرنے کی کوشش کی اور بعض نے اپنی اور دوسروں کی سوانح تفصیل کے ساتھ لکھ ڈالی تھیں۔ اس طرح اردو نثر میں ہر قسم کی سوانح نگاری کے چھوٹے بڑے نمونے وجود میں آنے لگے۔ اس سلسلے میں شہید اور شاداں کی خودنوشت کا ضمناً ذکر کیا جاچکا ہے۔

1- شاداں- چندولال

مہاراجا چندولال شاداں کی خودنوشت سوانح کے کچھ اقتباس شروع میں نقل کیے گئے ہیں۔ عبدالجبار ملکاپوری نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے:

" آپ (مہاراجا چندولال) کو تالیف کا شوق تھا، آپ کی تالیف سے ایک کتاب مسمّیٰ بہ عشرت کدۂ آفاق ہے۔ آپ نے کتاب میں اپنے خاندان و

ملازمت کا حال لکھا ہے اور چند حکایتیں مختلف المضامین بطور پند و نصائح لکھی ہیں اور ہر ایک حکایت کے آخر میں ایک ایک شعر لکھے ہیں جس سے حکایت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کتاب مطبوع ہو چکی ہے۔" 1

شاداں کی اس کتاب کا ایک اقتباس یہ ہے:

"جب میرے والد ماجد نے دنیائے فانی سے عالم بقا کو رحلت کی اس وقت میری عمر دہ سالہ تھی۔ ہماری تربیت و تعلیم کے سرپرست عم بزرگ نانک رام ہوئے اور ہمارے حال پر نہایت محبت و الفت رکھتے تھے، پدرانہ ہمارے ناز اٹھاتے تھے، ہم کو ایسے آرام و عیش سے رکھا کہ ہم باپ کو بھول گئے، ہم چچا ہی کو باپ سمجھتے تھے۔"

اس اقتباس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاداں کو زبان پر قدرت حاصل تھی لیکن غالباً اپنے منصب اور حیثیت کا خیال کر کے وہ عمداً زبان کو بھی معزز اور موقر بنانے کی کوشش کرتے تھے اور اس مقصد سے اکثر مقامی اور بول چال کے لفظوں کے بجائے فارسی کے الفاظ لاتے تھے چنانچہ انھوں نے دس سالہ کی جگہ دہ سالہ اور بڑے چچا کے بجائے عم بزرگ لکھنے کو ترجیح دی تھی۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی زبان مصنوعی معلوم ہونے لگتی ہے۔

2- ہجر- غلام امام خاں

غلام امام خاں ہجر کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ شاعر سے زیادہ نثر نگار تھے چنانچہ ان کی نثری تصانیف کئی ہیں اور موضوعات بھی مختلف ہیں۔ سوانح کے نقطۂ نظر سے ان کی کتاب مدح شمسیہ زیادہ قابل توجہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے:

"مدح شمسیہ مصنفہ غلام امام خاں ہجر سال تصنیف 1279ھ (63-1862) اس کتاب میں نواب فخر الدین خاں شمس الامرا امیر پائگاہ کے حالات اور ان کے بعض اقوال لکھے گئے ہیں۔ یہ گویا ان کی سوانح عمری بھی ہے اور روزنامچہ بھی۔" 2

آغاز کتاب......

''قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی جَلَّ شَانُهٗ : کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ الخ جہاں جہاں فانی

ہے، نہ جائے جاودانی، یہ کارواں سرا ہے۔ یہاں جوآتا ہے جاتا ہے ؎

ناف کٹتی ہے ادھر اور لاش گرتی ہے اُدھر جو کہ زچگی خانہ ہے اک روز ماتم خانہ ہے''

اختتام کتاب......

''حسینی بیگم لا ولد ہیں لیکن محمد فیض الدین خان بہادر ان کے آغوشی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو سلامت و با کرامت یک صدوی سال قائم رکھے۔ آمین،

آمین۔''

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اردو نثر پر فارسی کا غلبہ تھا چنانچہ ہجر نے بھی اس کتاب میں شاداں کی طرح فارسی کے الفاظ کو ترجیح دی ہے چنانچہ ایک سوتیں برس کے بجائے انھوں نے ''یک صدوی سال'' لکھنا پسند کیا۔ اکثر موقعوں پر عبارت مقفّی اور مسجع بھی ہے۔

حیدرآباد کے بعض اور صاحبانِ قلم نے اپنی کتابوں میں اپنے اور کچھ اور لوگوں کے حالات بھی مختصراً تحریر کیے ہیں۔

ب - تاریخ

1- ہجر- غلام امام خاں

تاریخ کے موضوع سے متعلق اس دور میں سب سے زیادہ کام غلام امام خاں ہجر ہی نے کیا ہے، ان کی بعض تصانیف یہ ہیں:

تاریخ رشید الدین خانی

یہ دکن کے علاقوں کی معروف و مقبول تاریخوں میں سے ہے۔ اس کے قلمی نسخے ادارۂ ادبیات اردو سالار جنگ اور اسٹیٹ سینٹرل لائبریری حیدرآباد وغیرہ میں محفوظ ہیں، اس کے شروع میں فہرست مضامین کے بعد سید محمد حسین اغلب موہانی کا لکھا ہوا دیباچہ ہے جس کے آغاز کی عبارت اس طرح ہے:

''...... یہ کتاب مسمیٰ رشید الدین خانی ایک بسیط اور مکمل اور نہایت مستند اور معتبر تاریخ شاہان ہند اور دکن ہے جس کو مولوی غلام امام خاں ہجر تخلص نے مورخانہ اور عالمانہ تحقیقات سے تالیف و تصنیف کیا تھا۔''

مصنف نے کتاب کو ان کلمات سے شروع کیا ہے:

''حمد اس خدائے برحق کو زیبا ہے جس نے انتظام و اہتمام مملکت عقبیٰ کا حکام

وسنِ مبین اور انبیائے مرسلین اور اولیائے راشدین کو مرحمت کیا اور نظم ونسق دنیا
کا بادشاہ کیا..... کمال دہر ہوا، ختم نوع انساں پر ہے۔ اس میں ذات محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی سب سے افضل تر۔

کیا جو فکر تو معلوم یوں ہوا اے ہجر   سوائے خالق اکبر وہ سب سے ہے اکبر" 2

نصیر الدین ہاشمی نے اس کتاب کے تعارف میں مفید معلومات قلمبند کی ہیں:

"تاریخ رشید الدین خانی کو عام طور سے تاریخ دکن میں شمار کرتے ہیں مگر دراصل یہ ہندوستان کی تاریخ ہے۔ یہ تاریخ کئی فصل میں تقسیم کی گئی ہے اور پھر ہر فصل چند شعبوں میں منقسم ہے، پہلی فصل میں بارہ شعبے ہیں۔ ان میں قدیم ہندو راجاؤں کا حال لکھا گیا ہے۔ دوسری فصل میں پندرہ باب ہیں، ان میں بھی راجگانِ ہند کا حال ہے جو زمانہ مابعد میں ہوئے ہیں۔ تیسری فصل دس باب میں منقسم ہے۔ مسلمان سلاطین کا حال ہے۔ خاندان غزنوی سے لے کر مغلیہ خاندان تک ں میں آ گیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے حال پر باب ختم ہوتا ہے۔ 4 فصل میں 8 شعبے یا باب ہیں۔ اس فصل کو دکن کی تاریخ پر مختص کر دیا گیا ہے۔ بہمنی خاندان سے آغاز ہے، پھر عادل شاہی، قطب شاہی، بریدشاہی، عماد شاہی، نظام شاہی کے بعد خاندانِ آصفیہ کا تذکرہ ہے۔ آصف جاہ اول سے آصف جاہ رابع ناصر الدولہ کے انتقال تک اس میں حال درج ہے۔ اس کے بعد کی فصلوں میں دکن کے بعض مشہور قلعوں، مشہور مقاموں، آثار قدیمہ، مشہور ہستیوں کا حال درج ہے۔ پھر بعض شہروں کے حال پر کتاب ختم ہوتی ہے لیکن اصل کتاب کے اختتام کے بعد ٹیپو سلطان اور انگریزوں کے حالات اور ان کی جنگوں کی صراحت کی گئی ہے......
غلام امام خاں نے شمالی ہند کی اردو کے مطابق کرنے کے لیے اغلب موہانی سے مدد لی ہے چنانچہ یہ نسخہ اغلب موہانی کا مصحح ہے، اس لیے اہمیت رکھتا ہے۔"

اختتام کتاب کی عبارت یہ ہے:

"تاریخ وفات غرہ تیر ماہ الٰہی 1266 فصلی مطابق بائیس رمضان 1273ھ

اور مکانِ رحلت دارالریاست حیدرآباد، مرقد مکہ مسجد بائیں طرف غفراں مآب کے اور لقب بعد وفات غفران منزل ہوا۔''

ہجر نے یہ کتاب نواب رشید الدین خاں اقتدار الدولہ وقار الامرا کی فرمائش پر لکھی تھی۔ آغاز اس کا 1269ھ (1853) میں ہوا تھا اور 1273ھ (1857) میں یہ مکمل ہوئی تھی۔ یہ دوبار چھپ چکی ہے۔

شش صوبہ جاتِ دکن

ڈاکٹر زور نے رشید الدین خانی کے قلمی نسخہ کے تعارف میں لکھا ہے:

''اس کے بعد دو صفحات خالی چھوڑ کر شش صوبہ جات دکن کے فرد ہائے جمع کامل نقل کیے ہیں جو مطبوعہ تاریخ رشید الدین خانی کے صفحات 428 تا 430 کے مطابق ہیں۔ یہ حصہ چودہ صفحات پر مشتمل ہے، ان میں سے بعض فردیں تاریخ رشید الدین خانی میں موجود نہیں ہیں۔''4

شش صوبہ جات دکن کے نام سے ہجر نے الگ سے ایک رسالہ بھی لکھا تھا جو صرف اٹھارہ ورق پر مشتمل ہے، اس کے ذکر میں ڈاکٹر زور نے تحریر کیا ہے کہ:

''یہ ایک دوسری تالیف ہے اور اس میں بعض جگہ (ہجر نے) اپنی پہلی تالیف کا ذکر کیا ہے مثلاً ایک جگہ لکھا ہے۔ احوال بہمنیوں کا تو سب راقم نے رشید الدین خانی میں کہہ دیا ہے، حاجت تکرار کی کیا ہے..... اس میں دکن کے حسب ذیل صوبوں کے حالات میں شہروں کی خصوصیات، باشندوں کی تفصیلات اور آمد و خرچ کے حسابات وضاحت سے لکھے ہیں:

1- صوبہ محمد آباد بیدر — 4- صوبہ بیجاپور
2- صوبہ فرخندہ بنیاد حیدر آباد — 5- صوبہ خاندیس برہانپور
3- صوبہ خجستہ بنیاد اورنگ آباد — 6- صوبہ برار''

آغاز کتاب

''بعض کا قول ہے کہ اس ملک کو دکن اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ جنوب رویہ ہند کے واقع ہے اور دکن زبان ہندی میں جنوب کو کہتے ہیں.....''

خاتمۂ کتاب کی عبارت......

''اب نامہ نگار ثانیاً تعداد اور صوبہ جات دکن کا مع مداخل ومخارج عہد اسلام کی دوسری کتاب سے بیان کرتا ہے۔ سن بعد بُعد ہر ایک صوبہ کا دوسرے سے جو بائیس صوبوں میں باہم دیگر واقع ہے گزارش کرے گا۔''

اس کتاب میں شہر حیدرآباد کے مصنف کے زمانے میں زبان کی کیفیت کا جو بیان کیا گیا ہے، وہ قابل توجہ ہے:

''زمانۂ کثیر سے سب جاے کے مسلمان لوگ ہندی اردو بولتے ہیں مگر اردو زبان ایسی نہیں ہے جو ہر کوئی بولے، اپنے اپنے حوصلہ کے موافق بولتے ہیں۔ ان میں شعرائے فصیح ہیں اور خاص اردو تو شہر لکھنؤ کی خاص ہے، سو وہاں کے لوگ بھی سیکھنے میں مشقت اٹھاتے ہیں اور حیدرآباد اور اس کے اطراف د جوانب میں خصوص بیجاپور میں دکنی زبان تھی، وے لوگ اپنے روز مرہ کے موافق اس زمانہ میں کتابیں نظم ونثر لکھے ہیں، ان میں ولی اور سراج یہ دونوں شاعر فصیح تھے، اب ہر چند کہ لوگ یہاں کے اردو نہیں جانتے پر ان کی زبان پر ہنستے ہیں مگر اب کے شاعر یہاں کے چونکہ بہت شعرا ہند کے یہاں آئے ہیں، ان سے صحبت رہی ہے اور دوانین (دواوین) متقدمین کے دیکھتے ہیں، اردو سیکھتے ہیں اور یہاں کے استادوں سے سند کرتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بعض قائل یہاں کے لفظ فارسی عربی گفتگو میں ملاتے ہیں اور تس پر فخر کرتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ یہ کمال عیب ہے۔ نامہ نگار نیں 30 سال سے درپے اصلاح اپنی زبان کے ہے بلکہ اس میں ایک رسالہ لکھا ہے کہ بکار آمد دوسروں کا ہو اور تانیث وتذکیر کا امتیاز پیدا کریں۔ پوربی کا حرف اس کی جا پر استعمال کریں اور قدیم زبان تلنگی، مرہٹی، کنٹری ہندو لوگ کہا کرتے ہیں اس کو معیوب جانتے ہیں اور بعضے ہلکے پیشے کے مسلمان شاگرد پیشہ کے لوگوں میں سے جو کوئی زبان سیکھ لیتا اس کو بہت حقیر جانتے ہیں۔ اب زبان یہاں کی بہت ہوئی ہے اور

آئندہ توقع ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہاں لکھنؤ کی بھی زبان روز بہ روز متغیر ہوتی جاتی ہے کہ اب نہایت درجہ فصاحت کی ہے، نہیں معلوم آگے کیا ہو۔"

ہجر نے تلنگی (تیلگو)، مرہٹی (مراٹھی) اور کنڑی کو ہندوؤں کی بولی کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان کسی قوم یا فرقہ کی ملکیت نہیں ہوتی ہے اور مسلمانوں کا معاملہ تو خصوصیت سے یہ رہا ہے کہ جس علاقے میں گئے وہاں کی زبان کو اپنا لیا چنانچہ فارسی اور تُرکی کا حال سامنے ہیں۔ سنسکرت کی تصانیف کے تحفظ کے سلسلہ میں انھوں نے جو کارنامے انجام دیے ہیں وہ نہایت قابل فخر ہیں۔ سنسکرت کے علاوہ مقامی زبانوں مثلاً اودھی وغیرہ کی تصانیف بیشتر مسلمانوں کی ہیں۔ سندھی، تمل اور ملایالم وغیرہ زبانوں کے لیے مدتوں سے عربی خط کا استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ مراٹھی اور تیلگو کا معاملہ بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ اکثر لوگ اپنے برائے نام سے علم و مطالعہ کو کُل خیال کر کے ایسے دعوے کر بیٹھتے ہیں جو نہایت غلط اور گمراہ کن ہوتے ہیں۔

ہجر نے اغلب موہانی سے استفادہ کیا تھا اس لیے لکھنؤ کی زبان کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اغلب کے حالات معلوم نہیں لیکن ان کا تخلص اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ انھوں نے مرزا اسد اللہ خاں غالب کا جواب پیش کرنے کی کوشش کی ہوگی اور اسی کوشش میں انھوں نے اہل دہلی کی زبان کو بھی نظر انداز کر دیا ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ بہادر شاہ بادشاہِ دہلی اور ناصر الدولہ، آصف جاہ رابع والیِ دکن کے زمانے میں شاہ نصیر وغیرہ اساتذہ دہلی کی شاعری اور زبان دانی کی دھوم رہی ہے اور حیدرآباد میں ان کے تلامذہ بھی خاصی تعداد میں تھے۔

تاریخِ خورشید جاہی

یہ غلام امام ہجر کی آخر زمانہ کی تصنیف ہے، اس کا جو قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"صفحات: 291 فی صفحہ: 12 سطر نسخہ: ناقص الاول

سال تصنیف و کتابت: 1284ھ (86-1887)

یہ بھی سلطنت آصفیہ کی تاریخ ہے۔ اس کے مقدمہ میں علم تاریخ کے فوائد بیان کیے ہیں، پھر ہندوستان کے سولہ صوبوں کے تاریخی اور جغرافیائی حالات درج کیے ہیں۔ دوسرے باب میں

دکن کے 6 صوبوں کا تذکرہ ہے یعنی بیدر، حیدرآباد، برار، بیجاپور، خاندیس، اورنگ آباد کے اضلاع، مشہور شہر، صوبوں کی آمد وخرچ یعنی مداخل ومخارج وغیرہ درج ہیں۔ صوفیا کو بھی صوبوں کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے۔ آخر میں جنگ آزادی 1857 کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔''

ختم کتاب کے کلمات یہ ہیں:

''.....آخر کار اس مقام کو ولی داد خان نام ایک شخص جو قرابتی شاہ دہلی کا تھا، اور اس پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا یہ صاحب لوگ سب میرٹھ کو چلے گئے۔''

ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

''بتاریخ ہفت دہم روز چہار شنبہ بعد نماز اشراق ماہ جمادی الاول 1284ھ از افضال الٰہی تعالیٰ شانہ از تسوید تبییض ونظر ثانی وثالث وتصحیح فہرست وسرخی بہ ہمہ وجوہ فراغ حاصل شد جل جلالہ مقبول قلوب انام گردان۔''

یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

2- تمیز- بدرالدین خاں

بدرالدین خاں تمیز کا ذکر شاعر کی حیثیت سے کیا جا چکا ہے، انھوں نے اردو اور فارسی نثر میں بھی چند رسالے تصنیف وتالیف کیے تھے۔ ڈاکٹر زور نے لکھا ہے:

''تمیز کی چند اور کتابیں بھی موجود ہیں۔ ایک تمیز اللسان فارسی رسالہ ہے، اس کے دیباچہ میں لکھا ہے:

.....اما بعد میگوید ذرہ کمترین محمد بدرالدین المتخلص بہ تمیز ایں رسالہ مشتمل بر لغات عربی وفارسی وترکی وہندی است برائے مطالعہ طالبان اختلاف السنہ در حیز تحریر برآوردہ تمیز اللسان نام نہادہ بر یک مقدمہ وہشت باب و یک خاتمہ ترتیب دادم۔''6

اس اقتباس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں حیدرآباد میں تین چار زبانوں کے جاننے اور سیکھنے والوں کی تعداد خاصی تھی۔ یہ زبان اردو کا امتیاز ہے کہ اس کے مصنف اور شاعر ہر زمانے میں عموماً دو سے زائد اور اکثر تین سے سات بلکہ ان سے بھی زیادہ زبانوں کے جاننے

والے رہے ہیں۔ اس مقام پر یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ساہتیہ اکیڈمی دہلی کی ''اے ہسٹری آف انڈین لٹریچر'' کی جلد ہشتم کے لیے راقم نے اس زبان کے اس امتیاز کی بات معتبر حوالوں کے ساتھ لکھ کر بھیجی تھی لیکن اس کو کتاب میں (غالباً بربنائے حسد) شامل نہیں کیا گیا۔

تاریخ کے موضوع سے متعلق تمیز کی ایک اہم کتاب ''وقایع معظمیہ'' ہے، اس کے بارے میں زور صاحب نے جو لکھا ہے یہ ہے:

> ''وقائع معظمہ آصف جاہی تاریخوں مین خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ 1252ھ میں تکمیل کو پہنچی۔ اس میں خاندان آصفیہ کے شجرے نہایت تلاش اور صحت سے لکھے ہیں اور خاص خاص افراد خاندان کے مختصر حالات اور خطابات اور تاریخیں بھی لکھی ہیں۔ دیباچے میں ہے...... در ذکر حسب ونسب مغفرت مآب آصف جاہ اول واولادش وعشائر واقارب نواب مذکور بہ سعی بسیار وتلاش بے شمار انچہ کہ بہ دریافت رسید بہ پاس خاطر مولوی میر حافظ شمس الدین فیض ومیر عبداللطیف حکیم پرداختم...... تمیز کی اس اہم تاریخی کتاب شجرۂ آصفیہ وقائع معظمیہ کا یہ نسخہ تصنیف کے صرف بارہ سال بعد خوشخط نستعلیق میں خاص اہتمام سے عمدہ کاغذ پر لکھا گیا ہے۔''[6]

فارسی میں ہونے کے باوجود اس کی اہمیت پر خیال کر کے اس کا ذکر اس جگہ مناسب معلوم ہوا۔

ج - مذہب

ایک ناقابل فراموش حقیقت یہ ہے کہ عامۃ الناس کے فائدہ کے لیے زبان اردو کی تشکیل اور ترویج بزرگان مذہب اور صوفیائے کرام کی توجہ اور دور اندیشی کی بدولت عمل میں آئی تھی چنانچہ مذہب کے موضوعات سے متعلق اس زبان میں ہر زمانے میں تصنیف، تالیف اور ترجمہ وغیرہ کا کام کم وبیش کیا جاتا رہا ہے۔ ناصر الدولہ کے عہد میں حیدرآباد میں بھی متعدد کتابیں لکھی گئی تھیں۔ یہاں صرف بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- عصر- میر احمد علی

میر احمد علی عصر تخلص کا شاعر کی حیثیت سے ذکر کیا جاچکا ہے۔ شاعر ہونے کے ساتھ یہ علم دوست شخص بھی تھے چنانچہ سید انشاء اللہ خاں انشا کے دیوان کو انھوں نے اپنے لیے خود نقل بھی کیا تھا۔ عصر اردو نثر لکھنے پر بھی قادر تھے چنانچہ ان کی ایک کتاب ''بوارق حقیہ قادریہ'' کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ کتاب خانہ آصفیہ کے نسخے کا ترقیمہ قابل توجہ ہے:

''تمام شد نسخہ ہذا من تالیفات عارف کامل، عزیز ہر دل، فارق حق و باطل حدیقۂ مروت...... سخنور نازک خیال، ماہر ہر فضل و کمال اعنی سیدی وسندی و استادی ومولائی، مقبول بارگاہ لم یزلی جناب میر احمد صاحب المتخلص بہ عصر دام

ظلم ...... بتاریخ دویم بروز یکشنبہ دوقت سہ پہر بماہ ذیقعدہ 1193ھ در عہد
نواب میر محبوب علی خاں بہادر رئیس دکن ...... برائے یادگار بخط میر بندہ علی
سادات حسینی ترتیب تسطیر یافت ......" 7

اس کتاب کے نسخۂ کراچی کے تعارف میں افسر امروہوی نے جو لکھا ہے مختصراً اس طرح ہے:

"بوارق حقیہ قادریہ کی وجہ تالیف مصنف نے یہ بیان کی ہے کہ وہ ایک روز کسی مقامی رئیس کے یہاں مدعو تھے، وہاں مختلف شعب طریقت کی بحث چھڑ گئی، ایک صاحب نے جو مسکین شاہ صاحب نقشبندی مجددی کے مرید تھے اپنے مشرب کی تعریف کی اور دعویٰ کیا کہ طریقہ مجددیہ نقشبندیہ ہمارا اعلیٰ اور افضل تر ہے کیونکہ وہ سلسلہ پہنچتا ہے حضرت صدیق اکبرؓ کے اور وہ افضل بشر اور خلیفۂ اول ہیں۔ بعد سرور عالمؐ کے یہ افضلیت سلسلۂ قادریہ کو نصیب کہاں کہ وہ سلسلہ جناب مرتضیٰ کو پہنچتا ہے اور وہ آخری خلیفہ ہیں اور جیشی مراتب خُرد او پر بزرگ کے کسی وجہ سے ممکن نہیں ہے۔ عصر نے اس کتاب میں حضرت صدیق اکبرؓ کے مرتبۂ اعلیٰ کے اقرار کے ساتھ طریقہ قادریہ کو افضل تر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ موقع بہ موقع احادیث کے حوالے بھی ہیں۔ مخطوطۂ ہذا غالباً مصنف کا اصل مسودہ ہے۔ معمولی اور رواں خط میں لکھا گیا ہے۔ آخر میں مصنف نے دو قصیدے حضرت پیران پیر دستگیر کی شان میں لکھے ہیں۔" 8

آغاز کتاب ......

"حمد وافر سزاوار ہے خالق برحق کو جس نے حق کو باطل شکنی کے لیے پیدا کیا۔
جل شانہ واعظم برہانہ ؎

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا | حقا کہ سر ہے نگوں لوح پہ تحریر قلم کا
الٰہی کیا تیری شان ہے | متحیر جس میں انسان ہے"

احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا،
تا راہ صواب کی بتلائیں اور تمیز حق وباطل کی سکھلائیں ؎

محمدؐ ہے ساری خدائی کا نور نہ ہوتے محمدؐ نہ ہوتا ظہور"

عبارت ختم کتاب......

"......اور اس ناچیز کا قوہ سے عمل میں آنا اور مجاز سے طرف حقیقت کے رجوع ہونا مشتے نمونہ از خروارے، انھیں کی تعلیم و تربیت کا فیض ہے اور یہ سب انھیں کی زلہ برداری اور نعلین کا صدقہ ہے دگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم...... یاارحم الراحمین۔"

بتایا گیا ہے کہ اس کتاب میں فرقۂ وہابیہ کے عقائد کا رد لکھا گیا ہے۔ زبان اس کی صاف اور نثر اس کی نظم آمیز ہے۔

2- محی الدین- سید محی الدین قادری

ان کی اس تصنیف شرف الصحابہ ترجمہ براہین قاطعہ کا مذکور ملتا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے جس کے تعارف میں لکھا ہے:

"صفحات: 480 13 سطر فی صفحہ مصنف: سید محی الدین قادری

سال تصنیف 1256ھ (1840)

مصنف کے والد کا نام سید محمد علی ابوالبرکات تھا اور وہ سید شاہ شمس الدین کے فرزند تھے۔ پھلواری (متعلق عظیم آباد پٹنہ) وطن تھا، جہاں سے وہ آصف جاہ رابع ناصر الدولہ کے زمانے میں حیدر آباد آئے اور حکیم سید محمد صاحب مشہور بہ سید صاحب کے واسطے سے آصف جاہ کی خدمت میں پہنچے اور منصب پایا...... انھوں نے براہین قاطعہ کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ براہین قاطعہ عربی کتاب صواعق محرقہ کا فارسی ترجمہ ہے جو علامہ ابن حجر عسقلانی کی 950ھ (1543) کی تصنیف ہے۔ ابراہیم عادل شاہ کے زمانے میں 994ھ میں مولانا کمال الدین ابن فخر الدین نے براہین قاطعہ کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا، پھر محمد محی الدین قادری نے یہ اردو ترجمہ کیا۔ اس میں سرخی سے عربی آیت یا عبارت درج ہے اور پھر اردو ترجمہ لکھا ہے۔"

آغاز کتاب کی عبارت یہ ہے:

"شکر و سپاس اس پاک پروردگار کو لائق ہے جس نے اٹھارہ ہزار عالم کو مخلوق کر کے اپنی قدرت کا تماشا دکھایا اور پیغمبرانِ مرسل کو واسطے ہدایتِ مخلوق کے بھیجا اور امر فرمایا کہ بندگی و اطاعت میں پروردگار کی رات اور دن سرگرم رہیں۔"

کتاب کے دیباچہ میں مذکور ہے:

"الشیخ شہاب الملۃ والدین احمد الشہیر ابن الحجر الہاشمی المکی کتاب صواعق محرقہ تصنیف فرمائے..... بیچ 994ھ مولانا کمال الدین ابن فخر الدین جہرنے بیچ زمانہ ابوالمظفر ابراہیم عادل شاہ بادشاہ ملک دکن و بہ فرمائش وزیر بادشاہ مذکور دلاور خاں عادل شاہی کے صواعق محرقہ کو فارسی زبان میں ترجمہ کیے اور نام اس کا براہین قاطعہ در ترجمہ صواعق محرقہ رکھے.... سید محی الدین قادری..... بیچ 1256ھ (1840) روز دوشنبہ غرہ شہر ربیع الاول میں اس کو زبان ہندی اردو سے اردو میں کیا۔"

بتایا گیا ہے کہ اس کتاب میں صحابہ کی فضیلت کا تذکرہ ہے یعنی اسے شیعہ مذہب کے مسائل کا رد تصور کرنا چاہیے۔ نسخہ کے آخری کلمات اس طرح ہیں:

"جب ان لوگوں نے مجھ سے کلمہ سُنا جلدی نزدیک میرے آکر تکبیر پڑھنے لگے اور کہے بشارت ہوئی جو تم کو عمر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ کے دن یہ دعا فرمایا تھا اللھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیک ابوجہل اوعمر یعنی بار خدا یا قوت دے اسلام کو.........."

3- ہجر- غلام امام خاں

غلام امام خاں ترین ہجر تخلص شاعر اور مورخ ہونے کے علاوہ مذہبیات کے بھی عالم تھے چنانچہ انھوں نے بعض مذہبی موضوعات سے متعلق فارسی اور اردو میں نثری رسالے بھی لکھے تھے۔ افسر امروہوی نے ان کے ایک فارسی رسالہ محی الصلوۃ کا ذکر کیا ہے جو 1274ھ میں چھپا تھا۔ اردو میں ان کا ایک مختصر رسالہ "ارشاداتِ ابراہیمی" ہے جس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ انجمن ترقی

اردو پاکستان میں موجود ہے۔اس کے تعارف میں افسر امروہوی نے جولکھا ہے مختصراً یہ ہے:

''ارشادات ابراہیمی 6 صفحے سال تصنیف:1268ھ(1852)

یہ ابراہیم علی شاہ نامی ایک بزرگ کے ان ملفوظات ومقولات کا مجموعہ ہے جو ہجر کے سوالوں کے جواب میں درج ہیں.....بعض سوال منقول نہیں ہیں البتہ ان کا جواب موجود ہے۔ان سوالوں کو مقدر لکھ دیا ہے۔''10

آغاز کتاب ان جملوں سے ہوا ہے:

''بعد ہدیہ کرنے حمد دوگاہ میں خلاق گلزار وجود کے اور بعد پہنچانے محمد مصطفیٰ پر درود نا محدود کے واضح ناظرین ہو کہ قبل اس کے ایک درویش صفا کیش ابراہیم علی شاہ نام قدس سرہٗ چندے مقیم غریب خانہ راقم تھے اور یہ نیاز مند درگاہ ایزدی غلام امام ترین المتخلص بہ ہجر نے ان سے بیعت بھی کی تھی.....''

رسالہ ان کلمات پر ختم ہوا ہے:

''سوال (مقدر)

جواب: تن میں انسان کے سات روز ہیں جمعہ گردہ، شنبہ تلی، یکشنبہ دل، دوشنبہ شش، سہ شنبہ زہرہ چہار شنبہ مغز، پنجشنبہ جگر۔مراد کتاب سے اصطلاح فقرا میں وجود ہے اور ورد سے مقصود امید وبیم۔''

اختصار کے باوجود یہ رسالہ معاملات تصوف کی تفہیم کے سلسلے میں مفید ہے اور زبان بھی اس کی صاف اور رواں ہے۔

د - قواعد وغیرہ

1- ہجر- غلام امام خاں

غلام امام خاں ترین ہجر تخلص نے اپنی تصنیف ''شش صوبہ جات دکن'' میں لکھا ہے کہ:

''نامہ نگار (ہجر) تیس سال سے درپے اصلاح اپنی زبان کے ہے بلکہ اس میں ایک رسالہ لکھا ہے کہ بکار آمد دوسروں کا ہو اور تانیث وتذکیر کا امتیاز پیدا کریں.....''11

ہجر کا یہ رسالہ تا حال نایاب ہے۔ اگر دستیاب ہو جاتا تو ہجر کے 30 برس کے تجربہ اور کاوش کا یہ ماحصل مفید ہوتا۔

2- تمیز- بدرالدین خاں

بدرالدین خاں تمیز کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ قواعد زبان اور عروض وغیرہ پر ان کی اچھی نظر تھی چنانچہ ان کے فارسی رسالہ تمیز اللسان کا بھی مختصراً ذکر کیا جا چکا ہے۔ عروض وغیرہ سے متعلق بھی انھوں نے ایک کتاب لکھی تھی۔ ڈاکٹر زور کا بیان ہے:

''بدرالدین خاں نے ایک کتاب علم عروض پر بھی لکھی تھی جس میں اقسام شعر کی تشریح اور شاعرانِ عجم کا کلام بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ بعض اردو شاعروں کے

کلام کی توضیح بھی اردو میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب 1246ھ (1830) میں
شمس الامرا کے سنگی چھاپہ خانہ میں چھاپی گئی تھی۔''12
یہ کتاب بھی اب دستیاب نہیں ہے۔

۵ - حکایات

حیدر آباد میں حکایتوں اور نقلوں وغیرہ سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں لی گئی تھی۔ صرف ایک دو کتابیں لکھی گئیں لیکن ان کے بارے میں بھی تفصیلی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ نصیرالدین ہاشمی نے اس سلسلے کی ایک کتاب کے بارے میں جو لکھا ہے، مختصراً یہ ہے:

"شمس النصائح　　صفحے: 361　　فی صفحہ: 11 سطر

مصنف: نامعلوم　　سال تصنیف: 1269ھ (1853)

کتاب شمس الامرا کے دار الترجمہ سے متعلق ہے...... اس میں چند نصائح اور نصیحت آمیز حکایتیں درج ہیں۔" 12

کتاب کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے۔

"سزاوار حمد وہ خالق اکبر ہے کہ جس نے وجود خاک کو قدرت سخن گوئی اور سخندانی کی دی اور قابل نعت وہ سرور کائنات ہیں کہ جس سے کتاب دین اسلام کے ساتھ احادیث ہدایت کی مرتب ہوئی۔ امابعد اہالیان دانش و بینش پر مخفی نہ رہے کہ یہ ایک رسالہ چند حکایات نصیحت آمیز حسب الحکم نواب صاحب قبلہ نواب شمس الامرا بہادر امیر کبیر مد ظلہ العالی کے سن بارہ سو انہتر ہجری میں

مرتب ہوا۔ الحمدللہ رب العلمین ۔"

اور اس کا اختتام ان کلمات پر ہوا ہے:

" خلاصہ یہ ہے کہ جو کوئی ان نصیحتوں کے اوپر عمل رکھے گا دین اور دنیا کی سعادت اور سرخروئی حاصل کرے گا۔"

یہ مجموعہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بہت مفید رہا ہے۔

بچوں کی تعلیم سے متعلق شمس الامرا کے مطبع سے ایک اور کتاب چھپی تھی، اس کا قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں موجود ہے، اس کے بارے میں افسر امروہوی نے جو معلومات قلمبند کی ہیں ۔ مختصراً یہ ہیں:

"مجموعہ تعلیم الصبیان صفحات: 81 فی صفحہ:8 سطر

سال تصنیف: 1263ھ (1847) کیفیت: ناقص الآخر

یہ مختلف لوگوں کے لکھے ہوئے 17 رسالوں کا مجموعہ ہیں، 1263ھ میں شمس الامرا کے سرکاری مدرسہ میں چھپا تھا۔"

اس مجموعہ کے آغاز کی عبارت یہ ہے:

" مجموعہ تعلیم الصبیان، دریں مجموعۂ کثیر المنفعت ہفدہ نسخہ از مصنفات و مولفات بزرگان پیشین یازدہ تقطیع وقطعات بہ حروف جلی برائے مشق وقاعدۂ رسم الخط ہندی۔"

و - علوم وفنون ہندوستانی

یہ غلط خیال بہ وجوہ بہت عام ہو گیا ہے کہ ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں کی دلچسپیاں مذہب اور شعر و شاعری یا داستان طرازی تک محدود تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے کی درسیات میں مشرقی علوم وفنون اور صنعت کاری وغیرہ کو بھی اپنے اپنے حلقوں میں دخل حاصل رہا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ کا بیشتر تحریری سرمایہ امتدادِ زمانہ سے ضائع ہو چکا ہے، بعض کتابوں کا وجود صحیح صورت حال کی غمازی کرتا ہے۔

1- رئیس العناصر

یہ غلام امام خاں ترین ہجر تخلص کی تصانیف میں سے ہے۔ اس کے آغاز میں، انھوں نے لکھا ہے:

> ''جب عنایت ایزدی سے منصب سواد و مواد کا بہ درجۂ اتم پہنچا، چند مسائل فلسفۂ عنصریہ وغیرہ کتب حکمیہ عربیہ سے استنباط کر کے 1254ھ (بارہ سو چون) ہجری نبویؐ میں زبان اردوئے معلا میں منخرط- تا ارباب فارسی کہ حلاوت سے عربی کی بالکل چاشنی نہیں رکھتے ہیں۔ مذاق سے چند مسائل عربیہ کے واقف ہو دیں اور نام اس رسالے کا رئیس العناصر رکھا۔''15

اس رسالے کے نسخۂ انجمن ترقی اردو پاکستان کے تعارف میں افسر امروہوی نے لکھا ہے:

''رئیس العناصر   صفحات:50   13 سطر فی صفحہ

سال کتابت:1272ھ

ہجر نے یہ رسالہ نواب سلیمان جاہ میر جہانگیر علی خاں کی مصاحبت کے عہد میں مرتب کیا تھا۔ رسالے کو بطور سوال و جواب لکھا گیا ہے۔

پہلی گفتگو تعریف امور تقسیم اور انقلاب عناصر میں ہے۔

دوسری گفتگو ان چیزوں کے بیان میں ہے جو زمین و آسمان کے درمیان حادث ہوتی ہیں۔

تیسری گفتگو معدنیات   چوتھی گفتگو نباتات

پانچویں گفتگو   حیوانات   چھٹی گفتگو انسان کے بیان میں ہے۔"

آغاز کتاب ان فقروں سے ہے:

''انواع و اجناس محامد اس حکیم مطلق کو سزاوار ہے کہ جس نے عرصۂ کن فیکون میں عالم کون و فساد کو مع اصول و ارکان عناصروں کے کتم عدم سے نکال کر منصۂ وجود عینی پر جلوہ گر کیا......''

اور اختتام ان کلمات پر کیا ہے:

''استاد: تم کو بھی خالق عمر طبعی کو پہنچاوے۔ حقیقت میں بہت ذہین ہو، اگر اسی طرح مداومت کروگے تو ان شاءاللہ چند عرصہ میں فاضل اجل ہوگے۔''

2- شرح خلاصۂ حساب

اس کتاب کے مصنف اور اس کے مشمولات سے متعلق نصیر الدین ہاشمی نے جو معلومات فراہم کی ہیں مجملاً یہ ہیں:

''مصنف خواجہ نور الدین خاں قطب یار جنگ ابن جسارت الدولہ خاندان آصفی سے تعلق رکھتے تھے، ان کو علم ریاضی سے خاص دلچسپی تھی۔ اس رسالہ کو انھوں نے اپنے (بیٹے) خواجہ رحیم الدین عرف خواجہ عبدالقادر کی تعلیم کی غرض سے تالیف کیا تھا۔ اس میں جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، مکعب وغیرہ علم حساب کا

بیان ہے۔ کتاب میں چند باب اور ہر باب میں چند فصل ہیں۔ پہلے باب میں
اعمال صحاح کا بیان ہے۔ اس میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی عمل جمع اور تضعیف کا اور
دوسری میں تنصیف کا بیان ہے۔ اسی طرح دوسرے ابواب کی تقسیم ہے۔ کتاب
کے آخر میں چند تاریخی واقعات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔"16

کتاب کی ابتدائی عبارت یہ ہے:

"حمد اس واحدِ حقیقی کو سزاوار ہے کہ ترکیب تمام افرادِ بشر کی اس کی ذات سے
ہے اور مجموعہ تمام اجزائے کائنات کے مانند عدد نام کے راجع طرف اس کے
اور درود اس احمدؐ بلا میم پر تنصیف کرۂ قمر کی ادنیٰ معجزہ سے اس کے ہے۔"

3- رسالہ اسطرلاب

اس کتاب کا مصنف میر مصطفیٰ علی ولد میر قاسم علی نامی کوئی شخص تھا، اس کا قلمی نسخہ پینتیس صفحوں پر محیط ہے اور ہر صفحہ میں اکیس سطریں ہیں۔ مصنف نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"الحمد للہ رب العلمین - الخ۔ امّا بعد فقیر حقیر میر مصطفیٰ علی بن میر قاسم علی ایسا کہتا
ہے کہ رسالہ اسطرلاب کی زبان فارسی میں استادوں نے سلف کی جمع کر کر حسب
الفرمائش نواب ذوالاقتدار جمشید دقار سکندر مقام نواب صفدر اللہ دلہ بہادر کی ان کو
لغتِ ہندی میں لکھا تا کہ ہر کسی طالب علم کو بہ آسانی تمام معلوم ہو جاوے۔"17

علم ہیئت سے متعلق یہ کتاب فارسی سے اردو میں منتقل کی گئی تھی اور اس کے مطالب کو چند فصلوں میں منقسم کر دیا گیا ہے۔ کتاب کا یہ نسخہ نا تمام ہے، اس کے آخری کلمات یہ ہیں:

"......اور اس طرح استوا ہے کہ جس وقت کہ نصف النہار میں ہووے جو دعا
کریں مستجاب ہوتی ہے۔"

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب میں مذہب سے متعلق مطالب بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

4- مخلخہ

اس رسالے کے مصنف حسن مرزا قصد اگر چہ شاعر تھے، ان کو اسی رسالے کی وجہ سے شہرت ملی تھی چنانچہ نصیر الدین نقش نے لکھا ہے:

''قصد تخلص، حسن مرزا صاحب مرحوم شاگرد حضرت فیض در رسالہ لخلخہ در فن عطر
کشی نوشتۂ اوست، ورزمرۂ منصبداران ملازم بود و بہ عمر طبیعی رسید۔''18

افسر امروہوی نے ان کے حالات میں جو اضافے کیے ہیں، یہ ہیں:

''قصد کے والد حیات الدولہ حکیم سلطان مرزا ابن مرزا برہان بیگ تھے، انھوں
نے 1282ھ (1865) میں انتقال کیا چنانچہ فیض نے تارِخ کہی تھی

ع قصد مرحوم عزم جنت کرد''19

1282ھ

قصد کے رسالہ لخلخہ کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں ہے۔ اس کے بارے میں افسر امروہوی نے لکھا ہے:

''لخلخہ 83 صفحے فی صفحہ:11 سطر

سال تصنیف:1265ھ (1849)

اس میں ہر قسم کے عطر اور اگربتیاں وغیرہ بنانے کے نسخے اور طریقے صاف اور
سہل اردو میں لکھے ہیں۔ مصنف حسن مرزا قصد شاگرد شمس الدین فیض تھے،
ان کے دادا برہان بیگ حکیم تھے۔ حمد و نعت کے بعد میر فرخندہ علی خاں آصف
جاہ کی مدح کی گئی ہے۔ ابواب کو لخلخہ کی مناسبت سے ''رائحہ'' کہا گیا ہے۔ کل
رائحے گیارہ اور تین شائے ہیں..... کتاب کی ابتدا ان کلمات سے ہوئی ہے۔
سبحان اللہ کیا عطر بیزی ہے عطار حقیقی کی کہ شمایم روح پرور نفوسِ انبیا سے طبلۂ
مشام کونین کو معطر کیا ہے۔''20

مخطوطے کے آخر میں یہ قطعۂ تاریخ لکھا ہے

اس میں ہیں نسخہائے عطر رقم جس کو گل پیرہن میں لے کے ملے
عزم بولا ہے اس کی یوں تاریخ عطر بیز مشام و رشک گلے

1265ھ

یہ محمد غوث عزم تخلص کا قطعہ ہے۔

ز - مغربی علوم

1- سۂ شمسیہ

وہ زمانہ تھا جب مغربی علوم کی جدّت اور اُن کی پیشکش کا انداز نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا اور نتیجہ کے طور پر ہندوستانی اکابر اور امرا یوروپی ایجاد اور مصنوعات کے گرویدہ ہوتے جا رہے تھے۔ ایسے میں حیدرآباد کے امیر کبیر شمس الامرا نے پہلی مرتبہ ان مغربی علوم کو ہندوستان میں رواج دینے کی فکر کی اور اپنے بہترین وسائل سے کام لے کر ان کو زبان اردو میں منتقل کرا دینے کی سعی کی۔ اس سلسلے میں انھوں نے تین بڑے کام کیے:

الف۔ ایک دارالترجمہ قائم کیا جس میں متعلق علوم کے یوروپی ماہروں سے براہِ راست مطالب حاصل کیے جاتے تھے۔

ب۔ دارالترجمہ میں جو کتابیں تیار ہوتی تھیں ان کی طباعت کے لیے ایک سنگی مطبع لگایا گیا۔

ج۔ اس مطبع میں چھپنے والی کتابوں کی تعلیم و تدریس کے لیے مدرسۂ فخریہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

علوم کی ترویج و اشاعت کی ایسی باقاعدہ اور مکمل کوشش اُس زمانے میں ملک کے کسی بھی

مرکز میں نہیں کی گئی تھی۔ نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے:

''اپنے صرف سے حیدرآباد میں بیسیوں مدرسے قائم کیے جن میں سے مدرسۂ فخریہ اب تک باقی ہے...... آپ نے ہی سب سے پہلے مغربی زبانوں سے سائنس کی کتابیں ترجمہ کرائیں۔ 1242ھ (1827) میں اس کام کا آغاز ہوا ہے...... شمس الامرا نے جو کتابیں ترجمہ کرائیں ان کی تعداد تقریباً 75 ہے۔''21

شمس الامرا کو جس کتاب کی وجہ سے نہایت شہرت ملی وہ ''ستۂ شمسیہ'' ہے، اس کے دیباچہ میں انھوں نے لکھا ہے۔

''نیاز مند درگاہ ایزدی کا محمد فخر الدین خان المخاطب شمس الامرا اس طور پر گزارش رکھتا ہے کہ اکثر اوقات کتابیں چھوٹی بڑی علوم فلاسفہ کی جو زبان فرنگ میں مرقوم ہیں، بہ سبب میلان طبیعت کی نسبت اس طرف شوق رکھتا تھا، میری سماعت میں آئیں۔ اس جہت سے چند مسائل ان کے از بر تھے اور اگرچہ بعضے علوم فلاسفہ زبان عرب و عجم میں بھی مشہور ہیں چنانچہ علم جرثقیل اور علم انظار وغیرہ مگر اس قدر ستے نہیں کہ جیسا اب اہل فرنگ نے ان کو دلائل اور براہین سے بہ درجۂ کمال اثبات کیا ہے بلکہ بعض علوم اہل فرنگ میں ایسے رواج پائے ہیں کہ ان کا نام بھی یہاں کے لوگوں نے نہیں سنا چنانچہ علم آب اور ہوا اور مقناطیس اور کیمستری وغیرہ۔ اس واسطے مدت سے ارادہ تھا کہ مبتدیوں کے فائدہ کے لیے ایسی کوئی کتاب مختصر، جامع چند علوم کی زبان فرنگ سے ایسی ترجمہ کی جاوے کہ فرصت قلیل میں اس کی معلومات سے طالب علموں کو کچھ کچھ فایدہ میسر ہووے۔ کس واسطے کہ اگر بڑی کتابوں کا ترجمہ ہوگا تو طالبوں کے ذہن پر اس کے مطالعہ کا بار ہوگا اور مختصر رسالوں کے دیکھنے سے ان کی طبیعت آشنائے علوم ہو جائے گی پس طالبین از خود ارادہ مبسوط کتابوں کے دیکھنے کا کریں گے چنانچہ ان دنوں میں حسب مدعا چند رسالے مختصر علوم فلاسفہ کے بہ طریق سوال و

جواب کے لکھے ہوئے۔ یودی رنٹ چارلس صاحب کے انگریزی زبان میں جو
1818 (1233ھ) میں بیچ شہر لندن کے چھاپے گئے تھے بہم پہنچے۔"
ستہ شمسیہ کے بارے میں نصیرالدین ہاشمی نے لکھا ہے:
"یہ طبیعیات کے چھ شعبوں پر منقسم ہے یعنی:
پہلی جلد میں جرثقیل، ہیولا اور اس کے اقسام کشش کا بیان ہے۔
دوسری جلد میں علم ہیئت کا تذکرہ ہے۔
تیسری جلد میں علم آب یعنی مائیات کے بیان میں۔
چوتھی جلد علم ہوا سے متعلق۔
پانچویں جلد میں علم مناظر، انعکاس، نور اور نور کے اجزا، قوس قزح۔
چھٹی جلد میں علم برق اور مقناطیس کا بیان ہے۔
اس کتاب کا حجم بارہ سو صفحوں سے زیادہ ہے اور چار مرتبہ طبع ہوئی ہے۔"22

اس کتاب کی تالیف کا آغاز 1253ھ (1837) میں ہوا تھا۔23 شمس الدین فیض نے تاریخ

تالیف نواب شمس الامرا

1253ھ

سے نکالی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ ستہ شمسیہ کی سب جلدیں الگ الگ شمس الامرا کے چھاپے خانے میں 1256ھ میں چھپ کر شائع ہوئی تھیں چنانچہ ان کی نقلیں انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے دو کی کیفیت یہاں درج کی جاتی ہے:

"ستہ شمسیہ جلد سوم، یہ تیسری جلد علم آب سے متعلق 185 صفحوں پر محیط ہے۔
اس میں سیالوں کے اوزان، دباؤ اور حرکت کے علاوہ اس علم کے اعمال بعید العقل
اور آلۂ غوطہ خوری اور اقسام پمپ اور پانی کے شکنجے کا بیان کیا گیا ہے۔"24

اور:

''ستۂ شمسیہ جلد پنجم علم مناظرہ میں 174 صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے میر فرخندہ علی خاں نظام دکن کے زمانے میں طلبہ کے لیے لکھا گیا تھا، اس کا آغاز ان کلمات سے ہوا ہے..... لائق حمد کے وہ حکیم مطلق ہے جس کی قدرت کاملہ نے خلقتِ موجودات کو عناصر سے ایسا مرکب کیا کہ اس کی دریافتِ حقیقت میں عقل دور بین عاجز اور قاصر ہے..... بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ پانچویں جلد جو علم انظار کے بیان میں ہے، اس میں ان چیزوں کا مذکور ہے: روشنی اور اس کے اجزا کی مُجودی اور اس کی تیز روی اور اس کی انعکاسی اور انحرافی عین وغیرہ۔''

اور اختتام ان لفظوں پر ہوا ہے:

''..... سوالات اس کے داخل کرنے میں آئے تا استاد ہر علم کے، تعلیم کے بعد اسی کتاب سے شاگردوں سے سوالات کر کے جوابات پوچھے تا دوسری کتاب سے سوالات کی احتیاج نہ ہو۔ تمت بالخیر۔''

ان اقتباسوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زبان اس کتاب کی صاف اور سلیس اور طالب علموں کے لیے سریع الفہم ہے۔

2- رسالہ کیمسٹری

کوئی ڈیڑھ سو صفحوں کا یہ رسالہ شمس الامرا کے دارالترجمہ میں 1259ھ (1843) میں تیار کیا گیا تھا۔ 25 یہ رسالہ بارہ ابواب میں منقسم ہے۔ ہر باب کے لیے لفظ ''گفتگو'' لکھا ہے۔ مطالب یہ ہیں:

1- علم کیمیا کی تعریف اور اربعہ عناصر
2- نور، حرارت، تھرمامیٹر کی خاصیت
3- گرمی کا اثر - بھاپ اور برف
4- ہوا - آکسیجن اور نیٹروجن کے خواص
5- جمادات
6- کوئلہ اور کاربن
7- فلزات
8- دھاتوں کے پگھلانے کا طریقہ
9- سوڈیم اور پوٹاسیم کے خواص
10- امونیا، پوٹاس اور سوڈا کے خواص
11- خاک، چونا، چقماق وغیرہ
12- مختلف ایسڈ اور سالٹ

ان کے بعد ایک سوسوالات بھی لکھے ہیں۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے:

''سزاوار حمد وہ حکیم مطلق ہے کہ جس نے ترکیب عناصر سے اجسام مختلفہ اور طبائع گوناگوں پیدا کیا اور قابل نعت وہ صاحب لولاک ہے کہ باوجود جسمانیت فی الارض عناصر سے پاک رہا۔ ہزاروں ہزار صلوٰت ان پر اور اوپر آل اور اصحابوں کے۔ یہ رسالہ مختصر علم کیمسٹری کا حسب الحکم حضرت نواب صاحب قبلہ نواب شمس الامرا بہادر امیر کبیر دام اقبالہ کے ترجمہ کیا گیا...... رورینڈ جان ٹائم کے مختصر رسالہ انگریزی زبان سے اردو عبارت میں لکھا گیا۔''

اور رسالہ ذیل کی عبارت پر مکمل ہوا ہے:

''اور اس گیاز (گیس) کے موجود ہونے کے سبب پانی، شراب، بیر، سینندھی وغیرہ جوش کھاتے ہیں اور پانی میں گیاز پیدا کر کر وہ پانی جھاڑوں کی جڑوں میں ڈالنا بہت فائدہ کرتا ہے کس واسطے کہ کربن یعنی کوئلہ سب نباتات میں شریک ہے۔''

یہ رسالہ شمس الامرا کے مطبع میں 1262ھ (1846) میں چھپا تھا۔

دیکھنے کی بات ہے کہ اُس ابتدائی زمانے میں غالباً مختلف علوم کے شعبے مقرر نہیں ہوئے تھے چنانچہ اس رسالے میں نور اور حرارت اور ان کے متعلقات بھی شامل ہیں جب کہ یہ فزکس کے شعبے ہیں۔

3- تختۂ گرداں

اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ ادارۂ ادبیات اردو 26 حیدرآباد میں ہے۔ ڈاکٹر زور نے اس کے بارے میں جو معلومات قلمبند کی ہیں اس طرح ہیں:

''مسٹر فرگیوسن نے 1845 سے پہلے علم ہیئت پر ایک رسالہ لکھا تھا جس کا اردو ترجمہ سید محمد عبدالرحمان سے کرا کے شمس الامرا نے اپنے سنگی چھاپے خانے سے چھپوا دیا تھا۔ اس رسالہ کے تیسرے باب کو جو تختۂ گرداں سے متعلق ہے۔ 1267ھ میں ایک الگ کتاب کی صورت میں لکھوا کر شائع کر دیا تھا، اس کی

ابتدائی عبارت یہ ہے...... پوشیدہ نہ رہے کہ چند سال کے پیشتر ایک رسالہ علم ہیئت اور جر ثقیل کا فرگیوسن صاحب کی تالیفات سے سرکار دولت مدار میں طبع ہوا تھا۔ اس میں کا تیسرا باب تختۂ گرداں کے بیان میں تھا سوان دنوں 1267ھ میں اس تیسرے باب کی نقل علاحدہ لکھوا کر اس آلے کے ساتھ رکھنے میں آئی۔"

رسالے کا اختتام ان کلمات پر ہوا ہے:

"ظاہر ہے کہ زمین خط استوا کی طرف زیادہ اونچی ہے بہ نسبت قطبین کے اور دریا مانند سیالوں کے قدرتی عادت سے نیچے کی طرف یعنی جو جائے مرکز کے قریب ہے میل کر کے بلند ہوا چاہتا اور خط استوا کے قطبوں کو خشک رکھتا لیکن واقعۃ المرکز قطبین استوائی کی طرف سے پانی کھینچ کر سطح استوا پر لا کر بلند کی ہے اور اس قوت کے ہمیشہ جاری رہنے کے سبب پانی ہمیشہ سطح استوا پر قائم رہتا ہے اور قطبین کی طرف نہیں جا سکتا۔"

شمس الامرا کے مطبع سے اور بھی بہ کثرت کتابیں سائنسی موضوعات سے متعلق چھپ کر شائع ہوئی تھیں۔ زبان ان کی صاف، آسان اور طالبعلموں کے مفید مطلب ہوتی تھی، چنانچہ کیفیت ان کی مذکور ہوئی۔ سب کتابوں کا یہاں ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔ ان کا احوال متعلق کتابوں مثلاً داستانِ ادب حیدرآباد اور شمس الامرا کے علمی کارنامے وغیرہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

حواشی

1-	عروس الاذکار		ص87
	الف - شاعری		
2-	محبوب الزمن	حصہ 1	ص535تا547
3-	دیوان شاداں - دیباچہ		ص9
4-	دکن میں اردو حاشیہ		ص466
5-	دیوان شاداں - دیباچہ		ص11
6-	محبوب الزمن	حصہ اول	ص872
7-	عروس الاذکار		ص216
8-	تذکرہ مخطوطات	جلد 4	ص49
9-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	ج1	ص49تا50
10-	تذکرہ مخطوطات	جلد 4	ص50
11-	عروس الاذکار		ص222
12-	ایضاً		

13-	ایضاً		ص188تا189
14-	ایضاً		ص251
15-	ایضاً		ص28
16-	ایضاً		ص183
17-	دکن میں اردو		ص520
18-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص47
19-	تذکرہ مخطوطات	جلد3	ص234
20-	عروس الاذکار		ص145
21-	تذکرہ مخطوطات	جلد3	ص326تا332
22-	تذکرہ مخطوطات	جلد اول	ص333تا336
23-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص75
24-	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد5	ص322تا323
25-	عروس الاذکار		ص178
26-	ایضاً		ص248تا249
27-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص92
28-	عروس الاذکار		ص115
29-	ایضاً		ص225تا226
30-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص56تا57
31-	تذکرہ مخطوطات	جلد5	ص315
32-	ایضاً	جلد1	ص235تا237
33-	ایضاً	جلد3	ص153تا154
34-	ایضاً	جلد3	ص154
35-	عروس الاذکار		ص176

36-	ایضاً		ص247
37-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص293

ب - نثر

1-	محبوب الزمن	جلد1	ص545
2-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص218تا219
3-	ایضاً	جلد1	ص241تا244
4-	تذکرہ مخطوطات	جلد5	ص133تا135
5-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص248تا249
6-	تذکرہ مخطوطات	جلد3	ص235تا236
7-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص175
8-	انجمن ترقی اردو کراچی کے مخطوطات	جلد2	ص222تا225
9-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص164تا165
10-	انجمن ترقی اردو کراچی کے مخطوطات	جلد2	ص324تا326
11-	تذکرہ مخطوطات	جلد5	ص134
12-	تذکرہ مخطوطات	جلد4	ص235
13-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص157
14-	انجمن ترقی اردو کراچی کے مخطوطات	جلد3	ص100تا101
15-	ایضاً	جلد3	ص36
16-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص279
17-	ایضاً	جلد1	ص286
16-	عروس الاذکار		ص137
19-	ایضاً		ص230
20-	انجمن ترقی اردو کراچی کے مخطوطات	جلد3	ص521تا522

-21	دکن میں اردو		ص521 تا 522
-22	ایضاً		ص527 تا 528
-23	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد 1	ص274
-24	انجمن ترقی اردو کراچی کے مخطوطات	جلد 3	ص30 تا 32
-25	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد 1	ص282 تا 283
-26	تذکرہ مخطوطات	جلد 4	ص203 تا 204

ويلور

		ویلور	315
		الف - مطبعے	319
-1	مطبع اعظم		319
-2	مطبع حیدری		320
-3	مطبع اسلامیہ		320
-4	مطبع سلیمانی		320
		ب - شاعری	321
-1	احقر-	شاہ عبدالحیٔ	321
-2	لامع-	سید علی شاہ	325
-3	مشتاق-	عبیدالرحمان	327
		ج - نثر	331
-1	قطب ویلور		331
-2	شاہ عبدالحیٔ		333
-3	منشی جعفر شریف		334
	حواشی		336

ویلور

شاہ ابوالحسن رکن الدین قربی ابن شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری نے اپنے مسکن ویلور کے ماحول کا بیان اس طرح کیا ہے:

دارالسرور ویلور شہراں میں بادشاہ ہے[1] ارکاٹ اور چنجی اس دار کا گدا ہے
رونق میں اور صفا میں مثل اس کے شہر کئیں نئیں آئینہ کیا کِتا اس کا اک جام جہاں نما ہے
مجمع ہے سالکاں کا مرجع ہے طالباں کا مسکن ہے عارفاں کا بچ موطنِ ہُدا ہے
کرتے ہیں خودنمائی ہر کئیں بڑے فقیریاں کمتر فقیریاں کا بے شک خدا نما ہے
اتنا ہے اس میں نقصاں کئی رافضی رہتے ہیں اس شہر با صفا میں اتنی بُری بلا ہے

ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہر باصفا پر انگریزی افواج کا قبضہ ہوگیا اور قلعہ ویلور کو ٹیپو سلطان کے اخلاف کے لیے زندان بنادیا گیا۔ عبدالحیٔ احقر بنگلوری نے اپنی مثنوی ''مطلع النور'' میں اس کا ذکر اس طور پر کیا ہے:

ٹیپو سلطان شہید عالی شان ملک مہسور کا جو تھا سلطان
اس کی رحلت کے بعد لوگ اس کے بیگمات اس کے اور شہزادے
سب تھے محصور قلعۂ ویلور معتقد پدر شیخ کے مشہور

ان شعروں میں میسور کو مہسور نظم کیا گیا ہے۔ شیخ سے قطب ویلور اور پدر شیخ سے حضرت محوی مراد ہیں۔

ویلور میں مذہبیات کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری نے شروع کیا تھا۔ ان کے اخلاف نے اس سلسلے کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اسے بہ طریق احسن ترقی بھی عطا کی چنانچہ اب وہ مقام دارالعلوم لطیفیہ کے نام سے معروف ومشہور ہے۔ ڈاکٹر راہی فدائی نے اس قدیم اور عظیم مذہبی درسگاہ کے ''منظر نامہ'' میں تحریر کیا ہے:

> ''سید شاہ عبداللطیف نقوی بیجاپوری 1138ھ (1726) میں ویلور تشریف لائے تو بہ حکم سید الکونین صلعم رشد وہدایت اور تعلیم وتعلم کی شروعات کردی آپ کے فرزند حضرت قربی نے اس تعلیمی واصلاحی سلسلے کو آگے بڑھایا اور 1179ھ (1766) میں ایک خانقاہ تعمیر فرمائی۔ قربی کے پوتے حضرت محوی نے خانقاہ کی توسیع کی اور ایک خوبصورت مسجد اور عالیشان مدرسہ بنوایا... پھر سید شاہ رکن الدین قادری نے دارالتدریس اور دارالاقامہ کو الگ الگ بنوایا...''2

ایک دوسرے مقام پر ڈاکٹر راہی نے اس کے محل وقوع کا حال اس طرح قلمبند کیا ہے:

> ''دارالعلوم لطیفیہ قلعۂ ویلور کے (جو سولھویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا) شمالی حصہ کے عین روبرو سڑک کے کنارے واقع ہے۔ یہ عظیم وقدیم دینی درسگاہ وخانقاہ جو حضرت مکان کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے... تقریباً تین سو سال پر محیط ہے اور اس کے تاریخی اور علمی کارنامے قابل صد افتخار ہیں۔''3

اس مقام پر حضرت قطب ویلور کے طرز عمل اور انداز فکر کے سلسلے میں یہ ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ:

> ''حضرت مولانا اسماعیل شہید کی اختلافی ونزاعی کتاب تقویۃ الایمان مدراس پہنچی جس کے مندرجات کے تعلق سے مسلمان دو فرقوں میں بٹ گئے تھے... حضرت قطب ویلور نے فصل الخطاب فی الفرق بین الخطاء و الصواب جیسی لاجواب کتاب تصنیف کی...اس کا خاطر خواہ اثر مرتب ہوا۔ علاقۂ مدراس اور

کرناٹک میں مسلمانوں کے درمیان آپس کی رسہ کشی اور سر پھٹول بہت حد تک
کم ہوگیا۔ مسلمان پھر سے مل جُل کر رہنے لگے۔"[4]

انگریزی سیاست کے نقطۂ نظر سے یہ صورتِ حال نہایت خطرناک تھی چنانچہ مذکور ہے کہ:

"حضرت قطب ویلور (عبداللطیف ثالث) پر چند شرپسندوں نے یہ اتہام لگایا اور شوشہ تراشا کہ آپ اپنے مواعظ میں انگریز کمپنی کے خلاف مسلمانوں میں نفرت کے جذبات ابھارتے ہیں اور انھیں جہاد کی تحریص اور ترغیب دلاتے ہیں۔ کمپنی نے.... آپ کو چتور کی جیل میں نظر بند کردیا۔ جب الزامات کی کھوج لگائی گئی تو آپ بَری ثابت ہوئے.... چتور کے دلخراش حادثہ کے بعد آپ خاطر کبیدہ ہو گئے اور 2 شعبان 1260ھ (1844) کو ویلور کی سکونت کا ارادہ ترک فرمادیا۔ زیارتِ حرمین کے لئے روانہ ہو گئے.... 1262ھ کو حرمین سے واپسی کے بعد آپ نے نکاح کیا... 4 شوال 1288ھ کو دوبارہ زیارت حرمین کے لیے گئے۔ آپ کے صاحبزادے بھی ساتھ تھے.... 6 محرم کو زیارت روضۂ اقدس سے مشرف ہو کر 21 محرم بروز پنج شنبہ آفتابِ اقطابِ ویلور سر زمین مدینہ منورہ میں غروب ہوگیا...."[5]

اس ایک واقعہ سے ان حالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جن سے جنوبی ہند کے مسلمان عموماً اور شہر ویلور کے باشندے خصوصاً دوچار ہو رہے تھے۔ ان حالات میں اردو نثر و نظم کی طرف توجہ کے لیے جیسے امکانات رہ گئے تھے ان کا خیال کیا جا سکتا ہے۔

الف - مطبعے

انگریزی عملداری میں شامل ہو جانے کے بعد شہر ویلور میں ہر نوع کی انگریزی مصنوعات کا گویا بازار کھل گیا تھا۔ مختلف قسم کے کارخانوں کے علاوہ وہاں چھاپے خانوں کے قیام کی بھی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ طباعت کے معاملے میں ویلور میں دو بڑے موانع بھی تھے۔ اول سرکار انگریزی کی سیاسی مصلحتیں اور ثانیاً مدراس کا قرب۔ ویلور کی اکثر کتابیں اور رسالے وغیرہ کی طباعت مدراس کے چھاپے خانوں میں ہوتی تھی۔

1- مطبع اعظم

کچھ مدت کے بعد شہر ویلور کے مسلمانوں نے بھی حوصلے سے کام لیا اور اپنی ضرورتوں کے لیے پریس لگوانے شروع کیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں نواب غلام محمد غوث خاں اعظم تخلص والئی ارکاٹ نے پیش قدمی کر کے ''مطبع اعظم'' کے نام سے مدراس کی طرح ویلور میں بھی ایک پریس لگوایا جو 1857 کے ہنگاموں کے بعد بھی کام کرتا رہا تھا۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں کتاب ''ریاض العارفین'' کے جو مطبوعہ نسخے محفوظ ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے:

''مطبع اعظم ویلور نے 1276ھ (1860) میں بغیر کسی تصرف وتبدل کے
شائع کیا۔ اس کے تین نسخے ہیں۔ اسی سنہ میں مدراس کے کسی مطبع نے بھی
اسے چھاپا۔'' 1

2- مطبع حیدری

یہ مطبع ویلور میں 1268ھ سے پہلے کسی وقت قائم ہوا تھا۔ حضرت قطب ویلور کا ایک فتویٰ بہ صورت مکتوب اسی سال میں اس پریس سے ''فتویٰ آثار شریف'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ 2

3- مطبع اسلامیہ

یہ مطبع حیدری کا معاصر تھا اور اسے بھی دار العلوم لطیفیہ کے بالواسطہ فیوض میں شمار کیا جانا چاہیے۔ حضرت قطب ویلور کی کتاب ''احیاء السنۃ'' اسی مطبع سے جمادی الثانی 1269ھ (1853) میں چھپی تھی۔ 3

4- مطبع سلیمانی

عبید اللہ مشتاق نامی ایک شخص جس کا حال آگے لکھا جائے گا، اس مطبع کا مالک تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حالات زیادہ مدت تک اس مطبع کے لیے سازگار نہیں رہ سکتے تھے۔

ب - شاعری

ویلور میں شعروسخن کی سرپرستی کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی۔ پھر سرکار کمپنی کے حکام بلکہ ملازمین کی طرف سے بھی ویلور کے شرفا کے معاملات میں جس طرح دخل اندازی اور دست درازی ہورہی تھی اس کے نتیجہ میں خانہ نشینی اور خاموشی کو لوگ عموماً ترجیح دینے لگے تھے۔ کوئی اگر نظم ونثر لکھتا بھی تھا تو اس کی تشہیر سے احتراز کرتا تھا۔ اس زمانے میں ویلور میں مشاعروں وغیرہ کا چلن معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اکثر شاعر اپنی طبیعت کے شوق سے شعر کہہ لیتے تھے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان شاعروں اور نثر نگاروں کے حالات اب کم سے کم مل پاتے ہیں۔

1- احقر- شاہ عبدالحئی

احقر تخلص، عالم طفلی میں نام مرزا بڈھن بیگ، پھر مرشد یعنی حضرت قطب ویلور کی ایما سے نام شاہ عبدالحئی مقرر ہوا۔ [1] واعظ بنگلوری کے نام سے معروف ہوئے۔ بنگلور کے رہنے والے، مرزا ابراہیم بیگ کے بیٹے، 1235ھ (1820) میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم وتربیت شاہ سجاد شطاری سے حاصل کی۔ خود کہتے ہیں :

شاہ سجاد اس کا نام ہمام　　لوگ پڑھتے تھے اس سے علم مدام
میرے والد نے بس مجھے بھی لے جا　　اس کی خدمت سے بہرہ یاب کیا

تاکروں اس سے طالب علمی پانزدہ سال کی تھی عمر بری
الغرض تین سال تک مسرور استفادہ کیا میں اس کے حضور

وہیں مرزا ابڈ ھن نے ''شیخ ویلور'' کے فضل وکمال کا ذکر سنا۔ شاہ سجاد نے 1253ھ میں وفات پائی۔ پانچ سال ان کے غم میں گذرے۔ پھر ویلور پہنچ کر مرزا ابڈ ھن نے حضرت قطب ویلور سے بیعت کی، پھر خلافت اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد سے یہ معمول رہا کہ ہر تصنیف کے شروع میں مرشد کی تعریف و توصیف کرتے تھے۔

احقر کے فرزند مولانا صوفی قادری نے ان کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ:

''جناب والد ماجد شاہ عبدالحئی صاحب واعظؒ ..... نے عمر 66 سالگی میں سواسو کتاب بہ حسب احتیاجِ زماں نظماً ونثراً تصنیف پائیں۔''2

احقر قادر الکلام اور پُر گو شاعر تھے۔ انھوں نے شاعری کو نہ صرف اشاعتِ دین بلکہ علوم و فنون کی ترویج کا ذریعہ بنایا تھا۔ ان کی نعتیہ شاعری کا ایک مجموعہ ''قصاید نعتیہ محمدیہ'' کے نام سے 1299ھ میں بنگلور سے شائع ہو چکا ہے۔ احقر نے زیارت حرمین شریفین کے بعد اسی سرزمین پر محرم 1301ھ (1883) میں وفات پائی تھی۔

نعتوں کے مذکورہ مجموعہ کے علاوہ احقر کی اردو میں بعض منظوم تصانیف یہ ہیں:

1- رسالہ شعب الایمان۔ 1258ھ (1842)
2- جنان السیَر - چمن اول (مبسوط سیرت) 1262ھ (1846)
3- تنبیہ العوام - بدعات اور خرافات کی قباحتوں پر مشتمل ساڑھے بارہ سو شعروں کی مثنوی 1264ھ (1848)
4- جنان السیر - دوسرا چمن گلزارِ نبوت - ولادت سے معراج تک کے واقعات (سیرت پاک صلعم) 1265ھ (1849)
5- ریاض الازہر در فضائل البشر - گلزار اول و دوم (مثنوی سترہ سو اسی شعروں پر مشتمل) 1267ھ (1851)
6- ریاض الازہر - گلزار سوم۔ اطوارِ نبوت (سولہ سو گیارہ شعر)

گلزار چہارم۔ آثار نبوت (تیرہ سو سینتیس شعر) 1269ھ (1853)

7- زاد الآخرہ از امام غزالی کا منظوم ترجمہ (عقائد، حقوق اللہ اور حقوق العباد پر مشتمل) 1270ھ (1854)

8- ذخیرۃ الکونین شرح سر الشہادتین از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (5000 شعروں کی مثنوی) حصہ دوبار چھپی ہے۔

9- قرۃ ان السعدین فی حقوق الزوجین منظوم مع رسالہ کلمات (نثر) جو ترغیب احکام سے متعلق ہے۔ 1274ھ (47-1857)

10- تحفۃ البنات (دو سو پچھتر شعروں کی مثنوی) کم پڑھی لکھی خواتین کے لیے سادہ اور سلیس زبان میں۔ 1274ھ

11- ردِّ بدعات (سو شعروں کی مثنوی)

12- تحفۂ مرغوب شرح محبوب القلوب (حضرت غوث اعظم کے حالات و کرامات پر مشتمل حضرت باقر آگاہ کی مثنوی محبوب القلوب کی شرح)

13- تفسیر جواہر منظوم۔ اردو میں اوّلین منظوم تفسیر 1282ھ (1865)

14- ریاض الازہر۔ دوسرا گلشن۔ آدابِ نبوت (اُنیس سو باوَن شعر) 1288ھ (1871)

15- مطلع النور (اقطاب ویلور کے احوال و مناقب پر مشتمل منظوم رسالہ) 1289ھ (1872)

16- جنان السیر۔ دفتر دوم کا چمن پنجم و ششم 1291ھ (1874)

17- دیوانِ احقر۔ نعتیہ غزلیں، قصیدے، مستزاد، قطعات، مسدس وغیرہ۔ بنگلور سے شائع ہوا۔ 1298ھ (1881)

18- کلید معرفت (چار سو تہتر شعروں کی تصوف کی کتاب) 1300ھ (1883)۔ یہی احقر کی آخری تصنیف ہے۔

جناب راہی فدائی نے احقر کی کئی منظومات کے اقتباس اپنی کتاب میں موقع بہ موقع نقل

کیے ہیں۔احقر کی مثنوی ''تنبیہ العوام'' کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔اس کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ ایک مذہبی مثنوی ہے جس میں شرک اور مشرکوں کے عذاب کے علاوہ ان رسوم کی بُرائیاں بھی بیان کی گئی ہیں جو اکثر عورتوں میں رائج ہیں۔آخر میں ان پینتیس کتابوں کے نام لکھے ہیں جن سے اس کی تالیف میں مدد لی گئی ہے۔

خاتمہ میں شاعر نے کہا ہے:

شکر حق، پایا یہ نسخہ اختتام　　میں رکھا نام اس کا تنبیہ العوام
بارہ سوچو نسٹھ سنِ ہجری تھا تب　　روز یکشنبہ کی تھی اور نیم شب
اس کی سب ابیات اے عالی مقام　　ہیں ہزارو دو صد و سترا تمام'' 2

مثنوی کے آخر میں سید شاہ غوث محی الدین قادری نے جو قطعہ تاریخ نظم کیا ہے اس میں مصنف کا نام اس طرح نظم کیا ہے:

شاہ محمد بڈھن ستودہ سیر　　کہ وہ قایم بہ راہِ سُنّت ہے
کرنے تنبیہہ عوام کو از شرک　　لکھا یک نسخہ با بصیرت ہے

اس سے پتہ چلتا ہے کہ احقر کا اصل نام ''محمد بڈھن'' بہت بعد تک بھی معاصرین کی زبان اور قلم میں جاری تھا۔مثنوی میں خلفائے راشدین، بنت رسولؐ اور حسنینؓ کی منقبت، پھر غوث الاعظمؒ اور اپنے مرشد کی تعریف نظم کرنے کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے۔مثنوی کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں:

اے خداوندِ کریم کردگار　　جیو کیا توں ہم کو اس کے خاکسار
یوں ہی ہم کو اس کی اُمّت پر چلا　　اس کے جامِ عشق کا شربت پلا

اور آخری شعر اس کا یہ ہے

کر تو ایماں پر ہمارا اختتام　　عرضِ احقر ہے یہی بس والسلام

ان تفصیلات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ احقر کو زبان و بیان اور موضوع کی جزئیات پر عالمانہ قدرت حاصل تھی۔

2- لامع-   سید علی شاہ

لامع تخلص، سید علی شاہ نام، حضرت شاہ کمال (ثانی) معروف بہ جامیِ دکن کے بیٹے تھے جن کا سلسلۂ نسب مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ملتا ہے۔ کڈپہ کے رہنے والے تھے۔ وہیں اپنے والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ویلور بھیجے گئے جہاں مولانا شاہ ابوالحسن محوی قادری کی نگرانی میں حضرت قطب ویلور شاہ عبداللطیف (ثالث) کے ہم سبق رہے۔ کہتے ہیں کہ صرف 18 برس کی عمر میں 1227ھ (1812) میں وفات پائی اور گنبد حضرت قربی کے روبرو دفن ہوئے۔

کمسنی کے باوجود لامع کے کلام میں پختگی پائی جاتی ہے اور اس اعتبار سے بعد کے زمانے کے شاعروں کے لیے ان کا کلام راہنما ثابت ہوا تھا اسی لیے ان کا یہاں پر ذکر مناسب معلوم ہوا۔ لامع کی دو مثنویوں کا ڈاکٹر راہی فدائی نے ذکر کیا ہے:

الف۔ مثنوی حکایتِ دزد و شہریار

بتایا گیا ہے کہ وفات سے ایک برس پہلے لامع نے یہ مثنوی شہر ویلور میں لکھی تھی۔ اس کے کچھ ابتدائی شعر یہ ہیں:

اے کہ تو پیدا کیا اکواں کے تئیں   علم سے لاعین میں اعیاں کے تئیں
آپ نے کی شکل سے ظاہر ہوا   نور خور کامہ میں جوں باہر ہوا
اے کہ تو بالذات بیچون و چگوں   نیں ہے تجھ کو شکل و شبہ و نموں
تاکہ ہووے اپنے اسما کا کمال   تونے فرمایا ظہور اے ذوالجلال

اور آخری شعر یہ ہے:

اے دلِ لامع زبس غافل نہ ہو   بندگی میں حق کی اب کاہل نہ ہو

ب۔ ترجمہ چہل حدیث

اس نظم کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ اس کا آغاز ان شعروں سے کیا گیا ہے:

حمد لکھنے میں جب قلم کو لیا   ایسی تقریر دل نشیں میں کیا
یوکہ ذاتِ خدا کی ہے تعریف   حضرتِ مصطفیٰ ﷺ

نور اللہ کا ہے نورِ نبیؐ　　ہے ظہورِ خدا ظہورِ نبیؐ

اور خاتمہ کے دو شعر یہ ہیں:

السّلام اے محمدؐ محمود　　السّلام اے جہاں کے مسجود
السّلام اے وکیل اللہ کے　　السّلام اے خلیل اللہ کے

یہ لامع کی آخری تصنیف ہے چنانچہ اس کے سبب تالیف میں انھوں نے کہا ہے:

فکر یک شب کیا میں دل کے بیچ　　بالیقین ہے یہ دنیا ہیچ اور پیچ
اس میں بہتر ہے کچھ ثواب کریں　　نہ کہ چپ زندگی خراب کریں
پس کہاں میں، چہل حدیث بیاں　　ہندی سے گر کرے تو ہے احساں
جب کہ کھویا ہوں باہَوا و ہوس　　عمر دنیا منے اُٹھارہ برس

معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی کے علاوہ مختلف مروّجہ اصناف میں بھی لامع نے کم و بیش طبع آزمائی کی تھی۔ ان کا ایک مخمس ہے جس میں تحصیلِ علم کے لیے کڈپہ سے ویلور کی روانگی کا مذکور ہے:

سیر گلشن کے تئیں اہلِ ہوا جاتے ہیں　　کوہ و صحرا کی طرف آبلہ پا جاتے ہیں
کوچۂ یار میں اربابِ وفا جاتے ہیں　　یعنی جس راہ میں مردانِ خدا جاتے ہیں
ہم بھی اے قافلہ سالار صبا جاتے ہیں

کوئی ہے شائقِ مال اور کوئی مشتاقِ جمال　　کوئی رکھتا ہے تمنائے عیال و اطفال
ہے کسے خواہش دولت کوئی چاہے اقبال　　ہم کو تقدیر کیا عشق کے پابندِ خیال
ایسی باتوں سے تو ہم ہاتھ اُٹھا جاتے ہیں

جو منازل نہ کیا طے، کہ وہ انور نہ ہوا　　کون سا آبلہ پا ہے جو خوش اختر نہ ہوا
غیر فرمودہ قدم صاحبِ افسر نہ ہوا　　گھر سے باہر جو نہ نکلا سو ہنرور نہ ہوا
دربدر اس لیے ہم مثلِ گدا جاتے ہیں

اس نوخیز اور کم عمر شاعر نے زبان و بیان پر اپنی کامیاب گرفت کے اظہار کے لیے عربی، فارسی کے الفاظ اور تراکیب کا خوب استعمال کیا ہے۔ اگر عمر وفا کرتی تو یقیناً یہ اپنے زمانے کے قابلِ قدر شاعروں میں شمار ہوتا۔

ویلور کے شعری اور علمی ماحول کی تشکیل میں باہر سے آنے والے علم دوست اشخاص کا حصہ زیادہ رہا ہے۔اس شہر کے رہنے والے شاعروں اور نثر نگاروں کی تعداد نسبتاً کم رہی ہے۔موضوع ان کی دلچسپی کا بھی عموماً مذہب اور اصلاح معاشرہ رہا ہے۔

3- مشتاق- عبیدالرحمان

یہ بھی اپنے زمانے کے صاحب علم شاعروں میں سے تھے۔نصیرالدین نقش نے ان کے بارے میں اتنا لکھا ہے:

''مشتاق، نامش عبید الرحمان المعروف بہ عبید اللہ، متوطن ویلور، صاحب مطبع، حالا جلوہ افروز ایں بلدہ است۔علم سلوک از خدمت شاہ محی الدین صاحب جواہر السلوک حاصل کرد۔در نظم فارسی و ہندی ہر دو دستگاہ دارد۔''4

صاحب جواہر السلوک یعنی حضرت قطب ویلور کے بارے میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ سرکار کمپنی نے ان کے ساتھ بھی وہ ظلم کیا تھا کہ وہ بھی ویلور کی سکونت ترک کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ مشتاق ان کے شاگرد اور غالباً مرید بھی تھے۔ یہ بھی وطن کو چھوڑ کر نکلے اور حیدرآباد میں مقیم ہوئے۔ایسے انتشار کے زمانے میں تصنیف و تالیف کا کام جس حد تک ہو سکتا تھا اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔مشتاق عموماً مذہبی اور نعتیہ غزلیں کہتے تھے۔

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے:

ہم نے قرآن میں اَینَما دیکھا　　سب جہاں میں جہاں نما دیکھا
سیر میں عرش و فرش کی ہم نے　　وہی ارض اور وہی سما دیکھا

افسر صدیقی امروہوی نے مشتاق کے حالات میں جو اضافے کیے ہیں، اس طرح ہیں:

''مشتاق عبید الرحمٰن، والد کا نام اللہ بخش جو اورنگ آباد میں سلطان محمد پوری کہلاتے تھے۔مشتاق نے شیخ سعدی کی حکایات بوستان کا ترجمہ نظم میں بوستانِ ہند کے نام سے کیا تھا۔آدابُ النسا، کتابُ النسا اور گلدستۂ مشتاق بھی ان کی تصنیفات ہیں، پہلی دو کتابیں ۔۔۔ دو مرتبہ طبع ہو چکی ہیں۔مطبع سلیمانی ویلور کے مالک تھے۔''5

اس اقتباس میں چار کتابوں کے نام آئے ہیں۔ وہ دراصل صرف تین ہیں۔ مشتاق کی ایک دو تصانیف اور بھی تھیں چنانچہ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

الف- کتاب النسا

انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں تریسٹھ ضلعوں پر مشتمل اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہے جسے ذیل کے شعروں کی وجہ سے کسی عورت کی تصنیف خیال کرلیا گیا ہے:

زنانی کرے بات کوئی مَردوا ۞ سُہانی نہیں عورتوں کے سوا
اسی طرح عورت بھی مَردانی بات ۞ کرے تو سُہانی نہیں کوئی بات
زنانی زبان سے یہی واسطے ۞ عقائد بنی تم سبھی واسطے

لیکن ضروری نہیں ہے کہ یہ نظم عورتوں کی زبان میں کسی مَرد نے نہ لکھی ہو۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ عروس الاذکار کے حواشی میں خود افسر صدیقی نے بھی اسے مشتاق کی تصانیف میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے اس نظم کے مطالعے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے جو صحیح معلوم ہوتی ہے:

> "یہ نظم شاعر نے اپنی چار لڑکیوں فاطمہ، بتول، حافظہ اور زہرہ کی تعلیم کے لیے لکھی تھی۔"

ان چاروں کے نام اس نے اس طرح نظم کیے ہیں:

الٰہی تو بی فاطمہؓ واسطے ۞ مری فاطمہ بی کو توفیق دے
بتول اور زہرہ کو بھی اے خدا ۞ بھی توفیق دے حافظہ کو سدا
کہ تاشوق سے اپنی پڑھ کر کتاب ۞ کریں نیک کام اور پاویں ثواب

اس کتاب کے تعارف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

> "کتاب النسا میں مسائل تو وہی ہیں جو عام فقہی کتابوں میں ہوتے ہیں....
> کتاب النسا کا دوسرا نام آداب النسا بھی ہے:
>
> مناسب ہے نام اس کو صبح و مسا ۞ کتابُ النسا یا آدابُ النسا"

معلوم ہوتا ہے کہ عروس الاذکار کے حواشی میں کتابت کی خرابی کی وجہ سے کتاب النسا اور آداب النسا کو دو الگ الگ کتابوں کے نام کے طور پر لکھ دیا گیا ہے، ورنہ فی الحقیقت یہ ایک ہی

کتاب کے دو نام ہیں۔ اس نظم کے ابتدائی شعر یہ ہیں:

خدایا ہمارا تو خاوند ہے بھی والی و وارث خداوند ہے
تو سب والیوں کا ہے والی توئی نہیں ہے سوا تیرے دُسرا کوئی
تو صاحب ہے ہم ہیں تری باندیاں تری صاحبی پر سے صدقے ہو ماں

اس آخری شعر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاعر نے یہ نظم اپنی بیٹیوں کے لیے ان کی ماں کی طرف سے لکھی ہے۔ یہ نظم ذیل کے شعر پر تمام ہوئی ہے:

''کتاب النسا اب ہوئی ہے تمام اداب النسا کا ہے موقوف کام
تمت تمام شد''

ب- کتاب ہدیٰ

ادارۂ ادبیات اردو و حیدر آباد کے کتب خانہ میں مشتاق کی اس کتاب کے ایک سے زیادہ قلمی نسخے موجود ہیں۔ ان میں سے ایک کے بارے میں اتنا لکھا ہے کہ:

''اس مثنوی میں بھی عورتوں کی اصلاح و ہدایت سے متعلق مضامین نظم کیے گئے ہیں۔ اس کے مصنف کوئی غیر معروف دکنی شاعر مشتاق ہیں۔ مخطوطہ میں ایک ہزار 600 ابیات ہیں مگر یہ ناقص الطرفین ہے۔'' اسی نسخے کے تعارف میں دوسرے مقام پر جو اطلاع فراہم کی گئی ہے، مختصراً یہ ہے:

''ابتدائی صرف ایک ورق غائب ہے۔ کتاب میں حمد، نعت، مدحِ صحابہ، ائمۂ اربعہ، علمائے ملت، پیدائش آدم و حوا وغیرہ کی سرخیاں ہیں۔ اثنائے کتاب میں نظمیں یعنی قطعے، قصیدے اور مسدس وغیرہ بھی جگہ جگہ شامل کیے گئے ہیں''

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ مشتاق اپنے وقت کے قادر الکلام شاعروں میں سے تھے اور تقریباً سبھی مروجہ شعری اصناف میں حسب ضرورت طبع آزمائی کرتے تھے۔ موجودہ مثنوی ''کتاب ہدیٰ'' کے اس قلمی نسخے کے شروع کے دو شعر یہ ہیں:

مگر ہم سبھوں کو ای بندہ نواز سبھی بندگوں بیچ کر سرفراز
نماز ایک بہتر سی نعمت دیا نہ ایسی کسی کو عنایت کیا

ان شعروں کی روشنی میں قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ شاعر نے دستور کے مطابق اس مثنوی کو بھی حمد و نعت وغیرہ سے شروع کیا تھا۔ اس نے مثنوی میں جگہ جگہ پر اپنا تخلص بھی نظم کیا ہے۔ مثلاً:

الٰہی تو اپنے نبیؐ کے لیے گناہوں کو مشتاق کے بخش دے

اور ؎

یہی تم کو تاکید مشتاق ہے کبھی دین سے تم بچھڑنا نہیں

اس نظم میں شاعر کے طرزِ تخاطب کی مثالیں ذیل کے شعروں میں دیکھی جاسکتی ہے:

اجی بیبیو، آدمی زاد ہو سنو حضرتِ آدم کی بنیاد کو

اور ؎

اجی بیبیاں بیچ مسافر ہو تم تمھیں منزلیں پانچ ہیں کٹھن

اس مخطوطہ کے آخری اشعار یہ ہیں:

رہا کھیل میں آپ مشغول ہو لیا جان وہ انتڑیاں بھری دھو

اگر کھانا اس کو نہ ہو وقت پر تو وہ دوڑ کر بھینچتا میرا سر

بعد کے کتنے صفحے ضائع ہوگئے ہیں، فی الوقت اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اس آخری شعر میں لفظ ''سر'' بروزن ''پر'' کو مفتوح الاول نظم کیا ہے۔ تلفظ کی یہ صورت اہلِ دہلی کی روش کے مطابق ہے اور قابلِ توجہ ہے۔

مشتاق کی دوسری تصانیف مثلاً بوستانِ ہند اور گلدستۂ مشتاق کے بارے میں ضروری معلومات دستیاب نہیں ہوسکی ہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ مشتاق نے اپنا اردو کا دیوان بھی مرتب کرلیا ہوگا۔

اوپر ویلور کے شاعروں کے جو حالات درج کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اس شہر میں سب سے زیادہ مقبول اور مروّج مثنوی کی صنف تھی۔ اردو غزل سے یہاں کے شعرا کو کوئی خاص دلچسپی نہیں معلوم ہوتی ہے۔

اس شہر کا ماحول بطورِ مجموعی مذہب پسندانہ تھا اور اس میں بھی زیادہ توجہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف رہی ہے۔ اس صورتِ حال کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا تھا کہ خواتین کی بول چال اور ان کے رسوم و رواج اور اطوار و معاملات وغیرہ اردو نظم اور نثر میں خوبی کے ساتھ محفوظ ہوگئے ہیں۔

ج - نثر

جنوبی ہند، خصوصاً ویلور کے آس پاس کے علاقوں کے باشندوں کی تعلیم، تدریس اور تربیت وغیرہ سے متعلق دار العلوم لطیفیہ نے بہت اہم اور مثبت کردار عطا کیا تھا۔ اس مذہبی، تعلیمی اور تربیتی ادارہ کے بزرگوں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق تصنیف، تالیف اور ترجمے کے جو کام کیے تھے ان میں سے بیشتر اردو نثر میں تھے۔

1- قطب ویلور

مولانا سید شاہ عبد اللطیف (ثالث) نقوی قادری ویلوری نام، محی الدین لقب اور قطب ویلور کر کے مشہور تھے۔ سید ابو الحسن قادری محوی کے بیٹے تھے۔14۔ جمادی الاول 1207ھ کو بروز دوشنبہ ویلور میں پیدا ہوئے۔ اردو نثر میں انھوں نے سات کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کی کیفیت اس طرح ہے:

الف-خلاصۃ العلوم

اس رسالے میں علوم باطنی کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ یہ خود شناسی، خدا شناسی، دنیا شناسی اور آخرت شناسی پر مشتمل ہے۔ مثنوی مولانا رومی کے اشعار اس میں جا بجا نقل کیے گئے ہیں۔ پہلی مرتبہ یہ کلکتہ سے 1273ھ (57-1956) میں شائع ہوا تھا۔ اس کی

عبارت کانمونہ یہ ہے:

''امابعد جان اے بھائی۔ اصول سعادت کے یعنی مُجواں نیک بختی کے چار چیز
ہیں۔ایک خود شناسی ہے یعنی اپنے کو پہچاننا۔ یہ دو چیز ہے۔ایک اپنا ظاہر ہے۔
اس کو تن اور عالم جسم اور عالم شہادت بولتے ہیں۔اس اپنے ظاہر میں پھر دو قسم
ہے۔قسم اول بیداری...قسم دوم خواب۔ دوسرا باطن ہے۔اس کو جان اور دل اور
نفس..اور عالم ملکوت بھی بولتے ہیں...اسی خود شناسی میں خدا شناسی ملتی ہے..
اسی لیے خود شناسی کو کلید خدا شناسی کی کہی ہے اور اسی واسطے خود شناسی کو خدا شناسی
پر مقدم رکھے ہیں.''1

ب۔احیاء السنۃ

16 صفحوں کا یہ رسالہ قرآن وحدیث اور اقوال صوفیا کی روشنی میں حضرت رسول اکرم صلعم کی سنتوں کو زندہ کرنے کی ضرورت کے بیان میں ہے۔ یہ رسالہ 7 جمادی الثانی 1269ھ (1853) میں مطبع اسلامیہ میں طبع ہوا تھا۔اس کی عبارت کانمونہ یہ ہے:

''پیغمبر علیہ السلام جو کام فرمائے یا کیے یا کرنے پر کسی کے راضی رہے اس کو
حدیث اور سُنت اور پیغمبر کی چال کہتے ہیں خواہ وہ سنت واجب ہووے یا
مستحب یا مباح۔سنتِ واجبہ جیسے نماز وتر اور عیدین کی،
سنتِ مستحبہ جیسے اذان اور اقامت، ختان اور جماعت۔اس کو سُنن ہُدیٰ بھی
کہتے ہیں۔چھوڑنا ان کا اسات اور کراہت ہے۔
سنتِ مباح جیسے کھانے پینے میں اقتدا حضرت کا کرنا مثلاً گندم، جو، کھجور
وغیرہ''۔2

ج۔احیاء التوحید

یہ رسالہ نایاب ہے۔مصنف کے ایک خلیفہ میر محی الدین نے 54 صفحوں پر ''نور روح قدسی'' کے نام سے اس کا خلاصہ بنگلور سے 1269ھ میں چھپوادیا تھا۔میر محی الدین بھی صاحب تصانیف تھے۔ان کی دو کتابوں کے نام یہ ہیں:

1- نورصلوٰۃ المومنین اور 2- گلزار سرار

د-شفاعت بالا ذن

قاضی سید مخدوم نے حضرت قطب ویلور سے حضور اکرم صلعم کی شفاعتِ کبریٰ کے بارے میں سوال کیا تھا۔ اس رسالے میں قرآن وحدیث وغیرہ کے حوالے سے شفاعت بہ اجازت کو ثابت کیا ہے۔ یہ فتویٰ 1273ھ میں کلکتہ میں شائع ہوا تھا۔

ہ-فتویٰ آثار شریف

یہ فتویٰ بہ صورت مکتوب 1268ھ میں مطبع حیدری ویلور سے شائع ہوا تھا۔

و-تنبیہ الجاہلین

اس میں بدعات اور خُرافات کی تردید کی ہے۔

ز-رسالۂ فطرہ

یہ فطرہ کی مقدار اور تفصیلات سے متعلق ہے۔

2- شاہ عبدالحیٔ

شاہ عبدالحیٔ احقر کے حالات لکھے جاچکے ہیں۔3 انھوں نے اردو نثر میں بھی کئی کتابیں اور رسالے لکھے تھے۔ بعض کے نام یہ ہیں:

الف-شرح کشفی یا گلزار سعادت۔ آداب محرم، یوم عاشورہ اور عظمتِ صحابہ یہ 60 صفحہ کا رسالہ ہے 1257ھ۔

ب-خلاصۃ المسیر۔ سیرت پاکؐ سے متعلق نثری رسالہ

ج-فوائد عزیزی۔ (سیرت)1260ھ

د-فیض روحانی-سید احمد شہید کے حالات۔1266ھ

ہ-رسالہ یارووف یارحیم۔ اذکار و وظائف کا بیان۔ 1271ھ

و-سعادت ابدیہ فی وظائف محمدیہ۔ ادعیہ ماثورہ اوراد و وظائف پر مشتمل رسالہ۔ 1276ھ

ز- چہار گلشن فی مناقب ائمہ۔ خیر القرون۔ ائمہ اربعہ کے احوال و فضائل سے متعلق رسالہ۔1276ھ۔

ح- رسالہ مباحثہ۔ مولانا محمد علی رامپوری اور مولانا اسمٰعیل شہید کی حمایت و تائید میں۔ 1277ھ

ط- تحقیق الشفاعہ عبدالحق تحقیق مدیر اخبار محافظ و ماہنامہ شمع سخن کے بارہ استفساروں کا جواب۔ 1277ھ

ی- خلاصہ تاریخ الخلفا۔ 1286ھ

ک- حدیقۃ الاجناب فی احوال الاصحاب۔ 1284 تا 1286ھ

ل- تفسیر سورۂ مزمل۔ 1287ھ

م- فیض الباری ترجمہ تیسیر القاری شرح صحیح بخاری۔ اردو میں بُخاری شریف کا اوّلین ترجمہ۔ 1292ھ

ن- مجموعۂ فتاوی۔ (احقر کے فتووں کا مجموعہ) 1299ھ

اس فہرست سے مصنف کی لیاقت اور زبان دانی سے قطع نظر خود زبان اردو کی وسعت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

3- منشی جعفر شریف

منشی جعفر شریف جو لالامیاں کے نام سے معروف تھے، ویلور کے رہنے والے اور کئی کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے۔ وہ شاہ شرف الدین شطاری کے مرید تھے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ ان کی بیشتر تحریریں اب نایاب ہیں۔ صرف ایک رسالہ کا حال معلوم ہو سکا ہے جس کا نام ''رسالہ عصائے سالکاں'' ہے۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو تیرہ سطری مسطر پر سوا سو صفحوں پر محیط ہے۔ جناب نصیر الدین ہاشمی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

> ''اصل رسالہ نثر میں ہے۔ صرف حمد و نعت و مناقب صحابہ کبار نظم میں ہے۔ اس کے بعد سبب تالیف کتاب نثر سے شروع ہے۔ مؤلف لکھتے ہیں کہ: 'جب میں صراط المستقین تنبیہ المشرکین کی تالیف سے فراغت پایا تو ایک مخلص یعنی صوبیدار شیخ محی الدین چہل و نہم رجمنٹ کی خواہش پر پیری اور مریدی اور مرشدوں کے ارشاد کے الفاظ وغیرہ کے باب میں یہ تالیف کیا۔ چونکہ مؤلف

اپنے مرشد شاہ شرف الدین قادری بن حسن انصاری شطاری سے درس وتدریس کے وقت سامع رہتا تھا اس لیے معتبر کتب تصوف مثل گلشن راز و جواہر الاسرار وغیرہ وغیرہ سے لکھ کر 1255ھ (1839) مقام کامٹی میں بہ ماہ رجب المرجب اختتام کو پہنچایا۔'' 4

کتاب کا آغاز ان شعروں سے ہوا ہے:

سپاسِ ستائش کروں دمبدم بنایا جہاں کو جو محض از عدم
وہی جزو کُل کا ہے صاحب یقیں اسی کی طرف باز گشت آخریں

اور اس کا خاتمہ ذیل کی عبارت پر ہوا ہے:

''...مگر سب سے پہلے مشہور و معروف وہی چار پیر چودہ خانوادہ مذکور ہیں۔ زیادہ کوئی نہیں۔ وَالسّلام علیکم علیٰ مَن اتّبع الھدیٰ۔''

''بفضلہٖ تعالیٰ در تصوف رسالہ عصائے سالکاں تصنیف منشی جعفر شریف عُرف لالا میاں صاحب بتاریخ ہفتم شہر رمضان المبارک روز شنبہ 1260ھ (1844)...از دست عاصی پُر معاصی نور اللہ شاوری عُرف تھڑکی میاں اتمام یافت۔''

جعفر شریف کی اس کتاب کی زبان صاف اور رواں ہے البتہ اس پر دکن کی بول چال کا اثر نمایاں ہے۔

حواشی

1- اقطاب ویلور — ص17

2- دارالعلوم لطیفیہ، ویلور — ص31تا32

3- ویلور — ص35تا36

4- دارالعلوم لطیفیہ، ویلور — ص204

5- اقطاب ویلور — ص53تا59

الف - مطبعے

1- انجمن ترقی اردو، کراچی کے اردو مخطوطات جلد5 — ص113

2- دارالعلوم لطیفیہ، ویلور — ص210

3- ایضاً — ص208

ب - شاعری

1- دارالعلوم لطیفیہ، ویلور — ص218تا241

2- انجمن ترقی اردو، کراچی کے اردو مخطوطات جلد6 — ص27تا29

3- دارالعلوم لطیفیہ، ویلور — ص214تا217

4-	عروس الاذکار		ص149
5-	ایضاً		ص239تا240
6-	انجمن ترقی اردو کراچی کے مخطوطات	جلد6	ص179تا180
7-	تذکرہ مخطوطات	جلد3	ص289
8-	ایضاً	جلد1	ص281تا381

ج- نثر

1-	دارالعلوم لطیفیہ ویلور		ص206
2-	ایضاً		ص208
3-	ایضاً		ص235تا238
4-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص294

کرنول

کرنول 341

الف - شاعری 345

1- حسرت- شیخ احمد 345

2- سخی- جان محمد 351

3- سردار- سردار علی خاں 353

4- مصدق- بڑے میاں 354

ب - نثر 355

1- شیخ احمد 355

حواشی 358

کرنول

قمرنگر عُرف کرنول دکن کا ایک مشہور اور تاریخی شہر ہے۔ نواب رَن مست خاں اور ان کے جانشین نواب الف خاں کی شجاعت اور حُسنِ تدبیر سے اس ریاست کو اس جوار میں بہت اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ حیدرآباد کے نواب ناصر جنگ اور مظفر جنگ کو بہ وجوہ اہلِ کرنول نے قتل کر دیا تھا اور انھوں نے دہلی کے سلاطین سے براہِ راست روابط قائم کر لیے تھے۔ اس زمانے میں شہر کرنول اربابِ علم وفن اور صاحبانِ سخن کا مرکز بن گیا تھا۔ کیفیت یہ تھی کہ مختلف مقاموں کے شاعر اور عالم یہاں آنے کی تمنا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر محمد قادر خاں منشی بیدری نے 1246ھ (31-1830) میں تواریخِ سیرالہند مکمل کی۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر زور مرحوم نے لکھا ہے:

> ''خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی نے نواب کرنول میر سید الف خاں کی خاطر اس کو تالیف کیا ہے اور وہ چاہتے تھے کہ یہ نواب انھیں کرنول بلا کر سرفراز کریں... اس میں نواب الف خاں کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے...

جہاں آفرید تا جہاں آفرید — چو نوآب الف خاں نیامد پدید
چہ نواب کرنول عالی مکاں — چہ در مُلکِ دکھن چہ ہندوستاں
بہ بذل و سخا جود و فیض و عطا — نہ بودہ چو ایشاں کسے ہیچ جا

ز شاہانِ پیشیں سبق بُردہ اند کہ نامِ سلاطین طے کردہ اند
الٰہی بہ افضالِ نامِ رسولؐ بما ناد دایم غلامِ رسول" 1

اسی سے ظاہر ہے کہ نواب الف خاں کے بعد نواب غلام رسول خاں مسند نشین ہوئے۔ اپنی کتاب مصباح الصلوٰۃ میں شاہ سعید الدین کرنولی نے ان کی مدح اس طرح کی ہے:

"مدح نواب غلام رسول خاں نواب کرنول نواب فلک جناب خورشید رکاب،
فطانت میں فلاطوں، دانائی میں ارسطو، بہادری میں بہرام، عدالت میں نوشیرواں،
سخاوت میں حاتم، شجاعت میں رستم، متشرع اکمل، دینداری میں بے بدل،

خدا اس کی دولت کو قائم رکھے شہادت و رفعت کو دائم رکھے
عدالت سدا اس کا ہووے کثیر کہے سارا عالم، یہ ہے بے نظیر
یہ حاکم سلامت رہے ماہ وسال ہر اک اس کے سایے میں پاوے کمال
الٰہی دعا میری کرنا قبول مقاصد تمام اس کے ہوویں حصول

جتنے وصف امیری اور وزیری کے چاہئیں خدا نے اس کی ذات میں جمع کیا ہے، غرض قسمت کی خوبی ملک کرنول کی تھی جو ایسا حاکم مسند نشین ہوا جس کے بیٹھنے سے ایک عالم راحت پایا اور انواع واقسام کی بدعت موقوف کرا کر شرعی احکام جاری کرایا...نواب غلام رسول خاں کے عہد میں سن بارہ سو اکتالیس ہجری (1826) میں صاف ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا۔" 2

ہندوستانی ریاستوں کے معاملات میں زبردستی اور ظالمانہ دخل اندازی انگریزی کمپنی کے کارپردازوں کا معمول بن گئی تھی۔ حالات جب حد سے گذر گئے تو نواب غلام رسول خاں نے انگریزوں سے مقابلے کی فکر کی لیکن اس وقت تک انگریزوں کی فوجی طاقت بہت بڑھ چکی تھی۔ مدراس کو جنوبی ہند میں ان کے پایۂ تخت کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ انھوں نے بڑی ہوشیاری سے نواب پر وہابی ہو جانے کا الزام لگا کر آسانی سے ان کو گرفتار کر لیا۔ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہابیت والی بات بھی غالباً انگریزوں کی ایک سیاسی چال تھی چنانچہ ذیل کے اقتباس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

> ''میر محمد علی رامپوری محرم 1245ھ (1829) میں مدراس پہنچے چند دنوں میں شہر میں آپ کے وعظ کی دھوم مچ گئی ہزار ہا آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہونے لگے.... بڑی کامیابی کے بعد بالاکوٹ کے حادثہ کی خبر سُن کر آپ رامپور تشریف لائے چار برس بعد دوبارہ مدراس تشریف لے گئے.... اس مرتبہ بڑی شورش ہوئی۔ آپ کی تکفیر ہوئی۔ آخرکار پولیس کے جبر اور فتنہ سے بچنے کے لیے آپ کو مدراس چھوڑنا پڑا۔'' 3

ڈاکٹر زور مرحوم نے بھی لکھا ہے:

> '' کرنول اس عہد میں وہابیوں کا مرکز تھا اور وہاں کا نواب انھیں عقائد کی بنا پر انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والا تھا کہ گرفتار کرلیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی گرفتاری کے بعد کرنول میں ردِّ وہابیہ جیسے رسالے بہت مقبول ہوئے تھے۔'' 4

''ردِّ وہابیہ'' جیسے رسالوں کے مقبول ہونے کی بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اول تو ایسے رسالوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتی ہے۔ پھر بڑی اُجرت دیکر ان کی نقل تیار کرائی جاتی تھی چنانچہ ایک رسالے پر یہ عبارت درج ہے:

> ''ہذا ردِّ وہابیہ برائے نقل بہ آشنائے کرنولی دادہ شدہ بود چنانچہ بہ تاریخ سیزدہم جمادی الاول 1272ھ قدسی (1856) یوم چہارشنبہ از کتاب مشفقی عضدۃ الدولہ ودین ذالسلطنت محمد سرفراز خاں.... نقل شدہ درآمد مزد کتابت مبلغ یک روپیہ چلنی حیدرآبادی با آشنائے صادق مذکور دادہ شدہ کاغذ کتابت از نزدِ خود دادہ شدہ بود۔'' 5

اس تفصیل سے دو باتیں سامنے آتی ہیں یعنی (1) یا تو اس قسم کی کتابوں کو لکھنے کے لیے عام طور سے کاتب تیار نہیں ہوتے تھے اور جو یہ کام کرتے تھے بہت مزدوری طلب کرتے تھے، یا (2) اس قسم کی کتاب لکھوانے والوں کے پاس روپیہ بہت تھا اور انھوں نے خزانے کے منہ کھول دیے تھے۔

نواب انگریزوں کی ریشہ دوانیوں سے عاجز ہو کر جنگ کی تیاری کرنے لگے تو عقیدے کی آڑ لے کر نہ صرف ان کو گرفتار کر لیا گیا بلکہ ہر اس شخص کو جو جنگ کے اس ارادے سے موافقت رکھتا تھا وہابی کہہ کر کرنول سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا اور اس سلسلے کی کتابوں اور رسالوں کو اچھی اجرت دے کر نقل کروایا گیا تا کہ ان کی اشاعت اور ترویج زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔ اس زمانے کی نثر و نظم کا مطالعہ کرتے وقت سیاسی حالات اور معاملات پر نظر رکھنی ضروری ہے۔

الف - شاعری

کرنول (قمر نگر) کے علاقے میں جب تک نوابی کا سلسلہ رہا، وہاں صاحبانِ علم و ہنر کی اطراف و جوانب سے آمد و رفت جاری رہی بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہاں کے بیشتر نام بر آوردہ اہلِ قلم وہ تھے جو باہر سے آ کر یہاں رہ پڑے تھے۔

1- حسرت- شیخ احمد

حسرت تخلص، شیخ احمد نام لیکن مفتی میاں جان کے نام سے معروف تھے۔ ان کے والد کا نام شیخ محمود بتایا گیا ہے۔ عقائد کی تحصیل کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ:

"عربی فارسی بولی میں علم کی کتاباں ہیں سو عرب و فارس کے لوگ اپنی مادر زاد بولی میں علم ہونے کے سبب جلد علم کی لیاقت کو پہنچتے ہیں اور ہندی کے لوگ وہ دوسری بولیاں سیکھنے کے سوائے علم و عقل، کتابوں سے حاصل نہیں کر سکتے۔ اکثر بے خبر ناواقف و کم عقل رہتے ہیں.... تب اگر ایک کتاب فارسی یا عربی میں عقائد و مسائل کی ہووے کہ جسے سیکھنا ضروری ہے تو ہر ایک مسلمان کوں وہ بولی سیکھنے کی محنت لیے سوائے وہ کتاب نہ سمجھے اور اسی کتاب کو اگر ایک آدمی نے محنت کر کے ہندی میں بنایا تو پھر سب کی

محنت آسان ہوگئی کہ اپنی بولی میں ہونے سے سب جلد سمجھ لیویں گے۔"1

اس اقتباس سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں یعنی:

(1) مصنف عربی، فارسی سے واقف تھا لیکن یہ چونکہ "دوسری بولیاں" تھیں ہندوستان کے عوام کے لیے عقیدے کی کتابوں کو زبانِ ہندی میں منتقل کر دینا چاہتا تھا، اور (2) خود مصنف کی زبان شمالی ہند کی بول چال کے مطابق نہیں تھی لیکن وہ جن لوگوں میں رہ رہا تھا ان میں اکثریت ایسوں کی تھی جو زبانِ ہندی کو سمجھتے تھے۔

بظاہر مصنف گجرات کا رہنے والا تھا چنانچہ اس کی بعض ابتدائی تصانیف سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔

الف۔- بیاضِ احمدی

یہ بہ گمانِ غالب حسرت کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے۔ مخطوط پر اس کا نام اس طرح لکھا ہے:

"یہ کتاب بیاضِ احمدی بہ مع شرح"

کتاب کا متن منظوم ہے اور شرح نثر میں ہے۔ کتاب کی ابتدا اس تمہید سے ہوتی ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" بیان میں بعض ضروری مسائل وعقائد وفقہ دینِ محمدی کے ہے۔ بھائی مسلمان عامیوں کے واسطے اور جیتوں میں بنا نا منہ پر یاد رہنے کے واسطے ہے ارادہ شاعری کا نہیں ہے...."

سالِ تصنیف کا بیان مصنف نے اس طرح کیا ہے:

اب تیری رحمت کے سوا اے رَبّنا نہیں آسرا — احمد میاں جان کو بھی تو غفار ہے دو جگ بھیتر
بارہ سو ہجری کے اوپر یک تیس میں ہوئی یہ تمام — جو کوئی پڑھے اور جو سُنے ہو رب سے رحمت اس اُپر

یعنی یہ کتاب 1231ھ (1815) میں مکمل ہوئی تھی۔ پھر مصنف نے اس میں اضافے کیے اور ان کا ذکر اس نے اس طور پر قلمبند کیا ہے:

"یہ کتاب سنہ مذکور میں بہ طریق بڑودہ کے بندر مبارک سورت میں لکھی گئیں۔ بعد اس کتاب کے حاشیے پر بعضے مسائل ضرورت کے سبب اور بحث وتکرار کے

سب لکھتے لکھتے بہت ہوئے۔ بعد شولا پور کے مقام میں آنا ہوا تب مسایل
زوایدبہ مع فوایدبہ طریقہ شرح کے داخل کیا تا کہ ہند کے بھائی مسلمان عامی
لوگ ہندی میں مسایلِ دین کے ہونے سے سیکھ کر علم دین سے واقف ہوکر اہل
علم میں گنے جاویں۔''

اس بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تیرھویں صدی ہجری کے ربع ثانی میں ان مقامات پر ہند (پورب دیس) کے لوگوں کی تعداد خاصی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہاں کی بول چال پر بھی ان کا اثر مرتب ہوا ہوگا۔

شاعر نے اپنی یہ منظوم تصنیف دعاؤں پر ختم کی ہے چنانچہ آخری اشعار یہ ہیں:

از طفیل مصطفیٰؐ اور انبیا آل اور اصحاب جملہ اولیا
فضل سے اپنے دعایاں کر قبول کرم سے اپنے مُراداں کر حصول
بخش دے احمد میاں جاں کے تیئں یہ محمدؐ کے ثناخواں کے تیئں

ان شعروں میں شاعر نے اپنا پورا نام نظم کیا ہے۔ شاید اس ابتدائی زمانے میں اس نے اپنا تخلص مقرر نہیں کیا تھا۔

ب-سیف الاسلام

بیاضِ احمدی کو مرتب کر لینے اور پھر اس میں ضروری رد و بدل کر کے شرح کے ساتھ اسے کتابی صورت دے چکنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ احمد میاں جان حسرت کو نظم و نثر میں تصنیف و تالیف کا شوق ہو گیا تھا۔ سورت میں قیام کے زمانے میں اس نے سیف الاسلام کے نام سے ایک رسالہ سماع کی تردید میں لکھ ڈالا تھا۔

اس کے بارے میں اس کا بیان یہ ہے:

بنائی ہے ہم نے ایک ہندی کتاب کیا سیف الاسلام اس کا خطاب
پڑھے جو کوئی اس کو کاٹے کفر بہت مذہبوں کا ہے اس میں ذکر

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے تک میاں جان نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کر لیا تھا اور اپنے اس رسالے میں حسب موقع ان کا مقابلہ بھی کیا تھا۔

ج-بدعت شکن

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کے کتب خانے میں اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ محفوظ تھا جس کے بارے میں اب صرف اسی قدر معلوم ہے کہ:

نام رسالہ - بدعت شکن، مصنف مفتی میاں جان احمد سورتی عرف مولوی شیخ احمد

سال تصنیف 1244ھ (29-1828)، سال کتابت-1252ھ

نام کے ساتھ کلمہ "سورتی" کا الحاق اس شہر میں وقتی طور پر مصنف کے قیام کے سبب سے ہے۔

اس کتاب کا ایک مخطوطہ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد میں بھی ہے جس کی کتابت 1264ھ میں دوسو سے زائد صفحوں پر ہوئی تھی۔2اس کے ہر صفحہ پر گیارہ سطریں ہیں۔ مصنف نے ذیل کے شعروں میں اس کے بارے میں ضروری معلومات نظم کر دی ہیں:

سورت سے شولاپور دکھن میں آ　　جو دیکھا سو اس کا کچھ اک لکھا
ہزار و دو صد اس پہ چالیس چار　　جب ہجری سے گذرے لکھا یہ بچار
یہ بھی ایک فرض اپنے سر کا ادا　　میاں جان احمد نے کر کے دیا
رسالہ صحیح کر کے بیتیں شمار　　ہو ویں سات سو نوڈ اوپر چہار

یعنی شولا پور میں پہنچنے کے بعد شاعر نے وہاں پر مسلمانوں کے جو حالات دیکھے تھے، اس رسالے میں ان کو قلمبند کر دیا ہے۔اس رسالے کے آغاز کی عبارت یہ ہے:

"الحمدللہ رب العلمین - الخ بعد معلوم ہووے کہ یہ رسالہ بدعت شکن نام زبان پر جلد یاد ہونے کے لیے بیتوں میں بنایا اور اس کی شرح میں سے بھی کچھ کم وبیش اس میں لکھا ہے..."

نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے اسی بات کو وضاحت کے ساتھ ان لفظوں میں تحریر کیا ہے:

"مسلمانوں میں جو بدعتی رسوم عام طور پر جاری ہیں اور خصوصاً دکھن میں بماہ محرم وغیرہ جو بدعتیں کی جاتی ہیں ان کی نسبت بہ دلائل قرآن مجید واحادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایسی بدعتیں شرک وکفر تک پہنچ جاتی ہیں۔ اصل مطالب ابیات میں اور ان کی مختصر شرح نثر میں ہے۔"

د- چار چمنِ شہادت

اس کتاب کے نسخۂ آصفیہ کے تعارف میں نصیرالدین ہاشمی مرحوم نے جو لکھا ہے، اس طرح ہے:

'' چار چمنِ شہادت صفحے 158، فی صفحہ 19 سطر

مصنف شیخ احمد نام، حسرت تخلص، باپ کا نام محمد علی''3

باپ کا نام لکھنے میں شاید غلطی ہو گئی ہے کیونکہ ان کا نام دوسری جگہ شیخ محمود بتایا گیا ہے۔

کتاب کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں:

الٰہی حُسنِ نیت ساتھ حسرت لکھا چہتا ہے اب حالِ شہادت
مرا حال اور میری آل کا حال بیاں کرتا ہے، کرتو اس کو اقبال

اور یہ نظم ذیل کے شعر پر ختم ہوئی ہے:

شہیدوں کا نہایت کر کے ماتم کہی تاریخ یوں دل نے ''کرو غم''
1266ھ

1266ھ (1850) کے لکھے ہوئے مصنف کے اصل مسودہ سے کئی برس بعد کڑپہ میں اس کی نقل تیار کی گئی تھی چنانچہ ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

''تمت الکتاب چار چمنِ شہادت بدستِ مولف روایاتِ شہادت شیخ احمد حسرت ماہ صفر المظفر بروز آخری چہار شنبہ 1266ھ۔ مالکِ ایں کتاب حکیم بایزید خاں ولد حکیم کلو خاں ساکن شہر کڑپہ 1300ھ مَن نقل کردم۔ تمام شد وقتِ عصر ماہ رمضان شریف بتاریخ یکم۔''

ہاشمی مرحوم نے اس کتاب کے مطالب کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''اس میں وفاتِ آں حضرت صلعم کے حالات اور حضرت امام حسنؓ و حسینؓ کی شہادت کے حالات کتبِ معتبرہ سے جمع کیے ہیں۔ ابتدا میں تاریخ تصنیف 1264ھ ظاہر کی گئی ہے.... یعنی ابتدا تالیف کی اس سال میں ہوئی۔''

کتاب کے مطالب چار ''چمن'' (ابواب) میں تقسیم کیے گئے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کا یہ نام مقرر کیا گیا ہے۔

ہ۔قصہ کراماتِ اولیا

حسرت کی اس منظوم تصنیف کا زمانہ معلوم نہیں ہے۔ اس کے نسخۂ بمبئی کے تعارف میں ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے تحریر کیا ہے:

''شاعر نے مثنوی میں دو ایک جگہ احمد کا لفظ بطور تخلص استعمال کیا ہے۔ خاتمہ کا ایک شعر ہے:

بس احمد مختصر کر یہ حکایت   تا خوانندہ کو نا ہووے ملالت

مثنوی میں اس کے ایک کردار برہمن کی زبانی جو مکالمات ادا کروائے گئے ہیں وہ گجراتی زبان میں ہیں۔ رسم الخط اردو ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف گجراتی زبان سے بھی واقف ہے۔''4

معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیخ احمد کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے اور اس وقت تک وہ اپنے نام احمد کو بھی تخلص کے طور پر استعمال کرتے تھے اور گجرات کے علاقے میں مقیم تھے۔ نظم کے ابتدائی شعر یہ ہیں:

ثنا و حمد کے لائق ہے مولا   کیا ہے جس نے پیدا ارض وغیرا
وہی ہر انس و جاں کا خاص معبود   کیا ہے کُن میں جو کونین موجود
سزا وار اس کو ہنگی سب خدائی   کہ ہیں مخلوق اس کے مرغ و ماہی

اور خاتمہ ان شعروں پر ہوا ہے:

الٰہی اب مصنف کو تو رکھ شاد   مکاں اس کا فراغت سے کر آباد
مُرادات اس کی بَرلا یا الٰہی   سبھی کر دور کلفت اور تباہی
پڑھو صلوٰۃ ہر دم نیک ارباب   نبیؐ پر اور برسب آل و اصحابؓ

قصہ اس مختصری مثنوی کا جو 35 صفحات میں سما گئی ہے (ہر صفحہ پر 13 شعر ہیں) مختصراً یہ ہے:

''ایک سپاہی بے روزگاری سے پریشان، اپنی بیوی کے کہنے سے نوکری کی تلاش میں نکلا۔ نوکری تو نہ ملی۔ ایک بزرگ کی درگاہ پر حاضری دینے لگا، جو:

تھے فرزند پیر محی الدین کے اک مرد   سیادت اور شرافت میں تھے وہ فرد

روز قرآن پاک کی تلاوت کرتا اور سرِ شام گھر لوٹ جاتا۔ 40 دن بعد قبر سے
آواز آئی کہ تمھاری عبادت ہم کو پسند آئی۔ کل سویرے جب آؤ گے تو تم کو ایک
تھیلی اشرفی کی ملے گی۔ یہ آواز ایک برہمن نے بھی سُنی۔ دوسرے دن وہ
جلدی سے پہنچا۔ تھیلی وہاں نہیں تھی۔ غصہ سے اس نے قبر میں لات ماری۔ اس
کا پاؤں قبر میں دھنس گیا۔ سپاہی پہنچا تو قبر سے آواز آئی کہ برہمن نے ہمارے
ساتھ بہت بدتمیزی کی ہے۔ جب تک وہ تھیلی بھر اشرفیاں بطور تاوان نہ دے گا
وہ نہ چھوٹے گا۔ ناچار اس نے سپاہی کو اپنی تجوری کی کنجی دی کہ گھر جا کر میری
بیوی سے کہہ کر اشرفیوں کی ایک تھیلی لے آئے۔ اس طرح برہمن کو چھٹکارا
حاصل ہوا اور سپاہی کا بھلا ہو گیا۔"

شیخ احمد حسرت نے نظم کے ساتھ نثر میں بھی بعض کتابیں لکھی تھیں۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

2- سُنّی - جان محمد

سُنّی تخلص اور جان محمد نام تھا۔ شیخ احمد حسرت معروف بہ میاں جان کے بڑے بیٹے تھے۔ مذہب کے سختی کے ساتھ پابند تھے چنانچہ تخلص سے بھی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نعت گوئی کے لیے معروف ہوئے۔ 4 ربیع الاول 1288ھ (1871) کو وفات پا کر حیدرآباد میں حُسین ساگر کی چادر کے قریب دفن ہوئے۔ ان کی منظومات کے صرف دو قلمی نسخوں کا پتہ چل سکا ہے۔

الف- قصیدۂ منقبت

ڈاکٹر زور مرحوم نے اس کے تعارف میں لکھا ہے:

"کل بارہ صفحے، فی صفحہ بارہ سطر۔ شاعر سُنّی نے حضرت عبدالقادر جیلانی کی ایک
کرامت کا بیان کیا ہے کہ انھوں نے ایک ضعیفہ کو گیارہ فرزند عطا فرمائے تھے۔" 4

اس کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں:

باوضو لے کر قلم لکھتا ہوں میں حمدِ خدا   بعد ازاں کر کے ادا نعتِ نبی صَلِّ علیٰ
بعد اس کے کر کے کچھ توصیفِ اصحابِ کرام   میں کرامت غوث کی لکھتا ہوں با صدق و صفا

ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قصیدے کی تمہید نعت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ پھر حضرت غوث

اعظم کی کرامت کا واقعہ نظم کیا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے اپنی گیارہ آرزوؤں کے پوری ہونے کے لیے دعا کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جنوب کے علاقے میں قصیدہ اُمرا کی غرض مند مداحی تک محدود نہیں تھا۔ اس قصیدے کے آخری تین شعر یہ ہیں:

نویں یہ ہو خاتمہ بالخیر میرا، مرتے دم　　دسویں یہ ہے، مکر سے شیطان کے دنیا بچا
اور میری فکر کیجئے دور یا غوثِ کریم　　گیارہویں یہ حشر میں ہو ظلِ دامان آپ کا
ہے یہ سُنی روزِ اول سے غلامِ کمتریں　　تم خدا سے یہ دلا دو اس کا ہر اک مدعا

ب۔وفات نامۂ حضرتؐ

سنی کی اس نظم کا خطی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں موجود ہے۔ افسر صدیقی مرحوم نے اس کے بارے میں جو معلومات قلمبند کی ہیں یہ ہیں:

''وفات نامۂ حضرت رسولِ مقبولؐ صفحات 16 فی صفحہ 11 سطر۔
اس میں حضرت رسالت مآبؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری حصے کا ذکر ہے جس میں
وصال بھی شامل ہے.... معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ مصنف کے قلم کا ہے....''

اس کی ابتدا ذیل کے شعروں سے کی گئی ہے:

میں اب حُسنِ نیت سے سجدے میں جا کر　　کروں دل سے توصیفِ اللہ اکبر
بقا ذات اس کی ہے، سب کو فنا ہے　　وہ واحد ہے اس کا نہیں کوئی ہمسر

ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نظم بھی قصیدے کی ہیئت میں ہے چنانچہ شاعر نے تمہید اور خاتمہ وغیرہ کا بھی اس میں اہتمام کیا ہے۔ خاتمہ کے آخری دو شعر یہ ہیں:

خدا کی عنایت سے اب یا محمدؐ　　محبت سے رہویں یہ با ایک دیگر
درود اور صلوٰۃ عجز ادب سے　　اے سُنی تو پہنچا بہ روحِ معطر

سُنی کے کلام کا انداز تقریباً وہی ہے جو ان کے والد شیخ احمد حسرت کا تھا۔ سُنی کے یہ دو شعر اور بھی دستیاب ہوئے ہیں:

غم نہ کھا رکھ دل کو خوش ہر حال اے سنی مدام　　اک نہ اک دن تجھ پہ فیضِ غوث جاری ہو جائے گا
ہو یگا اس ذات کا جب فضل تیرے حال پر　　کچھ نہ ہو دیگا ہی، ہو تو کچھ نہ کچھ ہو جائے گا

نواب غلام رسول خان بہادر کے زمانے تک کرنول میں مثنوی وغیرہ کے ساتھ ساتھ غزل گوئی کا بھی کم وبیش رواج رہا تھا لیکن سرکار کمپنی کے تسلط کے بعد جب وہاں کے حالات دگرگوں ہوئے تو اکثر شعرا ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے۔ وہاں کی ہر قسم کی محفلیں اجڑنے لگیں۔ شعرا اور علما میں سے بھی بیشتر جس کے جدھر سینگ سمائے اُدھر چلا گیا۔ غزل گوئی کا چلن بھی اس علاقے سے تقریباً اٹھ گیا۔ جو یہاں رہ گئے تھے ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

3- سردار- سردار علی خاں

نصیر الدین نقش نے سردار کے خاندانی واقعات کی طرف اشارے کر کے، ان کے حالات مختصراً اس طرح تحریر کیے ہیں:

''سردار تخلص، سردار علی خاں سمیٔ الرحمان از قوم افغان پنّی نژاد، محمد زئی مولدش قمر نگر عرف کرنول، سرکار امتیاز گڑھ صوبہ دار الظفر کہ آبا و اجدادش از ڈھونڈاری المعروف بہ اعظم نگری۔ والدش باپدر خود بہ ترکِ توطنِ ہندوستان رخت سفر بہ دکن کشید۔ نواب محمد الف خاں مرحوم والیِ کرنول بہ نوازش جاگیر و منصب بہ مقربانِ بارگاہ خود اختصاص بخشید۔ بعد مدّتِ مدید بہ انقلاب روزگار بہ عہد حکومت نواب غلام رسول خان بہادر خلف نواب مرحوم مُلک کرنول از قبضہ اش بدر رفت و تسلط ریاست انگریزی واقع شد، خان مذکور مع اہل و عیال بہ بلدۂ حیدر آباد رسید و بہ نسبت تلمذ با بندگانِ حضرت فیض منسوب بودہ۔ الحال از راقمِ آثم نسبتِ استفادۂ این فن می دارد۔ بہ علوم مالابد بہ دستگاہ معتد بہ موصوف و نظم و نثرش فارسی و ہندی خیلے دلآویز....''[7]

سردار اپنے زمانے کے مشاق، قادر الکلام اور معروف شاعروں میں سے تھے۔ اردو میں ان کے اکثر شعروں میں آمد اور بے ساختگی کا وصف پایا جاتا ہے۔ زبان بھی ان کی صاف، سلیس اور رواں ہے۔ ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے:

جو سخن منہ سے نکل جاتے ہیں　　مثلِ دُر سانچہ میں ڈھل جاتے ہیں
سامنے شعلۂ رخسار کے ہم　　موم بن بن کے پگھل جاتے ہیں

دست انداز مضامینِ بلند   پھر ہوئی طبعِ رسا سردار کی
خامہ ہمارا منتظم باغ عام ہے   ارزاں فروشی ثمرۂ شیریں کلام ہے

افسوس ہے کہ سردار کی کوئی نثری تحریر دستیاب نہیں ہو سکی ہے۔

4- مصدق- بڑے میاں

مصدق کرنول کے علاقے میں استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ نقش نے ان کے تعارف میں لکھا ہے:

''مصدق تخلص بڑے میاں صاحب کرنولی۔ دریں بلدہ مدتہا ماندہ، ہم دریں جا وفات کرد۔ از وظیفہ خواران مایدۂ نوال یوسف خاں جمعدار متخلص بہ یوسفؔ و ہم استادش بود۔ صاحب دیوان است....''8

ان کے شعر اس قسم کے ہوتے تھے:

کیا ہوں مصرعِ ابرو کو بسم اللہ دیواں کا   بندھا شیرازۂ محکم تری زلف پریشاں کا
الف کی جا ہر اک جا کھینچتا ہے قامتِ موزوں   قلم کو بھی بندھا ہے دھیان شاید قدِ جاناں کا
شرر کی جا ہر اک پتھر سے قطرہ خوں کا نکلے ہے   شہید ناز خوباں کے میں دیکھا ہوں مزاروں کو
باغِ محفل میں جو ذکرِ رُخ و کاکل نکلے   شجرِ شمع سے گل، دود سے سنبل نکلے

کچھ شک نہیں کہ مصدق کو تلاشِ مضامین تازہ کا شوق بہت تھا۔ زبان و بیان پر انھیں اچھی قدرت حاصل تھی۔ ان کی زبان پر مقامی بول چال کا اثر نمایاں تھا۔

مصدق کے شاگردوں میں کئی نے اپنے حلقہ میں نام پایا تھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

منور، سید منور میاں ساکن چنچل گوڑہ، حیدرآباد، اور یوسف،
یوسف خاں ابن شاہ عالم خاں بابوزئی سپہ دار سرکار آصفیہ متوفی 1271ھ (1855)۔

ب - نثر

کرنول کے علاقہ میں نظم کی طرح اردو نثر بھی کچھ زیادہ ترقی نہیں کر سکی۔ جن چند کتابوں کا حال معلوم ہوسکا ہے وہ تصوف اور مذہب کے معاملات و مسائل سے متعلق ہیں۔

1- شیخ احمد

شیخ احمد عرف مفتی میاں جان حسرت نے اوائل عمری میں ہی اردو نثر لکھنی شروع کر دی تھی۔ ان کی بعض تحریروں کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر تک وہ مطالعے اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں مصروف رہے تھے۔

شولا پور ہوتے ہوئے جب حسرت کرنول عرف قمر نگر میں پہنچے تو وہاں استقلال کے ساتھ سکونت پذیر ہو گئے چنانچہ ان کو اکثر ''کرنولی'' بھی کہا گیا ہے۔ اس شہر میں رہ کر انھوں نے اردو نثر میں بھی چند کتابیں لکھی تھیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

الف- چار باغ احمدی

حسرت سُنّی مسلمان تھے۔ اپنے عقیدے کے مطابق انھوں نے اپنی کچھ کتابوں کے نام میں لفظ ''چار'' کو شریک کیا ہے چنانچہ چار باغ احمدی کا بھی یہی معاملہ ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔[1] یہ 15 سطری مسطر کے 74

صفحات پر محیط ہے۔ اس کا سالِ تصنیف 1270ھ (1854) ہے اور اسی سال میں اس کی کتابت بھی ہوئی تھی۔ چنانچہ غالب گمان ہے کہ یہ نسخہ بخط مصنف ہے۔

ب- چار گلشنِ غوثیہ

انجمن ترقی اردو پاکستان میں اس کتاب کا بھی ایک ہی نسخہ موجود ہے جس کی کتابت 15 سطری مسطر پر 28 صفحوں میں ہوئی ہے۔ اس نسخہ کا سالِ تصنیف بھی 1270ھ ہے اور اسی سال میں اس کی کتابت بھی ہوئی ہے۔ یہ بھی بخطِ مصنف ہے۔

ج- مسلک السالکین

اس کتاب کا جو نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانہ میں ہے بخطِ مصنف ہے اور اس کا بھی سالِ تصنیف و کتابت 1271ھ (1855) ہے۔ 3 اس میں مصنف کا نام ''شیخ احمد کرنوئی'' آیا ہے۔

یہ کتاب شاہ نور قطب عالم کی فارسی تصنیف ''انیس الغربا'' کا اردو میں نثری ترجمہ ہے۔ یہ کام شیخ احمد نے اپنے ایک شاگرد عبدالرحمان کی فرمائش پر کیا تھا۔ مترجم نے اس ترجمہ میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ یہی نہیں، اس نے فارسی کے شعروں اور رباعیوں کے ترجمے کو بھی موزوں کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

کتاب کا آغاز حمد و نعت میں تیرہ شعر لکھ کر کیا ہے۔ درمیان میں نثری عبارت ہے، اس طرح:

''کیا کروں حمد و ثنائے کرد گار — فضل و رحمت ہے اسی کو سازوار

''قَالَ النَّبِی صَلَّی اللّٰہ عَلَیہ وَآلہ وصَحبہ وسَلم دعوۃ الغریب مستجابۃٌ و درجۃ شہادۃٌ یعنی دعا غریب کی مقبول ہے اور اس کے واسطے درجہ شہادت کا ہے....''

اس کتاب میں ثنا کا آخری شعر یہ ہے:

ہے دلیلِ استوار اس پر مبیں — دی خبر اس طرح احمد نے یقیں

مصرع ثانی میں شاعر نے حسرت کے بجائے اپنا تخلص احمد نظم کیا ہے جس سے شعر کا لطف دوبالا

ہو گیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ وہ حسرت کے ساتھ ساتھ احمد تخلص بھی کرتے تھے۔

کتاب کا اختتام ذیل کے فقروں پر ہوا ہے:

''اے باری تعالیٰ رحم کر میری غریبی پر اور ہمدم رہ میری وحشت کا اور ہو میرے واسطے ہمدم اور ہو قبول کرنے والا میری دعا ہر دعا کرنے کے وقت۔''

اس خطی نسخے کا یہ ترقیمہ بھی لائق توجہ ہے:

''تمت الکتاب مسلک السالکین بترجمۃ الانیس الغر باتی اللسان الہندی بہ عون الملک الوہاب من ید فقیر حقیر أضعف من عباد اللہ الصمد شیخ احمد تخلص بہ حسرت فی التاریخ تسع عشر شہر ذی الحجہ یوم الاحد 1271ھ یعنی تمام ہوئی کتاب مسلک السالکین ترجمہ أنیس الغربا کا زبان ہندی میں ساتھ مدد اللہ تعالیٰ کی ہاتھ سے فقیر حقیر ضعیف تر بندوں سے اللہ تعالیٰ پاک کے شیخ احمد متخلص بہ حسرت بیچ تاریخ اُنیسویں مہینے ذی الحجہ روز یکشنبہ 1271ھ کے۔''

اس سے بھی ظاہر ہے کہ کتاب میں بعض عبارتیں حسرت نے عربی میں بھی لکھ کر ان کا اردو نثر میں ترجمہ کیا ہے۔

حسرت بامحاورہ اردو نثر لکھنا چاہتے تھے چنانچہ لفظوں کا ترجمہ لغت کے مطابق نہیں کیا ہے مثلاً ''اَضعف'' کا ترجمہ ''ضعیف تر'' کیا ہے، وغیرہ۔

اردو نثر میں حسرت کی ایک دو کتابیں اور بھی ہو سکتی ہیں لیکن فی الوقت ان کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی ہے۔

کرنول کے علاقے میں حسرت کے سوا اور کسی نثر لکھنے والے کا حال معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ امتداد زمانہ سے اس شہر کی بیشتر تحریریں ضائع ہو گئی ہیں۔

ooo

حواشی

-1	تذکرہ مخطوطات	جلد3	ص242
-2	ایضاً	جلد5	ص145
-3	بمبئی کے اردو مخطوطات		ص27
-4	تذکرہ مخطوطات	جلد1	ص226

الف - شاعری

-1	بمبئی کے اردو مخطوطات		ص57تا58
-2	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص126
-3	بمبئی کے اردو مخطوطات		ص270تا272
-4	تذکرہ مخطوطات	جلد2	ص184
-5	انجمن ترقی اردو کراچی کے مخطوطات	جلد5	ص364تا365
-6	تذکرہ مخطوطات	جلد4	ص225
-7	عروس الاذکار		ص84تا85
-8	ایضاً		ص152

ب - نثر

1-	انجمن ترقی اردو کراچی کے اردو مخطوطات	جلد1	ص55
2-	ایضاً	جلد1	ص56
3-	ایضاً	جلد2	ص220تا222

بیگن پلی

	بیگن پلی		363
1-	راز-	سید برہان الدین حُسینی	364
2-	بہتر-	سید علاءالدین حُسینی	364
3-	شہوار-	غلام حیدر	364
	حواشی		366

بیگن پلی

بارھویں صدی ہجری کے عشرۂ پنجم (اٹھارھویں صدی عیسوی کے عشرۂ سوم) میں وجدی تخلص کے ایک شاعر نے مثنوی ''مخزنِ عشق'' لکھی تھی۔ یہ شاعر کرنول کے نواب اسماعیل خاں خلف پنّی خاں کا متوسّل تھا چنانچہ ان کی تعریف میں کہتا ہے:

پنّی کی قوم کا سردار و سرور 1 جھلکتا آفتاب ذرّہ پرور
کرے سایہ میں جس کے دولت آرام ہمایوں بخت اسماعیل خاں نام
پنّی خاں کا سچا نامی خلف وو دھرے نسبت بہادر خاں طرف وو

اسماعیل خاں کے پانچ بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام اسد خاں تھا۔ خاتمے کی فصل میں وجدی نے اس کے لیے خصوصاً دعا کی ہے:

خصوصاً وو سعادت کا ستارا کہ جس کا ہے اسد خاں ناوَں پیارا
عیاں دِس آئے دیکھ اس کی پشانی نہنے سِن میں بزرگی کی نشانی

نواب سید اسد علی خاں نے بوجوہ ریاست کرنول کے ایک قصبہ بیگن پلی میں سکونت اختیار کر کے اسے رونق دینی شروع کی۔ شدہ شدہ یہ جنوبی ہند کا ایک معروف شہر بن گیا۔

محی الدین شہیار خلف غلام حیدر شہوار نے ''رووسائے بیگن پلی'' کے نام سے اس ریاست

کے حاکموں کی تفصیل اور خاص مصنوعات وغیرہ کا احوال قلم بند کیا ہے۔ 2 نوابی کے زمانے میں اس ریاست میں بھی شعر وسخن کا کسی قدر رواج ہو گیا تھا چنانچہ بعض شاعروں کا نام اور کلام نقل کیا جاتا ہے۔ اس ضمن پر یہ حقیقت بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ بنگن پلی اور کرنول کے درمیان آمد ورفت کے سلسلے جاری تھے اور اکثر لوگ حسب ضرورت کبھی یہاں اور کبھی وہاں رہتے تھے۔

1- راز- سید برہان الدین حُسینی

نصیرالدین نقش نے ان کے تعارف میں لکھا ہے:

''راز تخلص، نامش سید برہان الدین حُسینی کہین برادر علاء الدین بہتر، ساکن بنگن پلی۔ در خطوط نویسی دستگاہے و در موسیقی کمالے داشت۔'' 3

2- بہتر- سید علاء الدین حُسینی

''بہتر تخلص سید علاء الدین حُسینی الجعفری، از اولاد شاہ اسماعیل صاحب گھوڑ داڑی قدس سرہ، است، شاگرد بڑے میاں صاحب مصدق'' 4

نمونۂ کلام راز

نکلے آنکھوں پہ نہیں اس بتِ سفاک کے پر　　　تیر مژگاں کے ہیں یا ناوکِ چالاک کے پر

اور اشعار بہتر:

دودِ دل فرطِ الم سے نہیں یار اٹھتا ہے　　　کثرتِ پائے عساکر سے غبار اٹھتا ہے

قطرۂ آب تری زلف سے یوں ٹپکے ہے　　　جوں فلک پر سے شب تار میں تارا ٹوٹا

اگر چہ ڈھونڈا جہان سارا ملا نہ اس کا سراغ ہم کو
سوائے اپنے نظر نہ آیا یہ راہِ حق کا چراغ ہم کو

دونوں بھائیوں کو مختلف قسم کی صنعتوں سے اپنے کلام کو آراستہ کرنے کا بہت شوق معلوم ہوتا ہے۔ دونوں مشاق اور قادر الکلام بھی تھے۔ امکان ہے کہ راز نے اپنے بڑے بھائی بہتر سے بھی کسب فیض کیا ہو۔

3- شہوار- غلام حیدر

شہوار تخلص، غلام حیدر نام تھا۔ ان کے بزرگوں کے جو نام معلوم ہو سکے درج ذیل ہیں:

شہوار غلام حیدر ابنِ جوہر ملک محمود 5 ابن قاضی محمد عیدروس

ابن قاضی صبغۃ اللہ ابن قاضی احمد ابن ملا محمود (جو بنگن پلی میں آئے)

برادر غلام علی (مقیم کرنول) ابن ملا احمد ابن فاضل خاں

اس علم دوست خاندان میں کئی لوگ شاعر ہوئے۔ خود شہوار کے بیٹے غلام محی الدین بھی شاعر تھے شہیار تخلص کرتے تھے اور ان کے کلام کا ایک مختصر سا مجموعہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ ہے۔ 6

شہوار قوم نوائط سے تھے اور آخر عمر میں حیدر آباد میں جا کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ اردو میں صاحب دیوان تھے۔ ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد میں موجود ہے۔ اس کے بارے میں نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے جو اطلاعات قلمبند کی ہیں مختصراً یہ ہیں:

''دیوانِ شہوار 423 صفحات فی صفحہ 11 سطر

سال تصنیف 1260ھ (1844)۔

اس دیوان میں غزلیات ردیف وار ہیں۔ ان کے علاوہ مستزاد، رباعیات، آخر میں ''مجرائی'' کے عنوان سے چند نظمیں، جن کو قصائد کہنا چاہیے، ایک قصیدہ نواب الف خاں کی مدح میں، ایک طویل مرثیہ مسدس میں ہے۔'' 7

اس دیوان کا پہلا شعر یہ ہے:

بیٹھے بھی دمِ ذبح جو آنکھوں کو نہ باندھے کچھ رحم تجھے مجھ پہ ستم گار نہ آیا

اور آخری شعر یہ ہے:

پُر نالہ چلے جائیو زینہ ہے سمجھ کر اے حضرتِ دل آپ ہمارے بھی ہو بالا

ہم مشاورہ تقدیر را بہ تدبیراست کہ روز جلوہ کند بہ دعائے مضمرِ تو

تعجب ہے کہ ترقیمہ کے اس شعر سے دیوان کی ترتیب کا سال 1270ھ معلوم ہوتا ہے:

کردچوں دیوانِ من جمع بہ وجہِ حُسن ہاتفِ غیبی بگفت دفترِ عشق پنہاں

ھ1270=1262 + 8

کتب خانۂ آصفیہ کی فہرست میں شاعر کا تخلص ہر جگہ ''شہسوار'' چھپا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ ریاست بنگن پلی کے مزید شاعروں کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

حواشی

1- انجمن ترقی اردو کراچی کے مخطوطات جلد5 ص276

2- ایضاً جلد3 ص91

3- عروس الاذکار ص37

4- ایضاً ص74

5- تذکرہ مخطوطات جلد3 ص122

6- عروس الاذکار ص412

7- آصفیہ کے اردو مخطوطات جلد1 ص34

9-کرناٹک

		کرناٹک	373
		الف - شاعری	375
1-	اعظم-	نواب محمد غوث خاں	375
2-	جذب-	اکرام علی	376
3-	مست-	حسین محی الدین	377
4-	آثمہ-	آثمہ	378
5-	گمنام-	گمنام	382
6-	مختلف شعرا		384
		ب - سفرنامے	385
1-	اطہر-	اطہر	385
2-	عاصی-	محمد سعید مبکری	386
3-	اظفری-	مرزا محمد ظہیر الدین علی بخت	387
		ج - نثر	389
1-	قادر خاں		390
2-	محمد طاہر		391
3-	سید احمد مشتاق		392

-4	معین الدین	400
	د - تذکرے	403
-1	صبح وطن	404
-2	گلزارِ اعظم	404
	حواشی	406

کرناٹک

نواب محمد منوّر خاں اعظم جاہ بہادر کرناٹک کے دوسرے نواب (اعزازی) تھے۔ 30 ربیع الاول 1241ھ (13 نومبر 1825) کو وفات پائی۔ ان کے اکلوتے بیٹے نواب محمد غوث خاں 29 ذی الحجہ 1239ھ (28 جولائی 1824) کو مدراس میں پیدا ہوئے تھے۔ اعظم جاہ کے چہلم کے دوسرے دن انگریز حکام نے ان کو ان کے موروثی خطابات کے ساتھ جو اس طرح تھے:

''امیر الہند، عمدۃ الامرا، مختار الملک، عظیم الدولہ، نواب محمد غوث خان بہادر شہامت جنگ''

کرناٹک کے تیسرے اعزازی نواب کی حیثیت سے مسند نشین کیا۔1 ان کے چچا نواب عظیم جاہ کو کمپنی نے سترہ برس کے لیے ایجنٹ (نائب مختار) مقرر کیا۔ نواب محمد غوث خان 17 رجب 1258ھ (1842) کو باضابطہ اعزازی نواب کی حیثیت سے مسند نشین ہوئے اور 24 محرم 1227ھ (5 اکتوبر 1855) کو فوت ہوئے۔ چونکہ ان کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی کمپنی نے اعزازی نوابی کے سلسلے کو بھی ختم کر دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے طبیب نے ان کو زہر دے دیا تھا۔

کمپنی نے نواب اعظم جاہ کے بھائی غلام محمد علی خاں کو "ہز ہائنس عظیم جاہ بہادر پرنس آف ارکاٹ اول" کے خطاب سے مسند نشین کیا۔[2] انھوں نے 1290ھ (14 جنوری 1847) کو رحلت کی۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد بھی کچھ مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا تھا۔

الف - شاعری

نواب محمد غوث خاں کی شخصیت کو اس علاقے کے علمی اور ادبی ہی نہیں معاشرتی ماحول میں بھی مرکزی حیثیت حاصل رہی تھی چنانچہ ان کے معاملات اور فکر پر توجہ ضروری ہے۔

1- اعظم- نواب محمد غوث خاں

نواب محمد غوث خاں بنیادی طور پر فارسی کے شاعر اور ادیب تھے۔ اردو میں بھی شعر کہہ لیتے تھے۔ اعظم تخلص کرتے تھے۔ ان کے یہ دو شعر حسب حال ہیں:

نہ غرور تاجِ شہی بہ سر 3 نہ سرور نشۂ کرّ و فر
ہمیں افتخار مرا بس است کہ گویند مرا غلام غوث

باوجود یکہ یہ محض اعزازی نواب تھے ان کی فیاضی اور قدر شناسی کی دور تک شہرت تھی چنانچہ مذکور ہے کہ:

''میر بندہ حسن لکھنوی قمر تخلص پختہ کار شاعر اور قابل ولائق فرد تھے۔ راجا چندو لال نے داد و دہش سے دست کشی کی تو انھوں نے نواب اعظم غلام محمد غوث خاں والیِ ارکاٹ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ فارسی زبان میں لکھ کر بھیجا جس میں اپنی مفلوک الحالی اور اشتیاقِ قدم بوسی کا اظہار کیا تھا۔ ابھی کرناٹک جانے کی

نوبت نہ آئی تھی کہ انتقال ہو گیا۔''4

قمر کا فارسی میں قصیدہ لکھنا بھی اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ نواب کے دربار میں فارسی کی دھوم زیادہ تھی۔ اردو میں نواب کے کلام کا نمونہ یہ ہے:

لو زمیں پر دوسرا رشکِ قمر پیدا ہوا ۔۔۔ داغ دل چمکا جو عشقِ سیمبر پیدا ہوا

باتوں پہ دلبروں کی تو ہرگز نہ جائے دل ۔۔۔ آتی ہے خاکِ قیس سے ہر دم صدائے دل

الغرض دل لے لیا ظالم نے سو سو ناز سے ۔۔۔ عشوہ وغمزہ کرشمہ، ناز اور انداز سے

ایک مدت کے یہ طفلِ اشک ہیں پالے ہوئے ۔۔۔ کیوں نہ تڑپے دل تباہی آنسوؤں کی دیکھ کر

نواب اعظم نے شعری مجلسوں کا سلسلہ بھی جاری کیا تھا جسے ''مشاعرۂ اعظم'' کہا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ان مشاعروں میں شاعر کے کلام پر کھل کر تنقید اور تبصرہ ہوتا تھا۔ نواب غلام محمد غوث خاں نے بہارستان اعظم کے نام سے فارسی اور اردو کے اشعار کا ایک انتخاب بھی تیار کیا تھا جس میں غزل کے علاوہ قصیدے، نعت، منقبت، مرثیہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ آخر میں نواب اعظم کے مختصر حالات بھی فارسی میں لکھے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ مطبعِ مظہر العجایب مدراس میں چھپ گیا تھا۔

2- جذب- اکرام علی

نواب غلام محمد غوث خاں کی شخصیت میں نئی نسل کے لیے بڑی کشش تھی چنانچہ نصیر الدین نقش نے جذب تخلص کے شاعر کے حالات میں لکھا ہے:

''جذب تخلص، اکرام علی، نسبتی برادر وجیہ الدین خاں معنی، طوطیِ شیریں مقال، بلند فکر نازک خیال است۔ در آوانِ طالب علمی نزد خان موصوف.... ہمصفیر بود۔ روش رندانہ و وضع بیگانہ دارد.... از چند سال ہندوستان سرگرمِ کبر و نازِ اوست و دکن در فراق بہ سوز و گداز اوست....''5

افسر امروہوی نے اس شاعر کے حالات میں مفید اضافے کیے ہیں۔ لکھا ہے:

''جذب، اکرام علی، پسرِ لطف اللہ خان بہادر۔ سید فتح اللہ خان عالمگیری کی اولاد میں تھے۔ 1250ھ (1834) میں بہ مقام حیدر آباد دکن پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تو ان کے ماموں محمد فخر الدین حیدر خان نے

متبنّی بنالیا۔ میر تفضل حسین عطا سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ کچھ مدت
حافظ شمس الدین فیض سے بھی استفادہ کیا تھا۔ 1268ھ (1852) میں
حیدرآباد سے کرناٹک چلے گئے.... کرناٹک کے ہندوستان میں وارد ہوئے....
جذب صاحب تلامذہ تھے۔" 6

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جذب 18 برس کی عمر میں کرناٹک گئے تھے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد نواب غلام محمد غوث کا انتقال ہوگیا۔ ناچار وہاں سے ہندوستان کا رخ کیا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ یہ ہے:

رنگ اُڑا رنگت پہ میری آفتاب بام کا — دل تپ غم پر مرے لرزا چراغ شام کا
سب تیغوں میں تیغ ابروِ قاتل کی کڑی ہے — جلاد کے منہ پر بھی یہی میں نے جڑی ہے

معلوم ہوتا ہے کہ جذب کو محاورات کے نظم کرنے کا شوق تھا اور لفظوں کی بندش سے شعر میں لطف پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

3- مست- حسین محی الدین

نصیرالدین نقش نے اس شاعر کے تعارف میں بس اتنا لکھا ہے:

"مست تخلص، حسین محی الدین، متوطن ارکاٹ۔" 7

افسر صدیقی امروہوی نے ان کے حالات میں اتنا اضافہ کیا ہے:

"مست، حسین محی الدین خاں، محمد یوسف خاں کے لڑکے تھے۔ سید دین محمد
کرمانی سے ضروری تعلیم حاصل کی تھی۔ شعر گوئی میں عزیز الدین دید سے تلمذ
تھا۔ حکومت برطانیہ کے ملازم رہے۔ حکومت کی طرف سے صوبیداری کے سوا پا
لکی بھی عطا ہوئی تھی۔ اپنے سربراہ کے ہمراہ ایران گئے تھے اور فتح علی شاہ
قاچار والیِ ایران کی پیشگاہ سے "خان" کا خطاب حاصل کیا تھا۔ فارسی خوب
لکھتے تھے۔" 8

مست بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے۔ اردو میں بھی کہہ لیتے تھے۔ ان کی غزلوں کے دو شعر یہ ہیں:

خندۂ آئینہ رو سے مجھے پہ کیا کیا ہوگیا   کھل گئے زخم جگر، دل پارا پارا ہو گیا

پھرتی ہے دوشِ صبا پرمشتِ خاک   کیا مرا برباد ہے گھر دیکھیے

ان سے شاعر کی قوت مشقی اور خوش فکری بھی ظاہر ہوتی ہے۔

نواب غلام محمد غوث اعظم نے ایک مثنوی اعظم نامہ کے نام سے لکھی تھی۔ ڈاکٹر افضل الدین اقبال نے اس مثنوی کو نواب موصوف کے تفصیلی حالات کے ساتھ "نواب اعظمو مثنوی اعظم نامہ" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

4- آشمہ- آشمہ

کہتے ہیں کہ حاکم کی پسند ہی ہنر ہوتی ہے۔ نواب غلام محمد غوث خاں کا شعر کہنا اور پھر ان کا ایک قابل توجہ مثنوی بھی لکھنا ایسا واقعہ نہیں تھا جس کے اثرات مرتب نہ ہوتے۔ قابلِ توجہ بات یہ ہوئی کہ ارکاٹ میں خواتین بھی شعر وسخن سے دلچسپی لینے لگی تھیں۔ خود نواب کے خاندان کی ایک خاتون نے اردو شاعری کے لیے قابلِ ذکر حیثیت حاصل کر لی تھی۔ ان کے حالات اس طرح لکھے گئے ہیں:

> "آشمہ تخلص، ارکاٹ کے شاہی خاندانِ والا جاہی سے تعلق تھا۔ ان کے نانا محمد علی والا جاہ رئیس ارکاٹ تھے۔ باپ کا نام نجف علی خاں تھا اور افتخار تخلص کرتے تھے۔ آشمہ کے شوہر قادر محی الدین خاں ان کے ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سکندر جنگ ان کا خطاب تھا۔ آشمہ کی تعلیم و تربیت باپ کی خاص نگرانی میں ہوئی تھی۔ عالم شباب ہی میں آشمہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔" 9

نجف علی خاں افتخار اور حافظ محمد علی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نواب محمد علی والا جاہ کرناٹک کے دوسرے نواب تھے۔ ان کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہایت مذہب پسند رئیس تھے۔ شاعری آشمہ کی موروثی تھی اور نصیر الدین ہاشمی کا کہنا ہے کہ:

> "آج تک ان کے خاندان میں شاعری سے شغف ہے۔ آشمہ حسب ذیل کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ گلبنِ مہ رخاں، گلشنِ مہوشاں، گلشن شاہداں اور دیوان"

آثمہ کے دیوان کے مشمولات کا حال معلوم نہیں۔ بہر صورت ان کے قادر الکلام اور معروف شاعرہ ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ آثمہ کی مثنویوں کا حال اس طرح ہے:

الف۔ گلبنِ مہ رُخاں وگلشنِ عاشقاں

نصیر الدین ہاشمی نے اس مثنوی کا نام اس طرح لکھا ہے:

''گلبن مہ رخاں یعنی گلشنِ عاشقاں''

اور خود مصنفہ نے اس کا ذکر اس طور پر کیا ہے:

لکھی پہلے اک گلبنِ مہ رخاں دویم تجھ سے ہے گلشنِ عاشقاں

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بظاہر یہ ایک مثنوی ہے لیکن شاعرہ نے اس کے ایک جزو کو گلبنِ مہ رُخاں کے نام سے مکمل کر لیا تھا۔ پھر دوسرا جز لکھا اور اس کا نام گلشن عاشقاں رکھا۔ یہ دونوں نام شاعرہ نے اس طرح نظم کیے ہیں:

بہت غور کر کے ہوں موسوم میں لقب گلبنِ مہ رخاں اس کتیں
جو فی الاصل تصنیف کی داستاں لقب اس کو کی گلشن عاشقاں

یعنی اصل داستان کا نام گلشن عاشقاں ہے اور متعلق واقعات جو نظم کیے ہیں ان کو شاعرہ نے گلبنِ مہ رخاں کہا ہے۔

یہ آثمہ کی پہلی دستیاب مثنوی ہے۔ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد میں اس کا جو قلمی نسخہ ہے 86 صفحوں کا ہے۔ ہر صفحہ پر 17 سطریں ہیں۔ مثنوی کے شروع میں حمد و نعت، بیانِ معراج، مرشد کی مدح اور مناجات کے بعد سببِ تالیف نظم کیا ہے۔ اس کے بعد ایک جشن کا مذکور ہے جو آثمہ نے اپنے والدین کے اعزاز میں چار دن تک منایا تھا۔ مثنوی کے ابتدائی دو شعر یہ ہیں:

کروں کیوں نہ میں حمد اللہ کا جو ہے وردِ جاں ہر دل آگاہ کا
لکھوں کیوں نہ میں حمدِ ربِّ قدیر وہ بے چون و بے مثل ہے بے نظیر

مثنوی کے آخر میں آثمہ نے اس کا قطعہ تاریخ بھی شامل کیا ہے جو اس طرح ہے:

جہاں ضرب کا کر کے قصہ جدا اسے نثر سے نظم کے بیچ لا
آثمہ غرض ان کی تاریخ کو شتابی بیاں کر دے اب ہو بہ ہو

چو ایں نسخۂ خوف اتمام یافت　　کہ کردہ خطش کہکشاں را خجل؟
سنش پے سرجہد درگوشِ جاں　　نداشد کہ منظورۂ اہلِ دل

3　　1268=1271ھ

ب- گلشنِ مہ وشاں

یہ آشمہ کی تیسری مثنوی گلشن مہ وشاں زیادہ ضخیم ہے۔ یہ اکیس سطری مسطر پر دوسو بہتر صفحوں میں سمائی ہے۔ آغاز کے شعر یہ ہیں:

کروں ابتدا اسمِ اعظم رقم　　ہے حمدِ خداوندِ عالم رقم
وہی بیگماں ارحم الرحیم　　ہے بے شک وہی احکم الحاکمین

رواج کے مطابق یہ مثنوی بھی حمد و نعت وغیرہ سے شروع ہوئی ہے۔ ان کے بعد سبب تالیف کے عنوان کے تحت یہ بتایا ہے کہ شاعرہ نے اپنی ماں کے ارشاد کی تعمیل میں جہاں ضرب کی نثری داستان کو نظم کیا ہے۔ اس داستان کا ہیرو لال بادشا. جہاں ضرب اور دادگر اور ہیروئین نازک بدن بہار افزا ہیں۔ لال بادشاہ جواہر شاہ کا بیٹا ہے جب وہ سنِ رشد کو پہنچتا ہے تو تصویر دیکھ کر نازک بدن پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کی تلاش میں گھر سے نکل پڑتا ہے۔ راستہ کی صعوبتیں برداشت کرتا چلا جاتا تھا کہ ایک فقیر احسن الدین سے ملاقات ہوئی جو اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ دیووں سے لڑتا بھڑتا آگے بڑھتا ہے۔ اب ایک جیسواز ہرہ جبیں کی روداد شروع ہوتی ہے۔ بالآخر سبھی لوگ اپنی اپنی مراد پا لیتے ہیں اور اپنے وطن کو واپس چلے جاتے ہیں۔ شاعرہ نے اس مثنوی کی تاریخ اس طرح کہی ہے:

بفضلِ خداوند روزِ شمار　　ہوئی ختم جب مثنوی ایک بار
سن باراسو یہ تھے ستر یہ سات　　ز ہجریِ حضرتؐ علیہ الصلوٰت

7+70+1200　　=1277ھ

آشمہ سے یہی گلشنِ مہ وشاں　　جہاں میں رہے یادگار و نشاں

اور اس کے خاتمہ کے اشعار یہ ہیں:

جو کی فکر تاریخ میں برملا ہے قصہ جہاں ضرب کا دل کہا
ہے یہ ختم تاریخ بار دگر مزاج اپنا خوشحال ہے بیشتر
کہی از رخِ قرب بے شک و ریب خرداس کی تاریخ گلزار غیب

1270

پہلے مصرع میں تعمیہ کے لیے سات کے عدد درکار ہیں اس لیے ضروری ہے کہ پہلے مصرع میں ''رخِ قرب'' کی جگہ ''رخِ زرد'' ہو۔ گمانِ غالب ہے کہ ''قرب'' کاتب کا سہو ہے۔

ایک قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ پہلی مثنوی کی تاریخ میں بھی جہاں ضرب کے قصہ کو نثر سے نظم میں لانے کی بات کہی گئی ہے۔ شاید وہاں بھی کوئی غلطی ہوئی ہے۔

ج۔ گلشن شاہداں

خیال کرنے کی بات ہے کہ آشمہ نے اپنی تین مثنویوں کے نام میں لفظ ''گلشن'' شامل کیا ہے اس نے اپنی اس مثنوی کی ابتدا ان شعروں سے کی ہے:

سرِ نامہ پر کہہ کے تکبیر میں کروں اسمِ اعظم کو تحریر میں
خدائے جہاں اور جاں آفریں کیا کُن سے عرش اور چرخ و زمیں

اس مثنوی میں حمد اور نعت کے بعد حضرت غوث الاعظم کی، پھر اپنے مرشد کی مدح کی ہے۔ ان کے بعد سلطانِ روم عبدالعزیز کی، نواب میر محبوب علی خاں نظام حیدرآباد کی اور وزیراعظم نواب سالار جنگ مختار الملک کی ستائش نظم کی ہے۔

سببِ تالیف میں بتایا گیا ہے کہ شاعرہ 1284ھ (1867-68) میں مدراس سے مکہ معظمہ گئی تھیں۔ حیدرآباد واپس آئیں تو مختار الملک نے ان سے یہ مثنوی لکھنے کی فرمائش کی۔

اس مثنوی میں جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے ایک عشقیہ داستان نظم کی گئی ہے جو اس طرح ہے کہ ایک بادشاہ کا ایک بیٹا جواں بخت نامی تھا۔ باپ نے اس کی شادی کر دی۔ پھر اسے جنگ پر بھیجا۔ وہاں سے یہ کامیاب واپس آیا تو کسی نے اس کی بیوی کے خلاف اسے خبر سنائی۔ وہ تلوار لے کر بیوی کے پاس پہنچا۔ عورت نے اپنی پاکدامنی ظاہر کی۔ شاہزادہ نے یقین کیا اور دونوں دریائی سفر پر روانہ ہوئے۔ طوفان آیا اور دونوں غرقاب ہو گئے۔ ایک

صاحب دل فقیر نے دونوں کو زندہ نکال لیا۔ اس کے بعد دونوں اپنے وطن کو چلے گئے۔ مثنوی کے خاتمہ کے دو شعر یہ ہیں:

پیمبرؐ کے صدقے سے کونین میں — تو کر بہرہ ورہم کو دارین میں
بحق بتول و بنی فاطمہ — ہمارا تو کر خیر پر خاتمہ

اس کے بعد مناجات اور تاریخیں ہیں۔

اس مثنوی میں شاعرہ نے اپنی تصانیف کا شمار کرایا ہے، اس طرح:

لکھی پہلے اک گلبن مہ رخاں — دویم تجھ سے ہے گلشن عاشقاں
سوم گلشن مہ وشاں ہے نمود — چہارم بھی دیوان ہے خوش و جود
تخلص کے ہیں آٹمہ پانچ حرف — کتب پانچ کر اپنی کوشش کو صَرف

آٹمہ میں دو الف مانیں تو حرفوں کی تعداد پانچ ہو جائے گی۔ پانچویں کتاب یہی مثنوی گلشنِ شاہداں ہے۔ اس کا سال تصنیف شاعرہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

سَنِ بارہ سو پرتھے اسّی یہ چار — کیے ہجرت از بہر پروردگار

1200 + 80 + 4 =1284ھ

ان سب مثنویوں کی تکمیل کے بعد کاتب نے لکھا ہے:

''تمام شد 1294ھ'' غالباً یہ فرق سہوِ کتابت کے سبب سے ہوگا۔

امکان ہے کہ آٹمہ نے ان مثنویوں کے بعد بھی شعر وسخن کے سلسلے کو جاری رکھا ہو اور کوئی اور مثنوی بھی لکھی ہو۔

5- گمنام — گمنام

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد (دکن) میں محفوظ ایک سے زائد ایسی قلمی بیاضوں کا تعارف کرایا ہے جن کے بارے میں ان کا قیاس ہے کہ ان کی کتابت 1250ھ/1834 سے پہلے ہوئی تھی اور ان میں کرناٹک اور ارکاٹ کے مختلف شاعروں کا کلام درج ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ وہ گمنام تخلص کرتا رہا ہے اور قسمت نے اسے گمنام ہی رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ با صلاحیت، قادر الکلام اور صاحب حیثیت شخص تھا اور اس نے مروجہ بیشتر شعری

اصناف میں طبع آزمائی کی تھی۔ مذکورہ بیاض میں اس کی پانچ غزلیں بتائی گئی ہیں۔ایک غزل کا مطلع یہ ہے۔

اگر گلشن میں شب کو وہ پیارا جا ہنسا ہوتا　　　تو بے شک اے محبو جان لو غنچہ کھلا ہوتا

گمنام کا اپنے زمانے کے غالبًا قابل قدر شاعروں میں شمار ہوتا تھا۔چنانچہ جلوہ تخلص کے ایک شاعر نے اس کی ایک غزل کی بصورت مسدس تضمین بھی کی تھی۔اس میں ایک شعر یہ ہے۔

میں تو گمنام ہوں سرنامے پہ کیا نام لکھوں　　　قاصدا تو ہی بتا کون سا پیغام لکھوں

دوسری صنف، جس میں گمنام نے طبع آزمائی کی تھی ریختی ہے۔اس کا نمونہ یہ ہے۔

رات اتنا لوٹا بہار چندا　　　چولی پشواز کیا ہے تار چندا
گمنام آیا نظر نہ تجھ سا کوئی　　　دیکھی ہوں میں نے کئی ہزار چندا

گمنام نے نعت و منقبت کی قبیل سے بھی کچھ شعر کہے ہیں۔اس کی ایک رباعی یہ ہے۔

پڑھوں میں صدق سے پہلے پکار بسم اللہ　　　کہ ایک بار سے لے صد ہزار بسم اللہ
قرآن پر ہے لکھا بسم اللہ خدائے کریم　　　پڑھوں نہ کس طرح میں بار بار بسم اللہ

گمنام نے مخمس کی صورت میں ایک طویل نظم ناگور کی زیارت سے متعلق لکھی ہے جس میں جنوبی ہند کے مختلف شہروں مثلاً ارکاٹ، چینا پٹن، بنگلور، مڑواگل، میسور، وغیرہ کے حالات بھی قلمبند کیے ہیں۔اردو میں جو قدیم ترین منظوم سفرنامے تا حال دستیاب ہوئے ہیں، ان میں گمنام کے اس سفرنامے کو بھی اولیت کا درجہ حاصل ہے۔اس کے ایک دو بند یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

خوش نما بستی ہے ارکاٹ کہتے ہیں تمام　　　ہے چینا پٹن کی سرحد میں وہ بستی کا مقام
او شہر میں آ قدم مارے، ولی نیک نام　　　ٹیپوستاں ان کے تئیں کہتے ہیں ہر اک خاص و عام
ہے وہی سرحد میں اک بستی کہ گنجی کہتے سب
اس شہر میں اک ہے دیول، اس میں ہے دیو عجب

اے شہنشاہ زمان عاشقانِ کردگار　　　عرض ہے گمنام کی تم سے سدا لیل و نہار
آرزو حد سے زیادہ اس کے تئیں ہے بےشمار　　　اس کی بخشو شاہی تم مُلکِ سخن کی ایک بار
التجا حق میں جو اس کے نزو حق کر کر ولی

ڈاکٹر زور نے مذکورہ جن بیاضوں کا تعارف کرایا ہے، ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ گمنام کے ہم عصروں میں بیشتر کو مخمس اور مسدس وغیرہ سے خصوصی دلچسپی رہی ہے۔

6- مختلف شعرا

ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے کتب خانے میں کرناٹک کے علاقے کے بعض شاعروں کے کلام پر مشتمل ایک سے زائد بیاضیں محفوظ ہیں۔ اگر چہ ان بیاضوں کا زمانہ کسی قدر پہلے کا خیال کیا گیا ہے، کچھ شبہ نہیں کہ ان میں ایسے شاعروں کا بھی کلام درج کیا گیا ہوگا جو بعد تک زندہ رہے ہوں اور ان کی شعر گوئی کا سلسلہ بھی جاری رہا ہو چنانچہ ان بیاضوں کی 1857 تک کے شاعری کے ارتقا کے سلسلے میں افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ان میں سے دو بیاضوں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

الف- بیاض کلامِ اطہر، درگاہی، دبیر، شہباز اور لگن وغیرہ ڈاکٹر زور کے خیال کے مطابق یہ بیاض علاقہ کرناٹک اور ارکاٹ کے شاعروں کے کلام پر مشتمل ہے۔ 11 اس میں شامل کلام اس طرح کا ہے:

مخمس عشقیہ، شہرآشوب، بنجارہ نامہ (کسی گمنام شاعر کا)، غزل، مسدس وغیرہ

تعجب ہے کہ اس میں دبیر (مرزا سلامت علی) کا بھی ایک طویل مرثیہ شامل ہے۔ اس بیاض کے کاتب ایک سے زائد لوگ تھے۔ اس میں بیچ بیچ میں صفحے سادہ بھی چھوڑ دیے گئے ہیں۔

ب - سفرنامے

نواب محمد غوث خاں کے بزرگ پورب دیس سے سفر کر کے دکن میں پہنچے تھے۔[12] ایک مدت تک جنوبی ہند میں قیام کے باوجود اس خاندان نے اپنے وطن وصلی، گوپامئو، اور وہاں کے باشندوں کو بھلایا نہیں تھا چنانچہ ارکاٹ اور کرناٹک میں ارباب علم وہنر کی آمدورفت کا سلسلہ تا دیر جاری رہا تھا۔ ڈاکٹر زور نے ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد میں جن قلمی بیاضوں کے محفوظ ہونے کا ذکر کیا ہے ان میں کئی شاعروں کے منظوم سفرناموں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں گمنام کے سفرنامے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ مزید ایک دو کا حال مختصراً یہاں لکھا جاتا ہے۔

1- اطہر- اطہر

اطہر کے حالات تحقیق سے کچھ معلوم نہیں ہوتے ہیں۔ قلمی بیاض میں ان کا جو کلام ملتا ہے اس میں ایک طویل نظم بھی ہے، جس میں دیلور کے ایک بزرگ سید شاہ محی الدین قطب ویلور کے حالات اور سفر حج اور مدینہ منورہ میں فوت ہونے کی تفصیلات کے بیان کے بعد ان کے صاحبزادے کے سجادہ نشین ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یہ نظم مسدس کی صورت میں ہے اور اس میں کُل باون بند بتائے گئے ہیں۔

ایک دو بند یہ ہیں۔

الغرض عزم بیت رب غفور کر کے نکلا وہ مرشد جمہور
ہوا ویلور صحن یوم نشور نالۂ خلق تھا مقابل صور
سوزش غم سے کھایا داغ دکن
ہو گیا آہ بے چراغ دکن
ایسے اس دور میں کوئی ہوں گے کوئی دیکھے تو ماجرا لکھے
شہر بمبئی وہاں سے جا پہنچے تھے بہت سے مرید سات اس کے
خسروانہ تجمل اس کا تھا
میر ساماں توکل اس کا تھا
ہاں خبردار اطہر ناکام خواجہ زادے کو دیکھ دل کو تھام
فضل ایزد طفیل شاہ انام وہی مجمع ہے اور وہی ہے ہمام
یہ جو اب جانشین ہوتے ہیں
سرور انبیا کے پوتے ہیں

سفرنامے کے بارے میں ڈاکٹر زور نے لکھا ہے:

وہ اچھے پائے کے شاعر تھے۔ زبان پر قدرت تھی اور طبیعت میں روانی۔ افسوس ہے کہ اتنے باکمال شاعر ہونے کے باوجود شہرت نصیب نہ ہوئی۔

2- عاصی- محمد سعید مہکری

عاصی تخلص، محمد سعید مہکری نام، میسور کے رہنے والے، رواج عام کے مطابق غزل گو شاعر تھے۔ ڈاکٹر زور نے سال وفات 1167ھ/1754 لکھا ہے۔ انھوں نے ریاست میسور کے ایک مشہور شہر "مرکرا" کی مذمت میں ایک طویل نظم بھی لکھی ہے، جو غزل کی ہیئت میں ہے۔ چند شعر یہ ہیں:

مذمت شہر مرکرا

شہر خستہ مرکرا اب حق مجھے دکھلائے ہے طالع بد عاصی تیرے کھینچ اس جالائے ہے
ساکناں اس شہر کے جو ہیں وہ کہتے آہ مار موسم باراں میں گر شق ہو زمیں، چھپ جائے ہے

تاریکیِ شب کی کہوں کیا، بند ہے میری زباں گر قدم باہر رکھیں مجروح بدن ہو جائے ہے
موسم دوم ہے جاڑے کا بڑا سخت و.......... دل لرز کھاتا ہے یوں جلدی قضا آجائے ہے

عاصیا قرطاس پر اب رکھ قلم مت کر رواں
وصف اکثر اس شہر کے طول اور افزائے ہے

3- اظفری- مرزا محمد ظہیر الدین علی بخت

مرزا محمد ظہیر الدین علی بخت عرف مرزا کلاں نام اظفری تخلص، سلطان محمد ولی عرف منجھلے صاحب دہلی کے شاہی خاندان کے ایک ہوش منداور باصلاحیت فرد تھے۔ انھوں نے دہلی سے مدراس تک کا سفر کیا تھا۔ راستہ میں ایک سے زائد مرتبہ ان کی خدمت میں تخت پیش کیا گیا لیکن انھوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ 1204ھ/1789 میں لکھنؤ، 1211ھ/1796 میں بنارس اور مرشدآباد، 1212ھ/ 1797 میں کلکتہ میں قیام کیا تھا۔ واپسی میں کلکتہ ہوتے ہوئے دہلی میں آئے تھے۔ واقعات اظفری کے نام سے انھوں نے اپنا سفرنامہ نثر میں لکھا تھا۔ انھوں نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا جو دیوان اظفری کے نام سے چھپ کر شائع ہو گیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی اظفری کی چند تصانیف تھیں۔

اظفری ارکاٹ میں بھی مقیم رہے تھے اور انھوں نے اس زمانے کے ہندوستانی امرا کے بارے میں نہایت معتدل اور متوازن رائے قلم بند کی ہے۔ افسوس ہے کہ اس وقت ہمیں واقعات اظفری دستیاب نہیں ہوسکی اور ہمارے لیے اظفری کے بیانات کو نقل کرنا ممکن نہیں ہو سکا۔

ج - نثر

کرناٹک بھی بزرگوں اور عالموں کی بستی رہی ہے۔اس خطے کے حالات پر نظر کریں تو معلوم ہوگا کہ وہاں کے معاشرے پر مذہب کے اثرات غالب رہے ہیں۔نصیرالدین ہاشمی نے ایک کتاب ''تفصیل المراتب فی اطوار المراقب'' مصنفہ سید ابوالحسن قادری کے ایک قلمی نسخے کے تعارف میں یہ ذکر کیا ہے کہ:

''قربی کے خاندان نے ارکاٹ کے ذرہ ذرہ کو اپنے علم و فضل سے منور کردیا تھا۔شاہ ابوالحسن ثانی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔''1

یہ صحیح ہے کہ ان بزرگوں کے اثر سے کرناٹک میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں بیشتر مذہبی موضوعات سے متعلق رہی ہیں لیکن اس سے یہ خیال نہ کیا جانا چاہیے کہ زندگی کے معاملات کے دوسرے پہلوؤں کو وہاں نظرانداز کردیا گیا تھا۔نواب غلام محمد غوث خاں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے ایک کتاب ''سفینۃ النجات'' کے نام سے لکھی تھی جس میں فنِ جہاز رانی کے قواعد اور ضوابط اور اس سلسلے میں مستعمل اصطلاحات وغیرہ کا بیان کیا گیا تھا۔اس موضوع سے متعلق بمبئی میں بھی ایک رسالہ لکھا گیا تھا۔اس کا ذکر اس کے موقع پر کیا گیا ہے۔

1- قادر خاں

قادر خاں اپنے زمانے کے صاحب علم قاری تھے۔ علم تجوید سے متعلق ان کی کتاب ''مفید القاری'' نہایت مقبول اور معروف رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نقلیں ملک کے اطراف میں رائج ہوئی تھیں چنانچہ اب بھی بیشتر معروف کتب خانوں مثلاً آصفیہ، سالار جنگ حیدرآباد، آزاد لائبریری علی گڑھ اور کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی وغیرہ میں محفوظ ہیں۔2 تعجب ہے کہ ایسی مقبول کتاب کے مصنف کے حالات بجز اس کے جو کتاب کی تمہید میں اس نے خود لکھ دیے ہیں، معلوم نہیں ہو سکے ہیں۔ اس کتاب کا زمانۂ تصنیف 1250ھ (1834) کے قریب ہے۔ نسخۂ علی گڑھ موجودہ نسخوں میں سب سے قدیم معلوم ہوتا ہے۔ محمد یوسف علی نے 1267ھ (1851) میں 11 سطری مسطر پر بارہ ورقوں میں اس کی کتابت کی تھی۔3 رسالہ کا آغاز ان کلمات سے ہوا ہے:

''اَلحمدللّٰہ رَبّ العالمین وَالعاقبۃ للمتقین وَالصّلوۃ وَالسّلام عَلیٰ رسولہ محمد و علی الہ واصحابہ وَمَن تبعہم اَجمعین۔ امّا بعد یہ عاجز گنہ گار قادر خاں فرزند احمد خاں سُرخ کا، رہنے والا شہر محمد پور عرف ارکاٹ کا، شاگرد قاری شیخ یوسف مکی رحمۃ اللہ علیہ کا، اس رسالہ تجوید قرآن شریف کے تئیں اوپر قرأت حفص رحمۃ اللہ علیہ کے رسالوں سے عربی اور فارسی کے جمع کر کے واسطے طالبان اس علم کے جو باتاں کہ ضرور ہیں سو سب ہندی زبان میں واسطے بجھنے خاص و عام کے لکھ کر رسالہ، مفید القاری، نام رکھا۔''4

اس اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں یعنی ارکاٹ کو بھی اُس زمانے میں محمد پور کہتے تھے اور وہاں کے رہنے والے بھی اپنی زبان کو ''ہندی'' کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ قادر خاں کے اس رسالے میں جملوں کی ساخت فارسی کے طور پر ہے اور باتاں وغیرہ کلمات کالا ناقد امت کا مظہر ہے۔ اس رسالے کا اختتام ذیل کی عبارت پر ہوا ہے:

''بیچ تسہیل کے - نزدیک حفص رحمۃ اللہ علیہ کے تسہیل بیچ کلام اللہ کے

دو جاگا ہے۔ تسہیل اسے کہتے ہیں کہ درمیان الف اور ہمزہ کے پڑھنا دوسرے ہمزہ پر تسہیل ہے مثال ءَ اَعجمی، ءَ الذ اکرین، اور اس کی تمام کیفیت ادا کرنے پر موقوف ہے۔ تمت الرسالہ بعونہ وتعالیٰ۔''

2- محمد طاہر

ان کے بارے میں بس اسی قدر معلوم ہے کہ یہ شاہ محمد شاکر کے بیٹے، ارکاٹ کے رہنے والے اور محمد سعید اسلمی کے شاگرد تھے۔ ان کی صرف ایک کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔ اس کے بارے میں ضروری معلومات یہ ہیں:

''اصل ایمان 526 صفحے فی صفحہ بارہ سطر سال تصنیف 1254ھ (1838) اس کتاب کو انھوں نے اپنے استاد کی تصنیف سفینۃ النجات اور شاہ عبدالحق دہلوی کی بعض کتابوں اور ملک العلما عبدالعلی فرنگی محلی کی بعض تصانیف کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ اپنے والد کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ بڑے بلند مرتبہ بزرگ تھے۔''5

اس کے آغاز کی عبارت یہ ہے:

''خدائے عز وجل کے لائق وہی حمد ہے جو خود کیا۔ اس مشت خاک مخلوق کو کیا طاقت کہ زبان خالق اکبر کی تعریف میں کھول سکے۔''

اس کتاب میں گیارہ ابواب ہیں، اس طرح:

''1- علم فرض، عقیدہ، اقسام کفر، دین و شریعت، ملت، امر و نہی و اقسام احکام شرع

2- مذہب، مجتہد، طریقہ، اقسام عبادت، گنج مخفی، پیدائش و شرف آدم، کیفیت روح

3- ایمان و اسلام، کفر و کلمات و اقسام گناہ کبائر مع ذکر محارم، گناہ صغائر

4- علم غیب، نجوم، فال، استخارہ، توحید و اقسام شرک، مباہلہ، شکر و احسان وغیرہ

5- واجب الوجود و تجدد، امثال رد مجسمہ و دہریہ، قضا و قدر وغیرہ

6- جسم، جوہر، تدبیر و تقدیر، حکومت، جن و ملائک وغیرہ

7- اقسام معجزات، کرامات اور مقامات اولیا، کیفیت علم الیقین و عین الیقین وغیرہ

8- معراج، خصائص مع بیانِ عہد پیغمبران اور اُمت، عالمِ ارواح، امام، خلیفہ بیعتِ
خلفائے راشدین، پیروی خلفا و چہار امام وغیرہ

9- فضیلتِ و محبت اصحاب و آل و ازواج و علم تقوا و ذکر خیر و فضیلتِ تابعین و علما وغیرہ و
لعنِ یزید و تکفیر اہل قبلہ وغیرہ،

10- نزع، موتِ روح، گور، پرسشِ عذابِ قبر وغیرہ، صورِ قیامت، حشر، اقسام بدعائی
وغیرہ۔

11- دوستیِ بزرگان، رسوماتِ محرم و نشان، عرس ان، زیارتِ قبور وغیرہ۔

اس کتاب ''اصل ایمان'' کا اختتام ذیل کی عبارت پر ہوا ہے:

''اور بہ خیر خاتمہ ہوئے، حشر میں شفاعت جتنے کہ مومنان ہیں قیدی جرم و
آفت، مقبول یہ دعا ہو حرمت سے مصطفیٰ کی ہے آل و جملہ یاران اور کل
اولیائے۔''

اس کتاب کے نسخۂ آصفیہ کے بارے میں جناب نصیر الدین ہاشمی کی رائے یہ ہے کہ:

''یہ اصل مسودہ مصنف کا ہے۔ اس میں اضافہ، کاٹ چھانٹ، کمی بیشی کی گئی ہے۔''

3- سید احمد مشتاق

یہ ارکاٹ کے والا جاہی خاندان کے متوسلین میں تھے۔ مشتاق تخلص تھا چنانچہ موقع اور
ضرورت کے مطابق یہ شعر کہہ لیتے تھے۔ اردو نثر میں انھوں نے کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔
بعض میں اپنے باپ دادا کا نام بھی لکھنے کا اہتمام کیا ہے، اس طرح:

''سید احمد نور الٰہی عرف بڑے صاحب مشتاق تخلص ابن سید درویش ابن سید
نور اللہ ابن سید علی محمد قادری نقوی حنفی''

ان کی مختلف نثری تصانیف کے قلمی نسخے اطراف ملک کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں جو
اُن کی مقبولیت کی غماز ہیں۔

الف- ترجمہ دُرالمختار

یہ سید احمد مشتاق کی غالباً پہلی کتاب ہے۔ اس ترجمہ سے مصنف کی عربی زبان پر قدرت کا

پتہ چلتا ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد مترجم کا حوصلہ زیادہ ہوا اور پھر اس نے یکے بعد دیگرے کئی کتابیں لکھ ڈالیں۔

ب- تحفۃ الانام فی احکام الصیام

یہ مشتاق کی دوسری کتاب ہے جس کا سال تالیف 1235ھ (1837) ہے۔ ضخامت اس کی 13 سطری مسطر پر پینتالیس ورق کی ہے یہ نام اس رسالہ کا یہ ہے:

''تحفۃ الانام در احکام الصیام، خلاصہ ترجمہ کتاب روزہ ہائے رطحطاوی حاشیہ دُر مختار، فتاوائے عالمگیری۔''6

اس کے مقدمے میں مولف نے لکھا ہے:

''الحمدللہ یہ رسالہ روزے کے احکام میں ہندی زبان میں ایسا بن آیا، کوئی ضروری مسئلہ روزے کے مسئلوں سے باقی نہ رہا جو اس میں مذکور نہ ہوا ہو اور کوئی علم والا اس ملک میں ہندی زبان میں ایسی تحقیق اور تفصیل سے کوئی مسئلہ روزہ کے احکام میں آج تک لایا نہیں۔ یہ حصہ اس عاصی کا تھا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء...''

رسالے کا اختتام ذیل کی عبارت پر کیا گیا ہے:

''... جائز ہے فرض روزہ نہ رکھنا کر بھی اور بچے کو دودھ پلانے والی کو اگر روزہ رکھنے میں ڈر ہے اپنی ذات پر یا بچے پر گمان غالب ہے یا تجربے سے۔''

اقتباسات بالا سے ظاہر ہے کہ سید احمد مشتاق نے تیرھویں صدی ہجری کے وسط تک عربی اور فارسی کی مستند اور معتبر مذہبی تصانیف کا بخوبی مطالعہ کر لیا تھا۔

ج- بُستان الشہادت

اس کتاب کا جو خطی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں محفوظ ہے وہ گیارہ سطری مسطر پر 211 صفحوں پر محیط ہے۔ اس کے مترجم نے خود کو قاضی بدرالدولہ کا شاگرد بتایا ہے۔ اس کتاب کے تعارف میں جو لکھا ہے اس طرح ہے:

''اس رسالے میں معتبر و مستند کتب (یعنی شرح ہمزیہ ابن حجر مکی و جواہر المقلدین

سمنہوری اور امام احمد کی کتاب مناقب) سے مناقب اور شہادت امام حسینؓ کے
حالات تالیف کیے ہیں، خصوصاً شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ایک رسالہ جو
1254ھ (1838) میں عربی میں تالیف فرمایا تھا اس کو زبانِ ہندی میں
ترجمہ کیا اور اس میں تاریخ کبیر ابنِ اثیر و تاریخ الخلفائے امام سیوطی اور مرات
الجناں امام یافعی اور طبقات الشعرانی اور صواعق محرقہ ابنِ حجر مکی اور قراۃ العین
فی شہادت الحسین مولفہٗ مولوی صبغۃ اللہ بدرالدولہ وغیرہ سے حالات شہادت
اضافہ کر کے یہ کتاب تالیف کی گئی اور نام تاریخی بستان الشہادت رکھا۔"7
1254

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جس ہجری سال میں شاہ عبدالعزیز نے اپنا رسالہ تالیف کیا تھا اسی سال میں مترجم نے اس کا ترجمہ بھی مکمل کر دیا۔ اس سے مترجم کے علمی شوق اور اس کے علم کی تازگی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ مترجم نے اپنے رسالے کو ذیل کے ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

1- امام حسین کا نام، پیدائش کا حال
2- امام حسین کی شان میں حدیثیں
3- صحابہ، امام حسین کی بزرگی اور تعظیم کرنے کا بیان۔
4- امام حسین کا مدینہ سے مکہ کو آنا
5- کوفیوں کا خطوط لکھنا
6- شہادت امام حسین علیہ السلام

ان ابواب کے بعد "فائدہ" کے عنوان سے مولف نے چند اور متعلق واقعات قلمبند کیے ہیں۔ یعنی:

1- وہ امور جو شہادت امام حسین کے بعد جاری ہوئے۔
2- وہ واقعات جو امام حسین کی شہادت کے بعد ظہور میں آئے۔
3- خدا کا امام حسین کے قاتلوں سے بدلہ لینا
4- امام حسین کی اولاد

5- مرثیہ لکھنے کا فائدہ اور غم کرنے کا بیان

6- یزید پر لعنت کرنے کا حکم

اس رسالے کے خاتمہ کی عبارت درج ذیل ہے:

''...ابن قتادہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلعم نے عاشورے کے دن روزہ رکھا ہے...اس حدیث کو بعض سند اس سے ملایا جائے تو ایک نوع کا قوت اس کو پیدا ہوتا ہے اور انکار کرنا ابن تیمیہ کا اس حدیث سے فقط وہم ہے۔ واللہ اعلم وصلی اللہ علیہ وسلم''

بعض اسماء وغیرہ کی ''ان'' کے اضافہ سے جمع بنانا اور اس رسالے میں چند کلمات کی تذکیر و تانیث کا اختلاف زبان کی قدامت کی وجہ سے ہے اور یہ صورتیں قدمائے دہلوی کے یہاں بھی عام رہی ہیں۔

نسخۂ حیدرآباد کے ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

''الحمد للہ تاریخ اتمام بستان الشہادت از سید خواجہ محی الدین صاحب مرد چشم

گفت ''بستان الشہادت'' از سید محمد صاحب''

1254ھ

د- یادگار احمدی

اس کتاب کا پورا نام ''یادگار احمدی در ذکر محرمات، موبدی'' ہے اور آغاز اس کا ذیل کی عبارت سے کیا گیا ہے:

''الحمد للہ رب العٰلمین- الخ اما بعد- کہتا ہے سید احمد ابن سید درویش ابن سید نور ابن سید علی محمد قادری نقوی حنفی کہ ان دنوں جو ایک ہزار دو سے ستانون (1257) سال ہے، سے دورِ حکومت میں امیر زماں رئیس جہاں سحاب جو دوسخا...نواب عظیم جاہ بہادر، یہ رسالہ محرمات کے مسائل کے بیان میں ہے...''8

اس اقتباس میں مولف نے بعض ناموں کو مختصر کر کے لکھا ہے۔ جنوب کے علاقوں میں شافعی عقیدے کے لوگ زیادہ تھے اس لیے مولف نے ان کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

کتاب کے بارے میں بتایا گیا ہے:

''اس میں مذہب شافعی و مذہب حنفی کے متفقہ مسائل محرمات بیان کیے ہیں۔ یہ رسالہ مولف نے نواب عظیم جاہ بہادر والی مدراس کے عہد 1257ھ (1841) میں ایک عزیز کی فرمائش پر جو احکام محرمات کے جزئیات وکلیات پر حاوی ہے، زبان ہندی میں تالیف کیا اور شرف الملک بہادر کے کتب خانے کے کتب فقہ و فتاوی مثل بحرالرائق، دُرالمختار و طحاوی فتاوائے عالمگیری و فتاوائے قاضی خاں اور انوار جو شافعی مذہب کی معتبر کتاب ہے، سے اس کے متعلقہ مسائل کو چن کر ہندی میں تفصیل وار بیان کیا ہے۔ اس رسالے کو ایک مقدمہ اور تین فصل اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا اور ہر فصل میں دونوں مذہبوں کے مسئلے جدا جدا بیان کیے گئے ہیں۔''8

اس مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ اب مصنف زیادہ رسا اور صاحب حیثیت ہو گیا تھا۔ اسے شرف الملک بہادر کے کتب خانے سے استفادے کا موقع بھی مل گیا تھا۔ اس زمانے میں اس کا قیام ارکاٹ کے بجائے مدراس میں تھا جہاں شافعی عقیدے کے لوگ خاصی تعداد میں تھے اس لئے ان کی خاطر سے مصنف نے اس عقیدے کے مسائل کو بھی قلمبند کرنے کا اہتمام کیا تھا۔

اس رسالے کے خاتمہ کے کلمات یہ ہیں:

''...از آنجملہ یہ کہ حرام نہیں رضاعی فرزند کی بھانجیاں، بھتیجیاں لیکن نسبت نیں جائزنہیں۔ آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔''

اور اس رسالے کے نسخۂ آصفیہ کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

''کتاب یادگار احمدی بہ ماہ شعبان المعظم بتاریخ بست و چہارم 1275 نبوی صلعم (1859) روز پنج شنبہ بہ وقت اخیر ظہر سید فقیر حقیر محمد ابراہیم ابن صوبدار شیخ متین ساکن شیخ علی المعروف سرخلی پیٹھ بہ اتمام رسید...''

۵- تحفۂ احمدیہ

معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقتی ضرورت سے مصنف کو مدراس میں رہنا پڑا تھا۔ کچھ مدت کے بعد وہ پھر ارکاٹ میں آ گیا چنانچہ یہ کتاب جس کا پورا نام "تحفۂ احمدیہ در خصائص محمدیہ" ہے اس نے اسی مقام پر نواب غلام محمد غوث خان بہادر کے عہد میں لکھی تھی۔ اس کی تمہید میں اس نے جس طرح نواب موصوف کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دربار سے اس کا قریبی تعلق تھا۔ تمہید کی قابلِ توجہ عبارت یہ ہے:

> "ان دنوں جو بارا سے سیں سٹھواں (1267ھ) سال ہے ہجرت مقدسہ سے اور نواں سال ہے جلوس میمنت مانوس سے امیر الہند والا جاہ عمدۃ الامرا عظیم الدولہ نواب محمد غوث خان بہادر شہامت جنگ کے توفیق الٰہی و تائید رسالت پناہی سے اس عاصی پر معاصی کے دل میں یہ الہام غیبی سا ہوا کہ سید المرسلین کے چند عمدہ خصیصوں کے بیان میں ایک مختصر رسالہ لکھا چاہیے تا عوام الناس پر حضرت کا علو شان و رفعت مکان خوب ظاہر ہووے لہٰذا پھر کتب خانہ فیض آموز سے عالم بے نظیر... حاجی مولوی شرف الملک مدار الامرا بہادر دیوان نامدار سرکار رئیس الہند دام مجدہ و شرفہ کے چند عمدہ عربی کتابان ہدست کر کے چند عمدہ خصیصوں کو ان سے نکال کر ہندی زبان میں بیان کیا اور نام اس کا "تحفۂ احمدیہ در خصائص محمدیہ" رکھا۔"[9]

مختلف کتابوں کے جو اقتباس اوپر نقل کیے گئے ہیں، ان سے سید احمد مشتاق کی اور ان کے واسطے سے کرناٹک کے علاقے کے صاحبانِ علم کی زبان اور ان کی روزمرہ بول چال کا بھی کسی نہ کسی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض قابلِ توجہ امور یہ ہیں:

اعداد شمار۔ سے سو (صد)

ستانون = ستاون، سیں سٹھوان = تریسٹھواں

حالتِ جمع - ہنداں = ہندوں، خصیصوں

متفرق کلمات - تا = تاکہ، ہدست کر کے = فراہم کر کے

لکھا چاہئے =لکھنا چاہئے۔

تمہید کے مندرجہ بالا اقتباس سے ایک قابلِ توجہ حقیقت یہ بھی سامنے آتی ہے کہ نواب غلام محمد غوث خان بہادر کے دیوان حاجی شرف الملک بھی اپنے وقت کے ممتاز عالم اور علم دوست شخص تھے اور ان کا کتب خانہ بھی ممتاز اور معروف حیثیت رکھتا تھا۔ یہ کتب خانہ اب شرف الملک اکیڈیمی مدراس کی تحویل میں ہے اور اس میں مختلف قسم کی نادر کتابیں محفوظ ہیں مثال کے طور پر دنیا کی متعدد زبانوں میں کیے گئے قرآن پاک کے کوئی دس درجن تراجم محفوظ ہیں۔ ان میں ایک ترجمہ سنسکرت زبان میں بھی ہے۔10

سید احمد مشتاق نے اپنے آخر الذکر رسالے میں حضرت رسول اکرم صلعم کی 27 خصوصیتوں (خوبیوں) کا بیان دو قسموں میں کیا ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جو صرف رسول اکرمؐ کی ذات پاک میں پائی جاتی ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو دوسرے انبیا میں بھی رہی تھیں مگر رسول اکرمؐ کے یہاں بہ درجۂ اتم موجود ہیں۔ پہلی قسم کو حقیقی اور دوسری کو اضافی کہا ہے، اور ان سب کا بیان قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا ہے۔ اس رسالے کی ابتدا ذیل کی عبارت سے ہوئی ہے:

"اللهم صَلِّ وسلم علیٰ محمدٍوٌ آله عَدَدمَا ذکره الذاکرون و عدد من غفل عن ذکره الغافلون من الاوّلین وَالاخرین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نور بے کیف سے پیدا کیا..."

اور رسالے کا اختتام مشتاق نے اپنے ان شعروں پر کیا ہے:

"اہانت جو کہ سنت کی کری ہے سو وہ بدبخت بھی کافر مری ہے
کری موئے مبارک کی جو تحقیر کیے ہیں عالموں نے اس کی تکفیر
آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔"

اس رسالے کے نسخۂ بمبئی کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

"یہ نسخہ موسومہ "تحفۂ احمدیہ در خصائص محمدیہ" تالیف کیا ہوا حادی اصل وفروع، دانندۂ رموز شرع مولانا مولوی سید احمد صاحب مشتاق کا سنہ 1267ھ / 1850 عیسوی میں چھاپا گیا تھا، سو اس کی نقل یہ بندے خادم الطلبہ غلام محمد

نور الہدیٰ عرف نور صاحب قادری والنقشبندی خام قلم نے بہ دستخط خود تاریخ
آٹھویں شہر رمضان المبارک سنہ 1272 ہجریہ نبویہ/ 1855 عیسوی کے روز
بہ وقت نماز ظہر لکھ کر تمام کیا ہے۔ اگر قارئین اس میں کچھ سہو پاویں تو اپنی
عنایت سے اس کی اصلاح فرماویں اور اس کاتب کو دعائے خیر سے یاد کریں۔"

مشتاق نے اس رسالے میں ضمناً اپنی چند تصانیف کا بھی ذکر کر دیا ہے، اس طرح:

"ان دونوں خصوصیتوں کو مدلل اور تفصیل وار، فوز العظیم، اور "حدیقۂ اعظم" میں
بھی بیان کر چکا ہوں۔ اور بھی اس عاصی نے چند سال پہلے رسالے 'کلمات کفر'
میں نظم کیا تھا۔ سو ایک بار ساٹھویں سن میں اور دوسری بار تریسٹھویں سن میں
چھاپے جا کے چوطرف پھیل گیا ہے، سو اس کے چند ابیات میں خلاصہ اس
آخری خصیصے کا بیان کیا ہوں۔"

افسوس ہے کہ ان تینوں رسالوں یعنی: فوز العظیم، حدیقۂ اعظم اور کلمات کفر کے بارے
میں کوئی مفید مطلب بات معلوم نہیں ہوسکی البتہ حدیقۂ اعظم کے بارے میں قیاس کہتا ہے کہ شاید
یہ رسالہ غلام محمد غوث خاں اعظم سے توسل حاصل ہو جانے کے بعد لکھا گیا ہو۔

رسالہ کلمات کفر کے منظوم ہونے سے سید احمد مشتاق کا با قاعدہ شاعر ہونا معلوم ہوتا ہے۔
امکان ہے کہ انھوں نے اس کے علاوہ اور بھی بعض چیزیں منظوم یادگار چھوڑی ہوں۔

نثر میں مشتاق کے بعض اور رسالے بھی تھے۔ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے ان میں سے ایک کا
ذکر اس طرح کیا ہے:

"آئینِ نکاح و مہر کے نام سے ایک رسالہ ان کا لکھا ہوا کریمی لائبریری
(بمبئی) میں موجود ہے۔ اس کی تمہید میں انھوں نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے:
سید احمد مشتاق نور الٰہی بن سید درویش بن سید نور الدین سید علی محمد قادری
- اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ رسالہ میں نے سید عبداللہ جو سید محمد قادری معروف بہ شاہ
صاحب کے فرزند ہیں، کے کہنے سے لکھا ہے۔" 11

اقتباس بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتاق آخوز مانے میں ''نورالہٰی'' کے نام سے معروف ہو گئے تھے اور رسالہ '' آئینِ نکاح و مہر'' ان کی آخوز مانے کی تصانیف میں سے ہوگا۔

4- معین الدین

معین الدین کے حالات کچھ معلوم نہیں ہو سکے، سوائے اس کے کہ اس شخص کا تعلق دھارواڑ علاقہ کرناٹک سے تھا اور بہ اعتبار عقیدہ وہ مولوی اسمٰعیل شہید وغیرہ کے مخالفوں میں تھا۔ میر قادر علی کرمانی نامی کو، شخص جو ارکاٹ کا رہنے والا تھا اس معین الدین کے دوستوں میں سے تھا۔ اسی شخص کے توجہ دلانے سے معین الدین نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام اس نے ''سوط العقاب لمن تبع الاسمعیل وعبدالوهاب'' مقرر کیا تھا۔ اس نام سے کتاب کے موضوع اور مطالب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں ہے، جس کے بارے میں لکھا ہے:

''صفحات-174، سطور گیارہ، موضوع-ردّ وہابیہ

سال تصنیف-1262ھ(1846)''[12]

اس کے آغاز کی عبارت یہ ہے:

''شکر اس خدا کا کہ جس نے نبیوں کے وسیلے سے ہمارے ایمان کو نجات کا سبب بنایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسولِ برحق سے محشر کے دن ہم گناہ گاروں کی شفاعت کے لیے وعدہ کیا اور اپنی اطاعت اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ہم پر واجب کر دے کر آپ کے اصحابوں کی تابعداری کو ہمارے اسلام کی زیب و زینت کا باعث ٹھہرایا۔''

مصنف نے فرقہ وہابیہ کے افراد یعنی مولوی خرم علی جونپوری، مولوی اسمٰعیل دہلوی وغیرہ کی تصانیف تقویۃ الایمان، صراط المستقیم وغیرہ جو اس کے خیال میں ''گمراہ کن'' ہیں، ان کی تردید میں عربی، فارسی اور ہندی رسالوں سے مختلف مسئلوں کو اخذ کر کے بہ طور اختصار جمع کر کے عام مسلمانوں کے مطالعے کے لیے یہ دلائل تالیف کیا ہے۔ یہ رسالہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے خاتمے کے کلمات یہ ہیں:

''البغی فی دلایل النبوۃ وبالا این حدیث درحدیث دیگر است و

ارزش علی قبر انیه ابراھیم واللہ اعلم''

اس قسم کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ بُعد مکانی کے باوجود کرناٹک کے مسلمان شمالی ہند کی مذہبی تحریکوں اور وہاں کی تصنیفوں وغیرہ سے نہ صرف بخوبی باخبر اور واقف تھے بلکہ ان سے متعلق اپنے مخصوص حالات اور علم کے مطابق خود بھی کُھل کر اور بہت جلد اظہارِ خیال کرتے رہتے تھے۔ اس صورتِ حال کا فائدہ یہ تھا کہ اس دور افتادہ علاقے کی زبان، اندازِ بیان اور طرزِ تحریر وغیرہ پر بھی شمال کی بول چال اور نظم ونثر کا عکس نظر آتا رہا ہے۔ کہیں کہیں تو پورب کے خطوں کی بولی بھی اپنا رنگ دکھادیتی ہے۔

اس مقام پر اس حقیقت کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مدراس اور مضافات کے علاقوں کی اصل زبان تمل تھی اور اس زبان کو وہاں کے مسلمان کئی صدی سے عربی خط میں لکھتے آرہے تھے۔ اس طرح عربی خط کے توسط سے وہاں کی زبانِ اردو میں تمل زبان کے الفاظ وغیرہ بھی شامل ہوتے جارہے تھے اور وہاں کے تحریری سرمائے کے واسطے سے اس زبان کے تھوڑے بہت اثرات شمال تک بھی پہنچ رہے تھے۔

ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد کے کتب خانے میں تفسیر سورۂ یوسف کا بھی ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے جو معین الدین نامی کسی شخص کا تالیف کردہ ہے۔13 نہیں کہا جاسکتا کہ یہ معین الدین وہی ''ردِ وہابیہ'' کا مصنف ہے یا کوئی اور شخص ہے۔

د - تذکرے

روباہ صفت انگریز کی چالوں اور چالاکیوں نے سیدھے سادے اصول پسند مسلمانوں کو جو قول کے سچے اور زبان کے پکے تھے، بڑی آسانی سے سیاست کی بساط پر مات دے دی۔ کرناٹک کا والا جاہی خاندان چشم زدن میں اپنی خود مختاری کو کھو کر ''نواب بے ملک'' ہو کر رہ گیا تھا۔ بہ ایں ہمہ بربادی و تباہ حالی وہ روایتوں کے پاسدار اپنے علاقے کے صاحبانِ فکر و فن کی اپنے برائے نام سے وسائل کی حد تک سرپرستی کرتے رہے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ ان نوابین بے ملک کو بھی حالات کے رخ اور رفتار کا بخوبی اندازہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی یہ حیثیت بھی محض چند روزہ تھی۔ حالات موافق اور سازگار نہیں تھے۔ انگریزوں کے ساتھ جو معاہدے ہو رہے تھے ان سے بھی ان نوابین کے شکست خوردہ اندازِ فکر کی غمازی ہو رہی تھی۔

نواب غلام محمد غوث خان بہادر پر کرناٹک کی ''اعزازی'' نوابی کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ ان کے زمانے میں قدیمی رسم و روایت کے مطابق کرناٹک کے علاقے میں اکثر شاعر فارسی گو تھے۔ خود نواب بھی عموماً اسی زبان میں شعر کہتے تھے اور اسی پر فخر کرتے تھے۔ انھیں اس حقیقت کا احساس تھا کہ یہ مجلسیں بھی دیرپا نہیں تھیں چنانچہ انھوں نے بہت جلد یکے بعد دیگرے اپنے زمانے کے فارسی اور اردو کے معروف شاعروں کے احوال اور کلام پر مشتمل دو تذکرے فارسی زبان میں لکھ ڈالے۔

1- صبحِ وطن

تذکرہ نویسی کی اُس زمانے کی روایت کے مطابق نواب غلام محمد غوث خاں متخلص بہ اعظم نے کوئی اٹھارہ برس کی عمر میں پہلا تذکرہ ''صبحِ وطن'' کے نام سے لکھا تھا۔ اس نام سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں انھوں نے اپنے وطن کے رہنے والے اور وہاں پر باہر سے آنے والے شاعروں کے حالات قلمبند کیے تھے۔ مقصود اس تذکرے سے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام اور کلام کسی حد تک محفوظ ہو جائے۔

نواب غلام غوث خاں اعظم کے اس تذکرے کو بعض لوگوں نے ''تذکرہ صبحِ وطن اعظم'' بھی کہا ہے۔ یہ مدراس میں پہلی بار 1258ھ (1843) میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

2- گلزارِ اعظم

یہ نواب اعظم کا دوسرا تذکرہ ہے۔ نام اس کا تاریخی ہے چنانچہ ذیل کے قطعہ سے ظاہر ہے:

چون تیار شد گلشن بتر ان   کہ افزاید از سیرِ آں عقل و ہوش
شدم در پے نام و تاریخ او   ندا کرد گلزارِ اعظم سروش

1269

خوبی یہ ہے کہ اس نام میں مصنف کا تخلص اعظم بھی شامل ہے۔

یہ تذکرہ اس زمانے کا ہے جب مصنف کی عمر اور فکر میں پختگی آ چلی تھی، اسی لیے اس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے ''کہ افزاید از سیرِ آں عقل و ہوش'' اس میں مصنف نے کرناٹک کے علاوہ آس پاس کے مختلف شاعروں کا احوال بھی ذاتی معلومات کی روشنی میں تحریر کیا ہے۔ اس تذکرے کی دوسری قابلِ ذکر خوبی یہ ہے کہ اس میں غزل کے علاوہ فارسی اور اردو کی مختلف شعری اصناف کا بھی ذکر کیا ہے، مثال کے طور پر ایک شاعر تجلی کے حال میں لکھا ہے:

''مراثی و مثنوی ہندی او مشہورِ زماں است''

یہ تذکرہ مکمل ہو جانے کے کوئی تین برس کے بعد مطبعِ سرکاری مدراس میں 1272ھ (1856) میں چھپا تھا۔

اس تذکرے سے متعلق ایک قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ ڈاکٹر ذاکرہ غوث نے اپنے تحقیقی مقالے میں یہ لکھا ہے کہ:

"خانوادۂ بدرالدولہ کہ اطلاع ہے کہ گلزارِ اعظم کے مرتب نواب غلام غوث خاں اعظم نہیں بلکہ محمد حسین راقم ہیں۔"

اس قسم کی باتیں، کہنے والوں نے بعض دوسرے تذکروں کے بارے میں بھی کہی ہیں۔ جو بھی ہو، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ دونوں تذکرے یعنی صبحِ وطن اور گلزارِ اعظم جنوبی ہند، خصوصاً کرناٹک کے علاقے کی ادبی اور معاشرتی تاریخ کے سلسلے میں اہم ترین مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حواشی

1-	نوابان کرناٹک و پرنساں ارکاٹ		ص 19 تا 26
2-	ایضاً		ص 27 تا 29

الف - شاعری

3-	نوابان کرناٹک و پرنساں ارکاٹ		ص 20
4-	عروس الاذکار		ص 230
5-	ایضاً		ص 53 تا 54
6-	ایضاً		ص 195
7-	ایضاً		ص 148
8-	ایضاً		ص 238
9-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد 1	ص 141 تا 144
10-	تذکرہ مخطوطات	جلد 5	ص 196 ومابعد
11-	تذکرہ مخطوطات	جلد 5	ص 192 تا 196
12-	ایضاً	جلد 5	ص 196 تا 201

نثر

1-	کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص278
2-	جائزہ مخطوطات اردو،	جلد1	ص34
3-	علی گڑھ کے اردو مخطوطات		ص285
4-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص23تا24
5-	ایضاً	جلد2	ص132
6-	تذکرہ مخطوطات	جلد6	ص43تا44
7-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص166تا167
8-	ایضاً	جلد2	ص120تا121
9-	بمبئی کے اردو مخطوطات		ص55تا57
10-	سنسکرت اردو لغت		ص21
11-	بمبئی کے اردو مخطوطات		ص56
12-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص169
13-	تذکرہ مخطوطات	جلد3	ص265تا266

و - تذکرے

1-	مولانا باقر آگاہ ویلوری	حاشیہ ص118

10- مدراس

	مدراس	413
	الف - شاعری	415
1- بہجت-	محمد تاج الدین حسین	415
2- رجا-	غلام محی الدین خاں	417
3- مسکین-	واصف محمد مہدی	418
4- دستگیر-	سید غلام دستگیر	419
5- مقدور-	میر محمد ابراہیم	421
	ب - عام نثر	423
1-	فورٹ سینٹ جارج کالج	423
2-	محمد تاج الدین حسین	424
3-	محمد مہدی واصف	430
4-	غلام قادر	445
5-	سید مرتضیٰ	446
	ج - افسانوی نثر	451
1-	محمد مہدی واصف	452
2-	گرین آدے	454

د - مطبعے 457

1- کالج کا مطبع 458

2- مطبع احمدی 458

3- مطبع جامع الاخبار 458

4- مطبع مظہر العجائب 459

5- مطبع تعلیم الاخبار 459

6- مطبع اعظم 459

7- مطبع عزیزیہ 460

حواشی 461

مدراس

والا جاہ نواب محمد علی خان بہادر والئی کرناٹک انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقروض ہوتے چلے جارہے تھے۔ 1 نتیجہ اس صورتِ حال کا یہ ہوا کہ وہ انگریزوں کے بعض بے جا مشوروں کو بھی مان لینے پر عملاً مجبور ہو گئے تھے۔ کمپنی کے کسی افسر نے موقع کو دیکھ کر نواب سے کہا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو برطرف کر دیں تو کمپنی ان کے واسطے ایک اچھی فوج مہیا کر دے گی۔ والا جاہ نے اس تجویز کو بھی مان لیا اور اس پر عمل کے نتیجے میں خود کو بے دست و پا کر کے، کمپنی بہادر کے دست نگر ہو گئے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ارکاٹ کو چھوڑ کر نواب نے مدراس میں سکونت اختیار کر لی۔ وہیں پر انھوں نے رحلت کی البتہ تدفین ترچناپلی میں کی گئی۔

ان کے بعد عمدۃ الامرا حسین علی خان بہادر کوئی 6 برس تک بیماریوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئے۔ ان کے فرزند تاج الامرا علی حسین خان جشنِ جلوس منا رہے تھے کہ انگریزی فوج نے پہنچ کر ان کو گرفتار کر لیا اور وہ اسی قیدِ فرنگ میں مر گئے۔ ان کی گرفتاری کے ساتھ کرناٹک میں خود مختار نوابی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مدراس پر تو انگریزوں کا پہلے ہی سے قبضہ تھا۔ اب جنوبی ہند میں ان کے تسلط کو استحکام حاصل ہو گیا۔ مدراس کو ان کے صدر مقام یا دارالامارت کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس شہر میں ہر قسم کی انگریزی مصنوعات نہ صرف دستیاب ہونے لگیں بلکہ وہاں ہر نوع کے

کارخانے بھی قائم ہو گئے۔ اس علاقے میں انگریزی تمدن اور معاشرت کا بھی بول بالا ہو گیا۔ ہندوستانی علوم اور معاملت وغیرہ کی حیثیت ثانوی ہو گئی۔

مدراس میں عوام کی بول چال کی زبان تمل تھی۔ انگریزی حکام وقت کی زبان تھی۔ ہندوستانی شرفا کے طبقے (مسلمانوں) میں ایسے باصلاحیت نوجوان بھی نظر آنے لگے تھے جو انگریزوں کی طرح ان کی زبان بول اور لکھ سکتے تھے۔ فارسی ہندوستانیوں کے صاحب علم طبقہ میں رائج تھی۔ یہ گویا اہلِ علم کا ایسا لبادہ تھا جسے اوپر سے اوڑھ لیا جاتا ہے۔ اردو نوجوان مسلمانوں کی زبان کی حیثیت سے باقی رہ گئی تھی۔

والا جاہ اصلاً گوپامئو کے رہنے والے تھے۔ مدراس کے دورافتادہ علاقے میں اپنے وطن (ہند۔ پورب دیس) کے باکمالوں کی گویا دہ راہ دیکھتے رہتے تھے۔ کوئی آجاتا تو آنکھیں اس کی راہ میں بچھا دی جاتی تھیں۔ بحرالعلوم مولانا عبدالعلی کو جس عزت اور محبت سے لاکر انھوں نے مدراس میں رکھا تھا، آج تک اس کا ذکر فخریہ کیا جاتا ہے۔ پورب کے علاقوں سے جو شعرا اور علما مدراس میں آئے تھے ان میں سے بعض یہ تھے:

سید امیر حیدر بلگرامی مصنف منتخب الصرف

مولوی تراب علی نامی خیرآبادی مصنف سفرنامۂ ایران وعرب وعراق وغیرہ

مولوی حسن علی حسن ماہلی (ضلع اعظم گڑھ) مصنف منتخب التحریر وغیرہ

سید حسین شاہ حقیقت مولف صنم کدہ چین، خزینۃ الامثال وغیرہ

ان کے فیض اور اثر سے مدراس اور اس کے مضافات میں مذہب ہی نہیں اردو نظم ونثر کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

الف - شاعری

عیسائی مبلّغین (مشنری) مدراس اور آس پاس کے علاقوں میں سر اٹھا کر اپنے عقائد کی تلقین و تبلیغ کے کاموں میں مصروف تھے۔ ان کی توجہ زیادہ تر اس خطے کے عوام کی طرف رہتی تھی۔

رؤسا اور امرا کا طبقہ عموماً مسلمان تھا۔ ان کے معاملات پر نگاہ رکھنا کمپنی کے کارپردازوں کے لیے سیاسی اعتبار سے بہت ضروری تھا۔ مولانا اسمٰعیل شہید کی تحریک جہاد نے شمالی ہند میں جو حالات پیدا کر دیے تھے ان کی وجہ سے جنوب میں انگریز بہت خائف تھے۔ انھوں نے بڑی دانشمندی سے مدراس اور دوسرے مراکز پر ان مذہبی عالموں کی حوصلہ افزائی ہی نہیں، سرپرستی بھی شروع کر دی تھی جو مولانا کے خیالوں سے اختلاف رکھتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس مخالف جماعت کی حمایت میں سرکار کمپنی بہادر نے مولانا کے موافقوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ سختیاں بھی شروع کر دی تھیں۔ ان کے حالات کا اثر اس دیار کی نظم و نثر میں بھی نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

1- بہجت- محمد تاج الدین حسین

بہجت تخلص، منشی محمد تاج الدین حُسین خان نام، مدراس کے رہنے والے، اپنے وقت کے معروف عالم اور شاعر تھے۔ ان کے حالات اس طرح لکھے ہیں:

"مولوی تاج الدین حسین بہجت، مدراس کے احناف میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ ان کے والد کا نام غیاث الدین حسین خاں تھا۔ 1214ھ (1799) سال پیدائش ہے۔ مولوی حسن ماہلی اور نامی خیر آبادی سے عربی، فارسی کے علاوہ افادۂ سخن بھی کیا۔ اردو میں سید ابوالحسن حیرت سے اصلاح لی تاریخ گو بھی تھے۔ 1248ھ (1832) میں 200 روپے مشاہرے پر حکومت نے مفتی مقرر کیا۔ ان کے لڑکے مولوی جمال الدین الفت مدراسی بھی نامور شاعر و مصنف گذرے ہیں۔"

بہجت کے والد غیاث الدین حسین خوش نویس تھے۔ حسن ماہلی اور نامی دونوں فورٹ سینٹ جارج کالج کے استاد تھے۔ بہجت نے بھی اسی کالج میں تعلیم پائی تھی۔ تکمیل کے بعد کمپنی نے ان کا مفتی کی حیثیت سے تقرر کر دیا۔ 1272ھ (1855) میں بہجت نے وفات پائی۔ بہجت کے اردو کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

سُن لیں چرچا جو ترے حُسن کا اے حور نژاد 5 آئیں پریوں کے پرے اپنے پرستان کو چھوڑ
آہ غیروں کا اکھاڑا ہے اب اُس شوخ کا گھر ہم جہاں جاتے تھے دروازہ میں اوسان کو چھوڑ

بہجت اپنے وقت کے قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے غزل کے علاوہ مختلف شعری اصناف میں بھی طبع آزمائی کی تھی۔ اپنے استاد ابوالحسن حیرت کی وفات پر انھوں نے ایک مرثیہ بھی لکھا تھا۔ اس کے کچھ شعر یہ ہیں۔

سن پائے گر اس کا شعر پُر درد سمجھے اُسے درد اپنا درماں
اس میر سخن کے سُن سُخن کو دم مارے نہ میر سا سخنداں
سُن اس کے سخن کو گور میں بھی تحسیں کرے روح تحسیں ہر آں
دیوانہ ہو شعر سن کے سودا حسرت سے ہو روح سوز سوزاں
تھی زندگی سخن اس سے دم اس کا تنِ سخن میں تھا جاں

بہجت کا یہ مرثیہ غزل کی ہیئت میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوب کے علاقے میں اُس وقت تک مرثیہ کے لیے مسدس کی صورت مروّج نہیں ہوئی تھی۔

کہا جا چکا ہے کہ بہجت تاریخ گو کی حیثیت سے بھی معروف تھے چنانچہ انھوں نے اپنے مذکورہ مخمس مرثیہ کے آخر میں تاریخ بھی شامل کردی ہے، اس طرح۔

دنیا سے سفر کیا جب اس نے ‌ ‌ تھا سالِ وفات میں جویاں
سر اپنا پٹک کہا ملک نے ‌ ‌ ہیہات مُوا ابوالحسن خاں
40 - 1277=1273ھ

شاعر نے اس میں تخرجہ سے کام لیا ہے۔ بطور مجموعی تاریخ اچھی ہے۔

2- رجا- غلام محی الدین خاں

رجا اپنے زمانے کے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ نصیرالدین نقش نے ان کے حالات اس طرح قلمبند کیے ہیں:

''رجا تخلص، غلام محی الدین خاں حیدر آبادی۔ مدتہا در مدراس ماندہ، بسیار مَردمِ آنجا از خوانِ نعمتش بہرہ یاب شدند۔ طبعش شگفتہ داشت۔ خوشہ چینِ خرمنِ فیضِ حضرت فیض (میر شمس الدین) است 1291ھ (1874) ساکنِ خلد بریں شد۔''[8]

رجا کی غزل کے کچھ شعر یہاں نمونہ کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں۔

مندرج مکتوب میں جب مضطر ہوگیا ‌ ‌ نامہ شہہ پر بن گیا مضمون کبوتر ہوگیا
زلف ساقی کا خیال آتے ہی محفل میں رجا ‌ ‌ دودِ شمع بزم میرے حق میں اژدر ہوگیا
ہم چاہتے ہیں وصفِ لبِ جنگجو کریں ‌ ‌ دامن کو زخم چاکِ جگر کے رفو کریں
ہے گو مگو جہاں کا تماشا عجب رجا ‌ ‌ طاقت نہیں ہے ہم کو جو میں اور تو کریں

معلوم ہوتا ہے کہ شمال سے شعرا کا کلام مدراس وغیرہ مقامات تک پہنچتا رہتا تھا۔

رجا کو اساتذۂ لکھنو کی غزلوں پر غزل کہنے کا شوق تھا۔ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قادرالکلام شاعر تھے۔ ان کے شاگردوں میں غلام حیدر قدر اور سید عبدالقادر سقاف مہر وغیرہ نے نام پایا تھا۔

رجا کا دیوان مرتب ہوا تھا یا نہیں، اس بارے میں وثوق سے کچھ کہنا ممکن نہیں، البتہ افسر

صدیقی امروہوی نے اتنا لکھا ہے کہ:

''ان کی ایک مثنوی قصہ حضرت تمیم انصاری پر مشتمل ہے۔اس کا تاریخی نام ساغر زیبا ہے۔یہ مطبع اکبری مدراس میں اسی سال میں یعنی 1281ھ (1864-65)

1281

میں چھپ کر شائع ہوگئی تھی۔اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ خاص (انجمن ترقی اردو پاکستان) میں محفوظ ہے۔''7

امکان ہے کہ رجا کی کوئی اور تصنیف بھی ہو جس کا حال اب معلوم نہ ہو سکا۔

3- مسکین- واصف محمد مہدی

عبدالجبار ملکاپوری نے مسکین کے جو حالات قلمبند کیے ہیں،ان کا خلاصہ یہ ہے:

واصف تخلص،محمد مہدی نام،محمد عارف الدین خان فاروقی برہانپوری متخلص بہ رونق کے بیٹے تھے۔ولادت 1217ھ (1802) میں مدراس میں ہوئی تھی۔نشو ونما بھی وہیں پائی تھی۔اولاً اپنے والد سے کتب درسیہ فارسیہ پڑھی تھیں۔پھر علمائے مدراس سے علوم عربی کی تحصیل کی انگریزی میں اہلِ زبان کے ساتھ مکالمہ (اور مکاتبہ کرنے لگے تھے) بہ ذریعہ مولوی تراب علی نامی مدرسۂ کمپنی میں نوجوانانِ اہلِ فرنگ کی تعلیم کے لئے ملازم ہوئے۔تخمیناً سترہ برس تک ملازم رہ کر دست بردار ہوئے۔پھر ترچناپلی چلے گئے............''8

ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے ان کے حالات میں مفید اضافے کیے ہیں جو مختصراً اس طرح ہیں:

''وہ نہ صرف اردو،فارسی،عربی،ترکی،انگریزی،فرنچ بلکہ متعدد دیسی زبانوں جیسے تلگو،مراٹھی،تمل،ملیالم اور سنسکرت سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔وہ مختلف زبانوں کے مصنف،مرتب اور مترجم ہیں 30۔رجب 1290ھ/ 25 اگست 1873 کو حیدرآباد میں جان جاں آفریں کے سپرد کی۔''9

ان کے فرزند عبدالعلی والہ نے تاریخ کہی

آج واصف داخلِ جنت ہوئے

...........فارسی میں واصف اور اردو میں مسکین تخلص تھا۔ دیوانِ مسکین (اردو) 1278ھ میں مطبع مظہر العجایب مدراس میں اور دیوان واصف (فارسی) 134ھ میں مطبع جامع الاخبار (مطبع محمدی) میں چھپ گیا تھا۔

اردو کا نعتیہ دیوان روضۂ رضوان بھی طبع ہو چکا ہے۔ ان کی اردو میں دو غیر مطبوعہ مثنویاں بھی ہیں، جن کے نام ہیں:

مثنوی دلِ مائل اور مثنوی قصۂ اصحاب کہف

ان مثنویوں کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی ہے البتہ ان کے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مذہبی موضوعات سے متعلق ہیں۔

واصف، مسکین نے بظاہر سبھی مروّجہ اصناف میں شعر کہے تھے۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ بعض بیاضوں میں ان کے قصیدے بھی نقل کیے گئے ہیں۔ مسکین کی غزلوں کے صرف دو شعر نمونہ کے طور پر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

کیا دیکھتا ہے گردش ایام کی طرف دل کو لگا تو دورِ ے وجام کے طرف
کس شعلہ رو کے حُسن سے ہے شرمسار شمع مانندِ دودِآہ ہوئی بے قرار شمع

معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مشکل ردیفوں میں غزلیں کہنے کا شوق زیادہ تھا۔

4- دستگیر- سید غلام دستگیر

منشی سید غلام دستگیر نام تھا۔ نام کی مناسبت سے دستگیر تخلص کرتے تھے عربی فارسی کے علاوہ انگریزی سے بھی بخوبی واقف تھے۔ سرکار کمپنی بہادر میں مختلف مناصب پر ملازم رہے تھے۔ انھیں تاریخیں کہنے کا بہت شوق تھا۔ ان کی ایک مثنوی:

"احوالِ قیامت وشفاعت آنحضرت شافع صلعم" 11

کا ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے تعارف کرایا ہے۔ مثنوی کے مطالب کا تو اس عنوان سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے کچھ ابتدائی شعر یہ ہیں۔

حشر کا کیا سخت دن ہے اَلاماں　　العطش فرمائیں گے پیغمبراں
جب خلائق ہوئے گی ساری فنا　　جوش میں آکر کہے گا کبریا
آج کے دن ہیں کہاں شاہ ووزیر　　کیا ہوئے دنیا کے حاکم اور امیر
دیتے تھے جان مُلک اور جاگیر پر　　مرتے تھے تعظیم اور توقیر پر
ان سے پھر دستِ اجل نے کیا کیا　　ہے برابر خاک میں شاہ وگدا

حضرت شافعؑ روزِ جزا کے دعا کرنے کا بیان شاعر نے اس طرح کیا ہے۔ ۔

یک بہ یک پنجتن حضرتؐ ہوئیں گے　　آپؐ بھی سب کے برابر روئیں گے
بولیں گے گھبراؤ مت اے عاصیو　　کیوں ہو ناامید میرے ساتھ ہو
سر بہ سجدہ پھر یہ مانگیں گے دعا　　عاصیوں کو بخش دے اے کبریا
یا غفور و یارحیم و یامجیب　　رحم کر آفت میں ہیں تیرے غریب
یہ ندا دے گا جنابِ ایزدی　　سر اٹھا لو بخشتے ہیں ہم ابھی
دیکھیے قدرت اٹھا سجدے سے سر　　اے مرے معشوق یوں زاری نہ کر

مثنوی کے آخر میں دستگیر نے حضرت رسولِ اکرم صلعم کی خدمت میں اس طرح التجا کی ہے۔ ۔

یاشفیعِ حشرؐ، سب نبیوں کے شاہ　　ہم پہ ہو اک مہربانی کی نگاہ
ہے ہمارا حال اوروں سے جدا　　ہم کبیرہ ہیں گنہ میں مبتلا
اس سیاہی کو مٹا دو یا نبیؐ　　ہم کو دوزخ سے بچا دو یا نبیؐ
اس کو بھی بخشائیے روزِ اخیر　　ہے بڑا عاصی غلام دستگیر

مثنوی کا اختتام ان دعائیہ شعروں پر ہوا ہے۔ ۔

یاالٰہی از برائے مصطفیٰؐ　　پنجتن کی دوستی میں رکھ سدا
یا الٰہی ازبرائے فاطمہؓ　　ماتمِ شبیرؓ میں کر خاتمہ

زبان اس مثنوی کی نہایت صاف، سلیس، سادہ اور رواں ہے البتہ اس میں فارسی اور عربی کے الفاظ نہایت سلیقہ سے اور روزمرّہ کے مطابق لائے گئے ہیں۔ افسوس ہے کہ دستگیر کے مزید حالات اور ان کا اردو کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

5- مقدور- میر محمد ابراہیم

اپنے زمانے کے معروف شاعروں میں سے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مختلف علمی اور ادبی مراکز کی سیر کا بھی موقع ملا تھا اس سے ان کی شاعری میں نکھار پیدا ہو گیا تھا اور ان کا نام اور کلام بنگال تک پہنچ گیا تھا۔ عبدالغفور خاں نساخ نے ان کے تعارف میں جو لکھا ہے یہ ہے:

''مقدور، میر محمد ابراہیم شاگرد و مرید حضرت شاہ شمیم اللہ قادری معروف بہ برہنہ شمشیر، باشندہ نتھر نگر، شاعر نامی چیناپٹن مدراس ہیں۔ وہاں کے باشندے ان کو ملک الشعرا جانتے ہیں۔ یہ پہلے رسالۂ انگریزی میں نوکر تھے۔ پھر نوکری ترک کر کے خانہ نشین ہوئے۔ ایک مثنوی بھوپال تال کی تعریف میں خوب کہی ہے'' 12

ان کی مذکورہ مثنوی کے بارے میں مزید کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔ غزلیں یہ خوب کہتے تھے۔ اکثر مشکل ردیف و قافیہ میں کہتے تھے۔ ایک مطلع یہ ہے۔

وقت حمام اس پری کا دیکھ لے گر رنگ پا   بن کے آوے قرص خورشید قیامت سنگِ پا

اوپر جن چند شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدراس اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں غزل کے بعد سب سے زیادہ مقبول اور مروّج صنفِ شاعری مثنوی تھی۔ بعض شاعروں نے قصیدے بھی کہے تھے لیکن ان سب میں مذہب کا کسی نہ کسی درجے میں اثر نمایاں رہا ہے۔

ب - عام نثر

ہندوستان کی سرزمین پر انگریزوں کا پہلا مرکز چینا پٹن (مدراس) تھا۔ کیفیت اس کی یہ ہے کہ 1600 (1008ھ) میں تجارت کی غرض سے ہندوستان میں ایک جماعت (کمپنی) بھیجی گئی جس کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی رکھا گیا۔ اس کمپنی نے مقامی راجا سے تھوڑی سی زمین حاصل کر کے سترھویں صدی کے عشرۂ پنجم میں ایک قلعہ بند کوٹھی بنوا کر اس کا نام فورٹ سینٹ جارج مقرر کیا۔ چند سال کے بعد آس پاس کی تمام کوٹھیاں اس کے ماتحت کردی گئیں اور مدراس کو پری سی ڈنسی بنادیا گیا۔

1- فورٹ سینٹ جارج کالج

انگریز نوجوانوں کو جو ہندوستان میں دولت کمانے کے لیے آتے تھے، ہندوستانی زبانوں اور تہذیبوں سے آگاہ کرانے کے لیے گورنر جوزف کلکٹ نے 1717 (1129ھ) میں ایک مدرسہ قائم کیا جو منشیوں کا مدرسہ یا فورٹ سینٹ کہلاتا تھا۔ 1812 / 1224ھ میں ترقی کر کے یہ کالج ہوگیا۔

چند سال کے بعد فورٹ سینٹ جارج کالج کے لیے ایک وسیع اور شاندار عمارت حاصل کرلی گئی اور پھر اس میں شعبۂ تعلیمی اور شعبۂ تصنیف کو الگ کردیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد کالج میں

ایک باقاعدہ کتب خانہ اور مطبع بھی قائم کر دیا گیا۔

کالج کے عملہ میں انگریزی عالموں کے علاوہ مختلف مقاموں سے آئے ہوئے متعدد ہندوستانی صاحبانِ علم وفن بھی شامل تھے۔ کالج میں زبان دانی کے معاملات ومسائل کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ وہاں جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان میں لغات، قواعد، ضرب الامثال وغیرہ کے مجموعوں کی تعداد زیادہ تھی۔

مدراس کے مخصوص ماحول میں بیشتر توجہ نثر کے لکھنے کی طرف دی جارہی تھی تاکہ وقتی مصلحتوں اور مقامی ضرورتوں کے مطابق کارآمد اور مفید مضامین ومطالب کو عام فہم انداز میں پیش کیا جا سکے اور بہتر سے بہتر طور پر ان کی تشہیر واشاعت عمل میں آسکے۔

انگریزوں کی ضرورت یہ تھی کہ وہ مقامی باشندوں کے اندازِ فکر اور طرزِ عمل سے بہتر سے بہتر طور پر واقف ہو سکیں چنانچہ اس علاقے میں نثر کا انداز بھی ایسا ہی تھا۔

عوام کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لینے کے مقصد سے تصانیف میں براہِ راست اور بالواسطہ طور پر مذہب کی طرف میلان نمایاں ہوتا تھا۔ بعض کتابیں روزانہ زندگی میں کام آنے والے موضوعات سے متعلق بھی ہوتی تھیں۔

2- محمد تاج الدین حسین خاں

جیسا کہ مذکور ہوا فورٹ سینٹ جارج کالج کے قیام کا مقصد نوجوان انگریزوں کو تعلیم دینا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہندوستانی طالب علموں کی تعلیم بھی ہوتی تھی چنانچہ مفتی محمد تاج الدین حسین خاں بہجت نے بھی یہیں تعلیم پائی تھی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بہجت کو فوری طور پر سرکار کمپنی کی ملازمت مل گئی۔

بہجت فرض شناس شخص تھے اور ہر موقع پر انھوں نے فرض شناسی کا اظہار کیا تھا۔ ان کی تصانیف کا بھی یہی معاملہ تھا۔ یہاں ان کی بعض اردو کتابوں کا احوال مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

الف- اظہر الصلاح

اس کتاب کا نام بعض لوگوں نے ''اظہر الاصلاح'' لکھ دیا ہے جو صحیح نہیں صحیح نام اظہر الصلاح ہے اور اس سے سالِ تصنیف کے عدد 1266 (1850) برآمد ہوتے ہیں۔ تمہید

میں بہجت نے شاہ محمد اسمٰعیل شہید کو امام ابن تیمیہ کا مقلد ثابت کرنے پر محنت کی ہے اور دونوں پر خوب لعنت ملامت کی ہے۔ شاہ صاحب کی مشہور ''تقویۃ الایمان'' کی اشاعت کے بعد جو سوالات پیدا ہوئے تھے، بہجت نے سوال و جواب کے صورت میں اپنی کتاب میں ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ سوالات یہ ہیں:

1- تقلید مذاہب اربعہ
2- مختلف مسائل میں مختلف ائمہ کی تقلید
3- مُردوں پر فاتحہ خوانی اور ان کے نام کا کھانا کھانا
4- ارواحِ انبیا و اولیا سے توسّل اور استمداد
5- غیر خدا کے نام پر جانوروں کی قربانی
6- قبور انبیا و اولیا کی زیارت
7- رسول اللہ صلعم بہ حیثیت شفیع المذنبین

کتاب کی ابتدا اس عبارت سے کی گئی ہے:

''حامداً و مُصلیاً سُبحانہٗ واصحابہ وسلّم۔ لماً بعد جمیع اہل اسلام و ایقان و ارباب اتقان و ایمان پر مخفی نہ رہے کہ یہ گروہ غیر محمد یہ جو ابتدا میں مشہور بہ فرقۂ اسماعیلیہ تھا، بالفعل بزرگانِ حرمین شریفین نے زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً جماعت وہابیہ جنھیں نام رکھا ہے، انھیں میں سے کئی ناخواندہ ہیں''

اس مقام پر ایک اور نکتہ کا ذکر مناسب ہے۔ عیسائیوں نے اپنے نقطۂ نظر کی مطابقت میں مسلمانوں کو بھی ''محمدی'' (=محڈن) کہنا شروع کر دیا تھا۔ بہجت نے بھی جو سرکارِ انگریزی کے ملازم تھے اسی روش کی متابعت میں اسمٰعیل شہید وغیرہ کے لیے ''غیر محمدی'' کی ترکیب اختیار کی ہے۔ اس سے ان کی فکر کے انداز کا خیال کیا جانا چاہیے۔

بہجت کی اس کتاب کے قلمی نسخۂ انجمن کراچی کے صفحۂ اوّل پر یہ لکھا ہے:

''یادداشت شجرۂ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلّم علیہم اجمعین''4

اس شجرے کے مآخذ کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے البتہ قیاس کہتا ہے کہ اس کی تیاری میں مروّجہ

بائبل سے بھی مدد لی گئی ہوگی۔ اس شجرے کے مطابق حضرت آدم سے حضور سرورِ کائنات صلعم تک چھیالیس پشتیں ہوتی ہیں۔ شجرے میں جو نام آئے ہیں ان پر ش، ک، ن میں سے کوئی ایک حرف لکھا ہے اور اس کی تشریح اس طرح کی ہے:

''ہر جا کہ شین باشد بادشاہان ست و ہر جا کہ نون باشد انبیا ست و ہر جا کہ ک باشد کافراں است''

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

''ہر کہ ایں شجرہ را یاد دارد آتش دوزخ بر وے حرام گردد''

کتاب کے خاتمہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

''.................. یہی دو دلیلیں مومنین پاک اعتقاد کے واسطے وافی و کافی ہیں طول کلام کی کچھ حاجت نہیں۔ ایسی قطعی الثبوت شفاعت کا جو منکر ہو سو قرآن وحدیث کا منکر ہے۔ وہ کیوں نہ کافر ہو۔ اعوذ باللہ منھا..................''

کتاب کے نسخۂ آصفیہ میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ:

''خاکپائے علمائے مجتہدین محمد تاج الدین نے رب الغفر وارحمہ ولوالدیہ رسالہ مختصر لکھا، شعر تاریخ نام اس کا اظہر الفلاح رکھا''5

خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس میں عبارت کو مقفیٰ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

افسر صدیقی امروہوی نے اس سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''کتاب اظہر الفلاح 1268ھ (1851) میں اسے دوبارہ مطبع فیض الکریم حیدرآباد نے چھاپا۔ اس کا ایک نسخہ انجمن کے کتب خانۂ خاص میں موجود ہے۔''6

اور ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے نسخۂ بمبئی کے تعارف میں تحریر کیا ہے کہ:

''آخر میں لمولفہ لکھ کر ایک فارسی شعر نقل کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ شاید کسی مطبوعہ نسخہ کی نقل ہو۔

شعر یہ ہے۔

سالِ طبع ایں رسالہ گفتہ ام بہجت مجد   سیارہ ام مطبوع ہست احباب را''

دوسرے مصرع میں ''سیارہ ام'' کی جگہ کچھ اور ہوگا یہ نہ تو موزوں ہے اور نہ اس سے سالِ طباعت کے عدد ہی برآمد ہوتے ہیں۔

ب- مرصاد المشتاقین

بہجت کا کیا ہوا یہ ایک فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔اس کی تمہید میں بہجت نے لکھا ہے:

''نحمدہ و نصلی علی رسولہ محمد شفیع الامم وعلی الہ واصحابہ الذین زبدۃ الحکم امابعد یہ عاصی پُر معاصی شفاعت خواہ شفیع المذنبین محمد تاج الدین نے ایک فارسی رسالہ تنبیہ الضالین کے رد میں تصنیف کیا گیا سالک مسالک حق ویقین ناسک مناسک شرع متین مولوی حافظ جی سید عبدالقادر بادشاہ قادری الحسنی الحسینی کا دیکھا تو فائدۂ عام اور تفہیم عوام کے لیے اس کو ہندی زبان میں تھوڑی کمی وزیادتی سے ترجمہ کر کے مرصاد المشتاقین نام دیا''8

یہ کتاب بھی شاہ اسماعیل شہید کی تحریک کے رَد میں ہے اور اس میں جو مسائل زیرِ بحث آئے ہیں اس طرح ہیں:

1- شفاعتِ رسول مقبول صلعم 9

2- زیارتِ قبور اولیائے کرام

اور 3- ذبح لغیر اللہ

کتاب کے خاتمہ کی عبارت خاصی معلومات افزا ہے۔اس میں ہے:

''...... ایسے ناخواندہ مترجموں کا ہمارے پاس کیا عرضہ اور کیا شانِ باقی حال کتاب تنبیہ الضالین کا معلوم کرنے کے لیے یہ مشتے نمونہ عاقل کو بس ہے۔ تنبیہ الضالین عن طریق سید المرسلین عبدالحق قرشی کی مرتب کردہ ہے اور سید احمد شہید کی تحریک کی حمایت میں ہے چنانچہ یوسف کوکن نے خانوادۂ قاضی بدر الدولہ میں لکھا ہے۔ مدراس میں عبدالحق قرشی نے خیر الزاد لیوم المعاد اور دوسرے رسالوں اور فتووں اور اشتہاروں کی تردید میں ذی قعدہ 1252ھ/ 1836ء میں تنبیہ للضالین عن طریق المرسلین کے نام سے اردو زبان میں ایک بہترین

کتاب لکھی۔اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید محمد علی رامپوری اور ان کے متبعین کے خلاف سب سے زیادہ ہنگامہ آرائی مولوی جمال الدین احمد نے کی تھی''

ان متفرق اقتباسوں سے مترجم کی اردو نثر کے بارے میں جو قابلِ توجہ باتیں سامنے آتی ہیں یہ ہیں:

1- بعض جملے خاصے طویل ہیں اور ان میں تعقید کا عیب اس حد تک ہے کہ مفہوم تک پہنچنے میں خاصی ذہنی مشقت کرنی پڑتی ہے۔

2- عربی، فارسی کے ثقیل الفاظ اور ترکیبوں کا بھی استعمال کثرت سے کیا گیا ہے اکثر مرادف اور ہم معنی کلمات کو جمع کر کے مترجم نے اپنی علمی لیاقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔اس سے فائدہَ عام اور تفہیم عوام کا مقصد جس کا مترجم نے دعویٰ کیا ہے بری طرح مجروح ہوا ہے۔

3- مترجم نے کہیں کہیں عبارت کو مقفی بنانے کی بھی کوشش کی ہے لیکن اس کا التزام نہیں کیا جا سکا ہے۔

4- بعض مقاموں پر الفاظ کے صَرف میں بے احتیاطی کی صورت بھی پیدا ہوگئی ہے چنانچہ ایک جگہ 'ہندی زبان' اور دوسرے مقام پر 'اردو زبان' لکھا ہے

خیال کرنے کی بات ہے کہ جب زبان کا یہ حال ہے تو کتاب کے مطالب اور مباحث کا معیار بھی کچھ مختلف نہ ہوگا۔

یہ کتاب 1268ھ (1852) میں مطبع مظہر العجایب میں چھپ کر شائع ہو چکی تھی۔

ج-گلدستۂ ہند

یہ مذکور آ چکا ہے کہ سید تاج الدین بہجت تخلص سرکار انگریزی کے تنخواہ دار ملازم اور ہوا خواہ تھے۔ مذہبی مسائل اور معاملات کے علاوہ انھوں نے ملک ہندوستان کی تاریخ بھی اپنے آقاؤں کے نقطۂ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی اور ''گلدستۂ ہند'' کے نام سے ایک سو بتیس صفحوں کی ایک کتاب یادگار چھوڑی تھی۔اس کتاب کا آغاز ذیل کے کلمات سے ہوتا ہے۔:

''حمد بے حد اس شہنشاہ حقیقی کو سزاوار ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے عرصۂ

زمین پر انواع واقسام کی خلقت پیدا کر کے واسطے نظم ونسق دنیا کے اور انتظام
اور خلائق کے بادشاہانِ اولوالعزم کو کارخانۂ عدم سے ساحتِ ہستی میں لاکر
مخلوقات کو ان کا تابع کیا.............''10؎

جناب نصیر الدین ہاشمی نے اس تاریخ کا تعارف ان لفظوں میں قلمبند کیا ہے:

''سید تاج الدین مدراس کے متوطن تھے عربی، فارسی کے ساتھ انگریزی سے
بھی واقف تھے۔ انگریزوں کو اردو پڑھاتے تھے۔ مدراس کے جامع الاخبار
سے تعلق تھا...... یہ (گلدستۂ ہند) ہندستان کی مختصر تاریخ ہے جس کو مولف نے
مولسورتھ کی اعانت سے بعض انگریزی اور فارسی تاریخوں سے مرتب کیا۔ اس
تاریخ میں چار فصل ہیں۔ سامانی خاندان سے ابتدا کی گئی ہے۔ سلطان محمود کے
حال تک اس میں مختصراً تذکرہ ہے۔ دوسری فصل میں سلطان مسعود فرزند محمود
سے لے کر سلاطین دہلی کے خاندانِ غلامان تک شامل ہیں۔ تیسری فصل میں
دہلی کے پٹھان بادشاہوں کا حال لکھا ہے، اور چوتھی فصل میں مغل بادشاہوں کا
حال ہے۔ اس میں انگریز حکومت کا حال بھی آ گیا ہے۔ لارڈ لیک کے بیان
پر تاریخ کا اختتام ہوا ہے۔''

کتاب کے اختتام کی یہ عبارت توجہ طلب ہے

''.......... جب شاہ عالم اپنی خوشی اور رضامندی سے اپنی دولت کو انگریزی سرکار
کے سپرد کیا اور لارڈ لیک صاحب بہادر کپتیں اپنی خوشی سے 'شمشیر الملک' کا خطاب
دیا اور جب سے اب تک عالم شاہ کی آل اولاد احفاد وغیرہ چین وآرام سے کھاپی
کر بے فکر ہیں اور سرکار انگریزی کے حق میں دوامِ دولت چہتے ہیں۔''10؎

اس کتاب کے دیباچہ کا یہ اقتباس بھی معلومات افزا ہے:

''پانچویں پلٹن کے لفٹنٹ مول سورتھ صاحب بہادر نے منشی تاج الدین
صاحب کی اعانت سے بہ مقام گنجی میں متفرق تاریخ انگریزی وفارسی سے
بادشاہانِ ہند کا حال اس ملک کے ساکنوں کو صاف معلوم ہونے کے لیے

کرناٹکی محاوروں میں ترجمہ کرکے نام اس کا 'گلدستۂ ہند' رکھے اور مدراس
کو آتے وقت منشی غلام دستگیر صاحب ولد ملک حسین خاں صاحب دکھنی
بارہ ہزاراں کی اصلاح سے یہاں کے خاص وعام کو میسر ہونے کے واسطے
مطبع جامع الاخبار میں چھپوائے۔ امید یہ ہے کہ اہل غوامض کی نظر سے
خطا وسہو پر پڑے تو دستِ اصلاح سے آراستگی دیویں۔ 1264ھ مطابق
1848 ''10

اس کتاب کے قلمی نسخۂ مخزونہ آصفیہ لائبریری کا ترقیمہ درج ذیل ہے:

''یہ کتاب بموجب فرمانے جناب پیرومرشد قبلہ برحق حاجی الحرمین شریفین
دالبغد ادی حضرت سید شاہ مرتضٰی قادری مدظلہ جاگیردار تمن ہٹی سجادہ نشین درگاہ
قصبہ ہمسا گر بہ تاریخ پچیسویں ذیقعدہ 1285ھ نبوی (1869) فدوی میر
اصغر علی قاضی تعلقہ گنگاوتی نے لکھا۔ روز پنجشنبہ کے فضل الٰہی سے تمت تمام ہوئی
بخیر وعافیت۔''

افسر صدیقی امروہوی نے بہجت کی بعض اور کتابوں کے نام اس طرح تحریر کیے ہیں۔

تاج القواعد، مجمع البحر، 11 چمنستان شرح گلستانِ سعدی

الف۔ ان میں سے 12 آخر الذکر چمنستان بمبئی میں 1298ھ (1881) میں چھپی تھی
اور ڈاکٹر حامد اللہ ندوی نے ان کے نام اور موضوعات کا حال اس طور پر قلم بند کیا ہے۔

''انھوں نے قواعد میں ایک رسالہ تاج القواعد'
اور فنِ عروض میں ایک کتاب مجمع البحرین تحریر کی ہے۔
علاوہ ازیں شرح مسلم وغیرہ پر عربی زبان میں حاشیے بھی لکھے ہیں۔'' 13

بظاہر یہ سبھی کتابیں اب نایاب ہیں اس لیے ان کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنی مناسب
نہیں ہے۔

3- محمد مہدی واصف

یہ اپنے زمانے کے شاید سب سے کثیر التصانیف شخص تھے۔ محمد عمر الیافعی کا خیال ہے کہ

انھوں نے کوئی تین سو کتابیں لکھی ہوں گی لیکن جناب سخاوت مرزا نے ان کی ترپن کتابوں کے نام گنائے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تصانیف عربی، فارسی اور اردو وغیرہ مختلف زبانوں میں اور مختلف موضوعات سے متعلق ہیں۔

فنِ تحریر املا، لُغات اور ضرب الامثال سے متعلق مسکین کی بعض کتابیں یہ ہیں:

1- مجمع الامثال

شاہ برکت اللہ بلگرامی متخلص بہ عشقی وپیمی غالباً وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے ہندی (قدیم اردو) کی ضرب الامثال کو نہ صرف جمع کیا بلکہ تصوف کے نقطۂ نظر سے فارسی زبان میں ان کی تشریح بھی لکھی۔ اپنے اس رسالے کا نام انھوں نے عوارفِ ہندی مقرر کیا تھا۔

راقم نے عوارف ہندی کو سہ ماہی مجلہ دانش اسلام آباد نمبر 14 تابستان 1367ھ میں مختصر سے تعارف اور تصحیح کے ساتھ شائع کر دیا تھا پھر کتب خانہ خدا بخش پٹنہ کی طرف سے یہ کتابی صورت میں چھپ گیا لیکن اس وقت کے ڈائرکٹر کی بے علمی کی وجہ سے وہ کتاب شائع نہ ہو سکی۔

مدراس میں ضرب الامثال کو جمع کرنے کا کام سب سے پہلے غالباً محمد مہدی واصف نے کیا تھا۔ قوی امکان اس بات کا ہے کہ انھوں نے شاہ حسین حقیقت کی کتاب ''خزینۃ الامثال'' دیکھی ہو جو 1215ھ / 1801 میں مکمل ہو چکی تھی۔

محمد مہدی واصف نے ہندوستانی کہاوتوں کا پہلا مجموعہ ''ہندی ضرب الامثال'' کے نام سے مرتب کیا تھا۔ 13 اس کے مخطوطۂ حیدر آباد کا ترقیمہ یہ ہے:

> ''تمت تمام شد ہندی ضرالمثل بتاریخ یازدہم جمادی الاوّل 1243ھ مطابق
> یکم دسمبر 1827''

چند سال کے بعد کسی انگریز نے اس مجموعہ کو انگریزی میں تشریح کے ساتھ، ''کتاب الامثال'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کر دیا۔ اس کتاب کو دیکھ کر مدار الامرا مولوی عبد الوہاب نے جوار کاٹ کے دیوان اور واصف کے استاد بھی تھے اسے اردو میں منتقل کرنے کے لیے کہا۔ واصف نے یہ کام بھی کیا اور اس کے دیباچہ میں لکھا:

> ''حقیر اُس عالم روشن ضمیر کا حکم بجالا کے سنہ بارہ سوانسٹ ہجری میں اس کتاب

کو لکھنا شروع کیا۔ آخر سنہ بارہ سو ساٹھ ہجری کے وسط میں یہ نسخہ عجیب جس کا
نام ،مجمع الامثال، رکھا گیا اختتام کو پہنچا''

اس کے نسخۂ حیدرآباد کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

''ہندی ضراب المثل مسمیٰ بہ مجمع الامثال تصنیف محمد مہدی واصف صاحب سلمہ
اللہ تعالیٰ مالکہ عبدالوہاب بن محمد غوث عفی اللہ عنہما۔ آمین''

یہ مجموعہ جس کا نام ''مجمع الامثال رکھا گیا دو فصلوں میں منقسم ہے پہلی فصل میں گیارہ سو چوالیس اور دوسری میں پندرہ سو ساٹھ کہاوتیں ہیں۔ واصف نے ہر ایک کی تشریح کی ہے اور کہیں کہیں فارسی مثلیں بھی نقل کی ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے اس کتاب کو اپنے مقدمہ کے ساتھ 1999 میں شائع کر دیا ہے۔

بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کے عہد میں صہبائی نے بھی اپنی قواعد کے آخر میں اردو کی بعض ضرب الامثال کو شامل کیا ہے۔

2- دلیل ساطع

سنسکرت اور فارسی کے مابین جو تعلق ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ دونوں زبانوں میں ایک دوسرے کی قواعد اور لغت کی کتابیں تیار کی جاتی رہی ہیں۔ سنسکرت میں فارسی سے متعلق جو کتابیں محفوظ رہی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

نام کتاب	مصنف	اوراق	کیفیت
پارسی پرکاش 14	بہاری کرشن مشر	بیس	-
پارسی دیا کرنژ	—	گیارہ	-
پارسی سنگرہ 15	کرشن داس	بارہ	وشیہ ورگ تک
پارسی پرکاش 16	ویدانگ رائے	آٹھ	سنبت 1747 (1690)

اس نوعیت کی اور مختلف موضوعات سے متعلق بہ کثرت کتابیں ہیں فارسی اور اردو میں بھی لکھی گئی تھیں۔ واصف کی کتاب ''دلیل ساطع'' بھی اسی سلسلے کی ہے۔ ڈاکٹر محمد افضل الدین

اقبال نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

''محمد مہدی واصف کی ایک ضخیم لغت دلیل ساطع سنسکرت، فارسی اردو الفاظ پر مشتمل ہے۔اس لغت کی تصنیف 1248ھ/ 1832ء میں ہوئی اور 1268ھ/ 1851ء میں یہ لغت مطبع مظہر العجایب مدراس سے شائع ہوئی............ یہ نسخہ چھتیس حروف تہجی پر مشتمل ہے۔اس میں سنسکرت الفاظ اردو رسم الخط میں لکھے گئے ہیں اور ان کا تلفظ بھی بتایا گیا ہے۔حرف 'س' سنسکرت کے لیے اور حرف 'ہ' ہندی کے لیے بطور علامت استعمال کیا گیا ہے۔کتاب کے آخر میں فارسی میں ایک مختصر نوٹ ہے۔آخر میں مذکر و مونث الفاظ کی ایک طویل فہرست بھی دی گئی ہے۔''17

''انجمن ترقی اردو کراچی میں اس کتاب کا جو مخطوطہ ہے اس کے تعارف میں افسر امروہوی نے تحریر کیا ہے:

دلیل ساطع صفحات 451 سطور فی صفحہ 29/30

سنہ تصنیف 1248ھ سنہ کتابت 1298/1299ھ

دلیل ساطع میں ہندی (سنسکرت) الفاظ کے معنی و مطالب درج کیے گئے ہیں۔تلفظ کی صحت کے لیے اعراب کا استعمال بھی کیا ہے۔آخر میں تذکیر و تانیث کے کچھ اصول بتا کر بہت سے مذکر و مونث اسما کی جدولیں دی گئی ہیں۔''18

کتاب کی ابتدا فارسی کے اس شعر سے ہوئی ہے

سرِ سخن چہ نویسم ورائے نامِ خدا مرا کہ جانِ سخن شد برائے نامِ خدا

اور کتاب کا اختتام ذیل کی عبارت پر کیا گیا ہے:

الحمد للہ کہ بخوں گیر نقشم ۔یک چند چو غنچۂ عافیت شگفتم......اگر خطائے ظاہر شود بہ ذیلِ نوازش پوشند۔ الحمد للہ والمنتہ بہ فضل اللہ.........کہ نسخۂ دلیل الساطع بہ تاریخ ششم جمادی الاول ۱۲۷۷ ہجری در برجِ اتمام و اکمال شرفیاب شد اللھم صل وسلم علی سیدنا و مولانا محمد۔''

اس قلمی نسخہ کے بارے میں افسر صدیقی نے یہ اطلاعات بھی قلمبند کی ہیں:

''دلیل ساطع نواب عظیم جاہ والیِ ارکاٹ کے عہد میں تصنیف ہوا۔ اس کے الفاظ سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں مگر اکثر و بیشتر الفاظ کی روشنائی اُڑ گئی ہے ٹ کے لیے: کا نشان بنایا ہے۔ مصنف نے اُڑتالیس کو اُٹھتالیس، اُڑتیس کو اُٹھتیس اور 67 کو68 لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تلفظ اس وقت مدراس میں رائج رہا ہو۔''

وہ زمانہ تھا جب اعداد کے لیے تلفظ متعین نہیں ہوئے تھے امیر مینائی کے تذکرہ انتخاب یادگار میں بھی جس کا زمانۂ تصنیف کافی بعد کا ہے۔ یہ تلفظ دیکھے جا سکتے ہیں:

سولہا(۔سولہ)، اُڑہتیس (۔اڑتیس)

اڑہتالیس(۔اڑتالیس)، اوسٹھ(۔اڑسٹھ)

سٹسٹھ (۔سڑسٹھ) وغیرہ

اسی طرح حرف 'ٹ' کو فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں اُنیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایک مختصر 'ط' سے لکھتے تھے۔ اُنیسویں صدی کے ربع ثانی میں لکھنو میں دو نقطوں اور ایک مختصر ط یعنی 'ط' کی صورت میں لکھتے تھے البتہ مرزا اسداللہ خاں غالب اپنے سارے دعوؤں کے باوجود اس حرف کو آخر عمر تک چار نقطوں کے ساتھ ہی تحریر کرتے رہے تھے۔

3- انگریزی، ہندوستانی اور فارسی لغت

ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے ان کے تعارف میں مفید معلومات قلم بند کی ہیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے:

''واصف کی A dictionary English,Hindustani and Persian

(اے ڈکشنری، ہندستانی، اینڈ پرشین) مدراس سے 1268ھ/1851ء میں شائع ہوئی تھی۔ ہر صفحے پر دو کالم اور اُنیس سطریں، اور کُل 573 صفحے ہیں۔ اسے نواب غلام محمد غوث خاں اعظم اور سر ہنری پوٹنجر (Sir Henry

(Pottinger) گورنر مدراس کے نام معنون کیا گیا ہے۔ یہ تقریباً بائیس
ہزار لفظوں پر مشتمل ہے۔ مولف نے اس کے لیے جانسن اور جیمس کی انگریزی
ڈکشنریوں سے استفادہ کیا ہے۔ واصف نے انگریزی لفظوں کے تلفظ کو اردو
خط میں بھی لکھا ہے اور ہر فعل کے ساتھ اس کا زمانہ (ماضی، حال اور
مستقبل) بتایا ہے، اسی طرح درج ذیل توضیحی اشارے بھی استعمال کیے ہیں:
م۔ علامت مصدر، ج۔ جانسن (نام مصنف)، جیمس۔ جیس (نام مصنف)
ف۔ فارسی، ع۔ عربی، م۔ مشہور، ص۔ صوت
ص خ ظ۔ صوت خلاف ظاہر، ح۔ حدیث، ج۔ جمع''19

اس میں شک نہیں کہ دلیل ساطع کی طرح یہ لُغت بھی واصف کا نہایت وقیع اور لائق تحسین کارنامہ ہے۔

4- مناظر اللغات

واصف کی اس لغت کے تعارف میں ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے جو لکھا ہے مختصراً اس طرح ہے:

''چار سو اٹھارہ صفحوں پر مشتمل فارسی، اردو کے اپنے اس لُغت کے شروع میں واصف نے کوئی بارہ صفحوں کا دیباچہ لکھا ہے۔ اس لُغت کو انھوں نے 1270ھ/ 1851 میں مکمل کیا تھا۔ لُغت کی زبان فارسی ہے اور اس میں اردو کے لفظوں کے فارسی میں معنی لکھے ہیں۔ سند میں اردو کے مستند شاعروں کے کلام اور معتبر نثری تصانیف مثلاً باغ و بہار، باغ اردو اور لطائف ہندی سے سند پیش کی ہے مثلاً:

شب برأت۔ شعبان کی چودھویں
(مثال) دن کو وہ زیبائش اور رات کو یہ آرائش کہ دن عید اور رات شب برأت کہا جا ہے۔ (باغ و بہار)
شب برأت باوجود چاندنی اور روشنی کے اندھیری لگتی تھی (باغ و بہار)

ہم صفیر۔ ہم آواز، جوابی، ناسخ گوید

بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیر کا　　　روح القدس ہے نام مرے ہمصفیر کا

صوت۔ آواز، صدا، آہٹ۔ ہر یکے مونث است

سرمہ گوں آنکھوں کی مژگاں نے مجھے زخمی کیا　کان میں ہرگز نہ آوے گی مرے نالے کی صوت"20

ان چند کے علاوہ املا اور قواعد ولغت وغیرہ موضوعات سے متعلق واصف کی اور بھی تالیفات تھیں مثلاً

5- املا نامۂ واصفی

6- مختصر برہان قاطع

7- دلیل الشعرا

محمد مہدی واصف نے اخلاق و آداب اور نصائح وغیرہ سے متعلق بھی کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

8- نبایدنوشت

اپنے تجربوں اور مشاہدوں وغیرہ کی روشنی میں واصف نے "نبایدنوشت" کے عنوان سے صرف 8 صفحوں کا یہ مختصر سا رسالہ لکھا تھا۔ موضوع اس کا "نصائح" ہے چنانچہ اس کی افادیت ظاہر ہے۔ یہ مطبع مظہر العجائب مدراس میں 1278ھ (62-1861) میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

9- کیمیائے سعادت

امام غزالی کی مشہور کتاب کیمیائے سعادت کا واصف نے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ 1270ھ (1854) میں مکمل ہوا تھا اور پہلی بار مدراس میں چھپا تھا۔ اس کی افادیت کے خیال سے قاضی ابراہیم ونورالدین تاجران کتب بمبئی نے بھی مطبع حیدری میں 1248ھ میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔22 اس ترجمہ کا ایک ناقص الآخر نسخہ جو 630 صفحوں پر محیط ہے انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

10- تہذیب الاخلاق

یہ عربی زبان میں واصف کا رسالہ ہے لیکن اس کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں ہوسکی ہیں۔23

11- تحسین اخلاق

انجمن ترقی اردو پاکستان کے کتب خانے میں تحسین اخلاق کے نام سے کسی نامعلوم مصنف کی کتاب کا قلمی نسخہ محفوظ ہے۔افسر صدیقی امروہوی نے اس کے تعارف میں جو معلومات قلمبند کی ہیں۔مختصراً اس طرح ہیں۔

''تحسین اخلاق صفحے 174 فی صفحہ 15 سطر

سال تصنیف 1260ھ (1844)

یہ رسالہ تحسین اخلاق جیسا کہ نام سے ظاہر ہے علمۃ المسلمین کے اخلاق کی درستی کو مدِ نظر رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اس کی بنیاد اخلاق محسنی اور اخلاق جلالی پر ہے۔ مصنف نے خود کو بندۂ خاکسار، لکھا ہے۔.آخر میں محمد یحیٰ ندرت، خواجہ محی الدین، منور جنگ نظیر، عبداللطیف الطف کے قطعات تاریخ ہیں لیکن ان سے بھی مصنف کے نام کا پتہ نہیں چلتا۔اس بنا پر کہ تمام قطعہ گو شعرا مدراس کے علاقے کے ہیں مصنف کو بھی مدراسی کہا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے کہ یہ خود واصف کا کیا ہوا، ان کے عربی رسالے کا اردو ترجمہ ہو۔ واللہ اعلم

پوری کتاب اُنتالیس فصلوں پر منقسم ہے۔پہلی فصل عبادت کے بیان میں ہے اور آخری فصل امراض نفسانی کے ذکر میں ہے۔کتاب کا آغاز ان کلمات سے ہوا ہے۔

''شکر و سپاس کے لائق وہ خالق ہے جس نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اچھے اچھے اخلاق سکھائے۔ان کی تعریف میں انک لعلیٰ خُلق عظیم کہا.........''

اور خاتمہ کی عبارت اس طرح ہے:

.........صاحبان علم سے امید یہ ہے کہ اگر کسی مقام میں مقتضائے بشریت سے کچھ سہو و خطا نظر آوے تو اصلاح فرماویں اور مولف کو دعائے خیر سے یاد کریں۔اللھم صل علی سیدنا و نبینا محمد ہ السابق النورۂ ورحمۃ اللعالمین ظہورہ وعلی الہ اصحابہ اجمعین۔تمت تمام شد''

اسکے بعد قطعات تاریخ لکھے ہیں:

12- ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے اس رسالہ کے تعارف میں جو لکھا

ہے، مختصراً یہ ہے:

"مہدی واصف کا رسالہ اخلاق النبی کریم صلعم دراصل امام غزالی کی کتاب 'احیاالعلوم' کے ایک باب سیرت مصطفیٰ صلعم کا اردو میں ترجمہ ہے جو 1270ھ/1853 میں مطبع تعلیم الاخبار مدراس سے شائع ہوا۔"25ے

13- ترجمہ آداب الصالحین

آداب الصالحین شیخ عبدالحق دہلوی کی تصنیف ہے جس کا محمد مہدی واصف نے اردو میں سات ابواب اور کئی فصلوں میں ترجمہ کیا تھا۔ اس میں کھانا کھانے کے آداب، نکاح کے مسائل وغیرہ، آداب معاشرت، امر معروف اور نہی منکر وغیرہ کا بیان کیا گیا ہے۔26ے یہ ترجمہ پہلی مرتبہ مدراس میں 1264ھ/ 1847 میں شائع ہوا تھا۔

عقیدہ اور مذہب کو محمد مہدی واصف کے یہاں بھی بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل تھی چنانچہ انکی متعدد کتابیں ایسے ہی موضوعات سے متعلق ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

14- رسالہ در بیانِ سلام

کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں اس رسالے کا جو قلمی نسخہ موجود ہے گیارہ سطری سطر پر کوئی تیس صفحوں میں سمایا ہے۔ نصیرالدین ہاشمی نے اس کے تعارف میں لکھا ہے:

"یہ رسالہ ایک باب اور چند فصول اور اقسام پر مشتمل ہے۔ یہ اپنے موضوع کا خاص رسالہ ہے۔ اس میں سلام سے متعلق احادیث و آیات قرآنی سے بحث کی گئی ہے۔"27ے

آغاز..... الحمد للہ رب العالمین.......... ناظرین پر روشن ہو کہ یہ رسالہ مختصر سلام کے بیان میں حدیث شریف سے لکھا گیا ہے، تا واصف گنہگار صفحۂ روزگار پر رہے اور صاحبان کرم اس کو دعائے خیر سے یاد کریں.......... ماہ ربیع الاول 1273ھ (1856) میں حیدر آباد دکن میں اس رسالے کو لکھا۔ واللہ الموفق والمعین"

تمامتمہ..........

''اور اب کامل کما ینبغی اس کلام پر ہوا ہے۔ بیت

آسایش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است   بادوستاں تلف، بادشمناں مدارا''

اور ترقیمہ کی عبارت یہ ہے۔

''بتاریخ بست و کیم ماہ ربیع الثانی 1273ھ بہ خطِ زشت بندۂ خاکسار میر احمد علی بہ روز دوشنبہ بہ وقت صبح بہ اتمام رسانید''

اس سے اس نسخے کی اہمیت ظاہر ہے۔

15- ترجمہ جلالین

جلالین یعنی علامہ جلال الدین محمد بن احمد علی متوفی 864ھ (1460) اور علامہ شیخ جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ (1505) کی قرآن پاک کی نہایت مشہور تفسیر کا واصف نے اردو میں ترجمہ کیا تھا جو مطبع مظہر العجائب مدراس میں 1278ھ (1861-62) میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس ترجمہ میں مفسرین کے فقط معتبر اقوال لکھے ہیں۔ غیر ضروری باتیں ترک کر دی گئی ہیں۔ ضروری اعراب بھی مذکور ہیں اور قرأت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

16- ترجمہ رسولہ عشرہ

اس رسالہ کا جو نسخہ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد میں ہے، اس کے تعارف میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے لکھا ہے:

> ''بادشاہ بخارا نے مولانا عبدالعزیز دہلوی سے اسلامی امور سے متعلق استفسار کیا تھا اور دس سوال لکھ بھیجے تھے جن کے مدلل جوابات فارسی میں مولانا نے لکھے تھے۔ یہ جوابات ایک رسالہ کی صورت میں ہندوستان کے صاحب علم طبقہ میں بہت مقبول ہوئے۔ اس رسالے کا اردو ترجمہ غالباً محمد مہدی واصف نے 1285ھ (1868) میں حیدر آباد میں کیا...... سبب تالیف اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
>
> ''بادشاہ بخارا کے دس سوال اور ان کے جوابات مولانا عبدالعزیز سے مع دو

فائدہ جلیلہ آئے۔ مولانا کے جوابات جو فارسی میں تھے واسطے معلوم کرنے عام مسلمانوں کے زبان ہندی میں بعینہ محرم 1285ھ کو ترجمہ کیا گیا۔ اس کتاب میں دس سوالوں اور جوابوں کے علاوہ شراب اور حُقے کے بارے میں مولانا عبد العزیز کے خیالات کا بھی اردو میں ترجمہ شریک ہے''29

ابتدا:

''سب تعریف اللہ جل شانہ کو سزاوار ہے جو پروردگار ہے دو جہان کا اور اپنی مخلوق پر بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ خالق و مالک ہے روز قیامت کا.........''

اختتام.........ہم کو حکم فرمایئے کہ سلام کو جواب دیویں اور باہم دگر محبت رکھیں اور ایک دوسرے پر سلام کہیں''

رسالہ میں 17 ورق ہیں اور ہر صفحہ پر 11 سطریں ہیں۔

17- توصیف الٰہی

عربی زبان میں حمد و نعت کے بعد محمد مہدی واصف نے اپنا یہ رسالہ ان کلمات سے شروع کیا ہے:

''الٰہی اس مبارک رسالے کو جس میں تیرے نبی کریم اور رروف و رحیم کے چند فضائل اور فرخندہ خصائل مذکور ہیں زیور قبول عطا کر۔۔۔''30

اور اس کو ذیل کی عبارت پر ختم کیا ہے:

''.........الٰہی جب قیامت ہو اور میں گور سے اُٹھوں اس توصیف کے صلے میں رسولِ کریمؐ کی نعلین برداری کی دولت مجھے دے اور خاک نعلین مبارک کا سرمہ میری آنکھوں میں لگا۔ آمین یا رب العالمین''

اس رسالے میں حضرت رسول اکرم صلعم کی صفات اور ان کے پینتیس القابوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

رسالہ کے آخر میں واصف کے بیٹے کا کہا ہوا قطعہ تاریخ لکھا ہے، اس طرح:

''قطعہ تاریخ از محمد عبد الکریم صاحب والہ فرزند محمد مہدی عفا اللہ عنہما

نبیؐ کی جو تاریخ واصف نے لکھی   مبارک ہے لاریب یہ اس کی تالیف
لکھا کلکِ والہ نے تاریخ اس کی   مرصّع ہے واللہ واصف کی توصیف

1280ھ

عقیدے سے متعلق واصف کے کچھ رسالے وغیرہ یہ بھی ہیں:

18- ترجمۂ دُرِ مختار۔ جلد اول

19- خلاصۃ التکمیل در عقاید

20- منہاج العابدین۔ یہ مدراس میں 1275ھ (1859) میں چھپی

21- اَنیس الذاکرین۔ یہ بھی مدراس میں چھپی سال طباعت 1278ھ ہے۔

واصف نے علمائے مذہب اور صاحبانِ علم و دانش کے تذکرے بھی لکھے تھے چنانچہ دو تین یہ ہیں:

22- تذکرہ معدن الجواہر

یہ ہندوستان اور ایران کے فارسی گو شاعروں کا ایک ضخیم تذکرہ ہے۔ اس کی ضخامت 500 صفحات سے بھی زیادہ ہے۔ 31 متعدد شاعروں نے اس کے لیے قطعاتِ تاریخ کہے تھے جو اس کے آخر میں چار صفحوں پر لکھے گئے ہیں۔ ایک قطعہ یہ ہے۔

واعظِ عصر مولوی مہدی   زدرقم حال دوستانِ سخن
سالِ این باغ بخزاں باشد   بادجاوید بوستانِ سخن

1260ھ

معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرے میں واصف نے بعض شاعروں کے کلام میں پائی جانے والی خامیوں کی بھی نشاندہی کی تھی چنانچہ محمد حسین راقم نے جواب میں نوّے صفحوں پر محیط تبصرہ لکھا تھا۔ جس کا عنوان یہ رکھا تھا ''جوابِ اعتراضاتِ محمد مہدی واصف''

واصف کے اعتراضات اور راقم کے جوابات کو اُس زمانے کی تنقید کا قابلِ توجہ نمونہ سمجھنا چاہیے۔

23- حدیقۃ المرام

اس تذکرے کا پورا نام "حدیقۃ المرام فی تذکرۃ العلماء الاعلام" ہے اور یہ عربی زبان میں ہے۔ یہ تذکرہ واصف کی زندگی میں ہی مدراس سے چھپ کر شائع ہو گیا تھا۔ افسر امروہوی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"یہ مدراس و کرناٹک کے اہل علم اصحاب کا تذکرہ ہے اور عربی زبان میں لکھا گیا ہے اس کا ترجمہ سخاوت مرزا بی اے مرحوم نے اردو میں کیا تھا" 32

24- گلزار نجم۔ واصف کی اسی سلسلے کی کتابوں میں سے ہے۔

واصف کو اس زمانے کے مروجہ علوم و فنون میں بھی خاصا دخل رہا ہے چنانچہ ان سے متعلق انھوں نے کئی کتابیں لکھی تھیں مثلاً

25- رسالہ تعبیر خواب

اس رسالے کا قلمی نسخہ جو آصفیہ لائبریری حیدر آباد میں ہے صرف 15 صفحوں پر محیط ہے اور ہر صفحہ پر تیرہ سطریں ہیں۔ سال تصنیف اس کا 1273ھ (1857) ہے۔ اس کے آغاز کی عبارت اس طرح ہے:

"الحمد للہ رب العالمین.......... ناظرین پر روشن ہوئے کہ صحیح بخاری کتاب التعبیر، سے چند فصلیں تعبیر خواب کے بیان (میں) اس مختصر رسالے میں لکھا تا کہ اس فن کے شائقین کے کام آوے.........." 33

اس رسالے کا خاتمہ ان کلمات پر ہوا ہے

".......... چنانچہ دوسری فصل میں اس کا بیان بالتفصیل ہوا۔ واللہ الموفق وھو الہادی الی السبیل"

وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں پر ادبار آیا ہوا تھا۔ ان حالات میں لوگوں کو خدا یاد آ تا رہا تھا اور وہ غیبی امداد کی تلاش اور فکر میں رہتے تھے چنانچہ یہ رسالہ اس زمانے کی ضرورتوں کے مطابق لکھا گیا تھا اور قریب یہ یقین ہے کہ یہ بہت مقبول بھی ہوا ہوگا۔

26- مطلوب الاطبا

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں ہے۔ اس کے بارے میں افسر امروہوی نے لکھا ہے:

''مطلوب الاطبا (ترجمہ موجز) صفحے ایک سو باسٹھ

فی صفحہ چودہ سطر

یہ مخطوطہ دراصل عربی کی مشہور طب کی کتاب 'موجز' کا ترجمہ ہے...........''34

مترجم نے لکھا ہے........... 'جب تحسین اخلاق کی تالیف سے جس میں امراض نفسانی کا بیان ہے فر ست حاصل ہوئی، دل میں آیا کہ اگر امراض بدنی کا بیان بھی سہل طور پر لکھا جاوے تو ہزار ہا لوک اسے پڑھ کر بہرہ یاب ہوں اور اس عاصی کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔ سوائے موجز کے کوئی کتاب خاصی اور مختصر جو قواعد نظری اور خواص الاشیا اور معالجات امراض پر مشتمل ہو نظر نہیں آئی۔ میں نے چاہا کہ اسی کا ترجمہ ہندی زبان میں لکھوں'' آخر میں طبی اصطلاحات کی تعریف کی گئی ہے اور اس اعتبار سے بھی یہ کتاب زیادہ قابلِ قدر ہے۔

آغاز...........

''اچھی اچھی تعریفیں اس حکیم علی الاطلاق کے لائق ہیں جس نے آخر آخر زمانے میں حضرت رسول مجتبیٰ کو علم و حکمت سکھلا کے روحانی طبیبوں کا سرخیل اور پیشوا آپ کو بنایا صلی اللہ علیہ وسلم...........''

اختتام...........

''...........دوائے مانع من العفونہ.....وہ جو حرارت غریزی کو تقویت دے تا حرارت غریبی اس پر غالب نہ ہو۔''

کتاب تحسین اخلاق جس کا پہلے اقتباس میں ذکر آیا ہے 1260ھ میں لکھی گئی تھی چنانچہ اوپر اس کا تعارف لکھا جا چکا ہے۔ یہ کتاب مطلوب الاطبا اسی سال کے آخر میں شروع کی گئی تھی۔ ممکن ہے کہ اسی سال میں یا شروع 1261ھ میں مکمل ہو گئی ہو گی۔ اس کے قلمی نسخہ کا ترقیمہ یہ ہے:

''خدا کی عنایت سے موجز کے نظریات کا ترجمہ ہو چکا۔ فقط''35

27- کلماتِ آبدار

محمد مہدی واصف کے سلسلۂ حالات میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے فارسی خطوں کا ایک مجموعہ ''رقعاتِ واصفی'' کے نام سے مرتب کیا تھا جو جامع الاخبار مدراس سے 7۔ ربیع الثانی 1267ھ میں چھپ کر شائع ہو گیا تھا۔ اب یہ مجموعہ نایاب ہو چلا تھا اس لیے ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اسے مرتب کر کے 1999 میں کلماتِ آبدار، کے نام سے کراچی سے شائع کر دیا ہے۔ اس کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے:

> ''ان رقعات کو خود مصنف نے 'کلمات آبدار' کا عنوان دیا ہے اور متن اسی عنوان سے شروع ہوتا ہے۔ ان رقعات کے موضوعات کا تعلق ذاتی زندگی اور شخصی و نجی معاملات سے قطعی نہیں۔ تقریباً یہ سب ہی فکر و دانش، علم و حکمت اور اخلاق و موعظت پر مشتمل اور بے حد جامع و مختصر ہیں اور ان سب میں رقعہ نگار کے علم و تجربہ اور دانش و حکمت کا نچوڑ سمایا ہوا ہے۔''

شمالی ہند میں مرزا اسداللہ خان غالب نے بھی ''پنج آہنگ'' میں اپنے کچھ فارسی خط شامل کیے تھے اور اس کتاب کا اشتہار اردو نظم کی صورت میں شائع کیا تھا۔ واصف نے 5 اگست 1852 کے اعظم الاخبار مدراس میں اپنی کتاب کا اشتہار اردو میں اس طرح شائع کیا تھا۔

> ''ناظرین پر روشن ہو کہ خدا کی عنایت اور صاحبوں کی عنایت سے بندہ مسکین واصف نے لغت انگریزی بہ ہزار تردد تمام و کمال چھپوایا جو امرا اور بزرگان از راہِ قدر دانی دستخط سے سرفراز فرمائے ہیں قیمت مقرری کتاب کی بھیج کر یہ نسخہ کثیر المنفعت منگوالیں تو مروّت و انصاف سے بعید نہیں۔ الراقم محمد مہدی واصف''36

ڈاکٹر افضل الدین اقبال نے واصف کی اردو میں مکتوب نگاری کے سلسلے میں جو لکھا ہے بہت قابلِ توجہ ہے:

> ''مولانا مہدی واصف مغفور کی بہت سی خط و کتابت اردو میں میری نظر سے گذری ہے جو انھوں نے ہمارے خاندان کے بزرگوں کو حیدرآباد سے تحریر

فرمائی تھی............ایک خط میں (مولانا حسین عطاء اللہ فرزند قاضی بدرالدولہ کو) لکھا تھا کہ

''میں نے آپ کے والد قاضی بدرالدولہ سے علم حاصل کیا ہے۔اب آپ کو چاہیے کہ خود بھی علم وفضل حاصل کریں۔''

ڈاکٹر افضل الدین اقبال اگر واصف کے اردو خطوں کا ایک مختصر ہی سہی مجموعہ شائع کردیں تو یہ اردو خطوط نویسی کے سرمایہ میں بہت مفید اضافہ ہوگا۔

واصف کی جن تصانیف کا اوپر ذکر کیا گیا،ان سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اردو زبان اور علم وادب کی جو خدمات انجام دی تھیں،وہ بلاشبہ غیر معمولی تھیں۔

4- غلام قادر

غلام قادر کے حالات کچھ معلوم نہیں ہوسکے ہیں،بجز اس کے کہ یہ مدراس میں رہ رہے تھے اور انھوں نے بھی اپنے زمانے کی ضرورتوں کے مطابق عورتوں کی تدریس وتعلیم کے لیے ایک مختصر سا رسالہ اردو میں لکھا تھا جس کے تعارف میں نصیر الدین ہاشمی نے یہ اطلاعات قلمبند کی ہیں۔

''مفیدۃ النسا صفحات۔44 فی صفحہ 10 سطر

مصنف غلام قادر سال تصنیف 1250ھ(1834)

سال کتابت بعد 1270ھ''37

آغاز۔الحمدللہ رب العالمین............عزیزو جاننا چاہیے کہ اکثر دیندار عورتوں کو عبادت اور ریاضت کا شوق بہت ہے لیکن مسائل پاکی کے خصوصا حیض ونفاس کے معلوم نہ ہونے کے سبب اس نعمت عظمیٰ سے بےنصیب ہیں۔............''

اس مختصر سے رسالے میں مولف نے مذکورہ مسائل کو جمع کرکے چھ فصلوں میں مرتب کیا ہے۔افسوس یہ ہے کہ یہ قلمی نسخہ ناقص الآخر ہے۔اس کے آخر کی عبارت یہ ہے:

''............مسئلہ ناخن ٹوٹنے یا پاؤں تڑکنے سے کسو نے دوا لگادی............''

اس نسخہ کے آخر کے دو ورقوں پر ''نسخہ جات خاک نمودن نقرہ وطلا وغیرہ'' تحریر کیے گئے ہیں۔

یہ رسالہ مطبع مظہر العجائب مدراس میں 1270ھ (1854) میں چھپ چکا ہے اور یہ نسخہ حیدرآباد اسی قلمی نسخہ کی نقل ہے۔

5- سید مرتضیٰ

سید مرتضیٰ ابن سید صادق علی ابن ابراہیم رضوی، دکن کے رہنے والے تھے۔ ان کے اجداد کا وطن بیجاپور تھا۔ وہاں سے آ کر وہ مدراس میں رہ پڑے تھے۔ عربی، فارسی میں معقول مہارت رکھتے تھے۔ سید مرتضیٰ کی ایک کتاب ''ثمرۃ الفواد'' کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ اس کی کیفیت اس طرح لکھی ہے:

''ثمرۃ الفواد تین سو پینتالیس صفحے فی صفحہ تیرہ سطر

مصنف: سید مرتضیٰ سال تصنیف 1262ھ (1846)

کتاب کے آغاز کی عبارت یہ ہے:

''الحمد للہ رَبّ العالمین.......... بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ فقیر سراپا تقصیر سید مرتضیٰ ابن صادق علی ابن ابراہیم الرضوی غفر اللہ لھم مدراس کا رہنے والا، اس رسالے کے مطالعہ کرنے والوں کے حضور میں گزارش کرتا ہے کہ میں نے آج تک اوقات اپنی ہوا و ہوس میں ضائع کیا اور نفس امّارہ کی پیروی میں گزارا ....خیال ہوا کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جاوے جو خدا، رسول اور اہل بیت کے احوال پر مشتمل ہو اور عربی، فارسی کتابوں سے ماخوذ ہو۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، پندرہ باب اور کئی ضمنی فصلوں میں مکمل کی گئی۔''38

اس کتاب کے ابواب وغیرہ کے عنوان اس طرح سے ہیں:

مقدمہ: 1- علم حاصل کرنے اور عالموں کی فضیلت کے بیان میں

2- بے علم اور جاہل کی مذمّت میں

باب اول: دنیا کی بیوفائی

باب دوم: 1- مال جمع کرنے کی مذمت 2- ضرورت کے مطابق طلب دنیا

باب سوم: 1- حرام خوری 2- خود کو سنوارنا

باب چہارم: 1- شرابی کی مذمت 2- گانے بجانے اور راگ کی برائیاں
3- جوابازی اور شطرنج کی مذمت

باب پنجم: 1- غیبت 2- جھوٹ اور ریا کی مذمت
3- چغلی 4- طعن کی بُرائی

باب ششم: 1- نظر کو بچانا 2- عصمت و پاکدامنی

باب ہفتم: 1- نکاح 2- زن وشوہر کے حقوق

باب ہشتم: 1- تکبر اور غرور کی مذمت

باب نہم: 1- تواضع اور عاجزی کی خوبی

باب دہم: 1- بُغض وعداوت

باب دوازدہم: 1- حسد 2- حرص وطمع

باب سیزدہم: 1- بُخل کی مذمت

باب چہاردہم: 1- سخاوت کی خوبی

باب پنجدہم: 1- احوالِ قیام

اور اس کتاب کا اختتام ذیل کی عبارت پر ہوا ہے:

''حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آدمی کچھ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک کالا داغ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اگر توبہ کرلیا تو محو ہو جاتا ہے۔ اگر اور گناہ کرے تو داغ بڑھ جاتا ہے۔ جب دل تمام کالا ہو جاوے تو پھر ہرگز توفیق توبہ کی نہیں ہوتی''

(اس کے بعد ایک دعا عربی میں)

ان متفرق اقتباسات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ بہادر شاہ ثانی بادشاہِ دہلی کے زمانے میں مدراس کے علاقے میں صاف ستھری اردو نثر لکھی جانے لگی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ مقامی لب ولہجہ، تلفظ اور روز مرہ کا اس نثر میں اثر نمایاں تھا۔ ایک قابلِ ذکر حقیقت یہ بھی ہے کہ وہاں کی تصانیف میں اگرچہ مذہب کا اثر غالب رہا تھا، تعلیمی اور علمی ضرورتوں سے دوسرے مفید اور کار آمد موضوعات سے متعلق بھی بعض بعض صاحبانِ قلم رسالے اور کتابیں لکھ رہے تھے۔ اور اس طرح اردو کے

افادی اور علمی سرمایے میں اپنے اپنے طور پر اور اپنے وسائل کی حد تک اضافے کیے جا رہے تھے۔ اس قسم کے کاموں میں ہندوستانی اہل دانش کو انگریز عالموں کا تعاون بھی حاصل رہتا تھا۔

عیسائی مبلغوں کی توجہ بنیادی طور پر عوام الناس کی طرف تھی جن کی اکثریت غیر مسلموں کی رہی ہے لیکن مذہبی مباحثوں اور مناظروں میں ہمیشہ براہِ راست زد اسلام پر پڑتی تھی ناچار مسلمانوں کو بھی اپنے مذہب او رعقیدہ وعمل کے دفاع کے لیے آمادہ ہونا پڑتا تھا اس طرح عیسائیت کے رد میں بھی اس زمانے میں ملک کے اطراف میں بہت کتابیں لکھی گئی تھیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر صرف ایک کتاب کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

حیدرآباد کے آصفیہ کتب خانہ میں ایک کتاب کا جو قلمی نسخہ محفوظ ہے اس کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے:

''سیف المسلمین (ردِ نصاریٰ) مصنف نامعلوم، صفحے 278''39

فی صفحہ 11 سطر سال تصنیف وسال کتاب 1270ھ (1854) اس کے آغاز کی عبارت یہ ہے:

ہزار ہزار شکر اس خدا کا جس نے ہم کو مٹی سے بنایا اور انسان کر کے نام رکھا، اور صلوٰت اور درود اس کے تمام پیغمبروں پر خصوصاً سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ، خاتم الانبیا سرور اصفیا، ہادی گمراہوں کے، شفیع گناہ گاروں کے صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر اور ان کی جمیع اولاد اور اصحاب اور ان کی امت کے تمامی پرہیزگاروں اور نیک کاروں پر..........''

نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے اس کتاب کے مباحث کا بیان اِس طرح کیا ہے:

''یہ کتاب رَدِ نصاریٰ کے موضوع پر مشتمل ہے۔ انجیل، توریت اور زبور سے استدلال کر کے کہا گیا ہے۔ اور قرآن مجید سے توثیق کی ہے۔ 1857 کے پہلے عام طور سے انگریز پادری لوگوں کو عیسائیت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے سر بازار وعظ کرتے اور اسلام پر حرف گوئی کر کے عیسائی مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس زمانے میں اکثر مسلمانوں نے بھی مقابلہ کے لیے پیش قدمی کی اور

میدان میں نکل آئے۔ عیسائی پادریوں کا جواب دینے کے لیے اور ردِ نصاریٰ
میں کتابیں تصنیف کیں۔ اس قسم کی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔
کتاب ''سیف المسلمین'' ذیل کے فقروں پر تمام ہوئی ہے:
''........ وہ راست بازوں سے دوستی اور شریروں سے دشمنی رکھتا ہے۔ وہ
تیرے مصاحبوں سے زیادہ مظفر ہے۔''
اور اس مخطوطے کا ترقیمہ یہ ہے۔
''اے فرقان والو ہزار ہزار شکر اس خدا کا جس کے حبیب کی..........اس کی
قدرت ہے، پر یہ مٹھی خاک کی کیا قدرت ہے۔ تمت تمام شد 1270ھ''
نصیر الدین ہاشمی صاحب کی رائے ہے کہ یہ ''اصل مصنف کا نسخہ معلوم ہوتا ہے''
اس قسم کی کتابیں اردو میں عام فہم سلیس مفصل اور مدلل نثر کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ کہیں کہیں رواجِ زمانہ کے مطابق عبارت مقفیٰ بھی ہوتی ہے۔ بہر نوع اپنی عبارت کے اعتبار سے بھی یہ کتابیں لائق اعتنا اور قابلِ توجہ ہیں۔

ج - افسانوی نثر

وقت کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے لیے ہندوستان کی چھوٹی بڑی مختلف بولیوں کی ضرورت اور افادیت زیادہ ہوتی جارہی تھی چنانچہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے طالب علموں کی جو معمولاً جوان العمر سولجر (سپاہی) ہوتے تھے حکومت انگریزی کی طرف سے مقامی بولیوں کے سیکھنے کے لیے انعام وغیرہ کے واسطے سے حوصلہ افزائی کی جانے لگی تھی۔ مذکور ہے کہ:

''مدراس کے گورنر سر ہنری پوٹنجر (Sir Henry Pottinger) صاحب بہادر سوپریم گورنمنٹ کے حکم کے موافق اس ملک کے تمام شمشیر بند سرداروں (فوجی ملازمین) کو اطلاع دیتے ہیں کہ اگر کوئی سرداران سات زبانوں میں سے دو زبان یا زیادہ سیکھ کر امتحان دیوے تو اس کو سرکار کی طرف سے ایک مشت ہزار روپے انعام ملیں گے۔ سوائے اس کے دے لوگ معقول خدمتوں پر مامور ہوں گے۔''[1]

اس صورت حال سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ اردو کے علاوہ جنوبی ہند کی (دراوڑ) زبانوں کی بھی قواعد وغیرہ کی کتابیں لکھی گئیں۔ دوسرا فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان سبھی زبانوں کی تدریس کے لیے نصابی کتابیں تیار کی جانے لگیں۔

انگریزی زبان کی تدریس کے سلسلے میں حکایات (FABLES) کی افادیت مسلّم تھی۔

فارسی میں بھی مدت سے گلستاں بوستاں وغیرہ مستند کتابوں کی حکایتیں پڑھی اور پڑھائی جارہی تھیں۔ سرکار انگریزی کے تقریباً سبھی مراکز پر اسی قبیل کی کتابیں درسیات میں شامل کی جارہی تھیں۔ مثال کے طور پر ممبئی میں 1260ھ (1844) کے آس پاس ''نقلیات یوسف'' جیسی کتابیں اس مقصد سے اردو میں تیار کی جاچکی تھیں۔ مدراس کے نصاب کا معاملہ بھی کچھ مختلف نہیں تھا۔

1- محمد مہدی واصف

شروع زمانے میں فورٹ سینٹ جارج کالج کے نصاب میں غالباً فارسی کی تعلیم پر زیادہ زور دیا جارہا تھا چنانچہ محمد مہدی واصف نے جن کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے فارسی کی حکایتوں کے کئی مجموعے مرتب کیے تھے۔ بعض یہ ہیں:

1۔ حکایات دل پسند۔ حضرت لقمان کی طیور اور حیوانات سے متعلق حکایتیں یہ مجموعہ مدراس میں پہلی مرتبہ 1847 (1263ھ) میں چھپا تھا۔

2۔ لطائف عجیبہ اور

3۔ حکایات نادرہ وغیرہ

کچھ مدت کے بعد اس کالج میں جب زبان اردو کی تدریس کی طرف توجہ کی گئی تو محمد مہدی واصف نے حکایتوں کا ایک مجموعہ اردو میں بھی تیار کیا۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے لکھا ہے:

> ''فورٹ سینٹ جارج کالج کے مبتدیان ہندی کے لیے محمد مہدی واصف نے عربی کی حکایات لطیفہ کا اسی نام سے اردو (ہندی) میں ترجمہ کیا تھا جو پہلی بار یکم اپریل 1847 کو مطبع جامع الاخبار مدراس میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ یہ کتاب اُنچاس صفحوں پر محیط ہے اور اس میں کل چونتیس حکایتیں لکھی ہیں اور وہ سب سبق آموز اور دلچسپ ہیں۔ مذکورہ پہلے ایڈیشن پر مصنف یا مترجم کی حیثیت سے کسی کا نام نہیں لکھا ہے، البتہ تیسرے ایڈیشن پر جو 1910 میں مطبع مجتبائی لکھنو میں چھپا تھا، اسے حسب فرمائش حافظ محمد عبدالعزیز فرزند مہدی واصف، بتایا گیا

ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ راقم الحروف نے ایک طویل مقدمہ کے ساتھ اس کو 1993
میں حیدرآباد سے شائع کر دیا ہے"3

واصف کی "حکایاتِ لطیفہ" بہت مقبول ہوئی چنانچہ مذکور ہے کہ:

"اس کا انگریزی میں ترجمہ 1875 میں بیسن (BASSIN) سے طبع ہوا تھا
اور فارسی میں ترجمہ 1914 میں مطبع مجیدی کانپور سے شائع ہوا تھا۔"

واصف کی اس کتاب کا جو قلمی نسخہ ادارۂ ادبیاتِ اردو میں ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر زور نے لکھا ہے:

"کتاب سے پہلے ایک ورق پر لکھا ہے۔۔۔ایں کتاب خیابانِ مہدی
اور اسی کے ساتھ جو دوسرے اردو رسالے نقل کیے ہیں ان کے ترقیمے سے ظاہر
ہوتا ہے کہ یہ رسالہ بہ مقام سیتابنڈہ (قریب شہر ناگپور، کامٹی) 1846 میں
سپاہی محمد رسول اٹھارہ رجنٹ لائٹ کمپنی کے پڑھنے کے لیے نقل کیا گیا"4

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کا نام "خیابان مہدی" بھی رکھا گیا ہو۔ اس کا سال تالیف 1846 یا اس سے ایک دو برس پہلے کا ہوگا البتہ اس کی طباعت بعد میں عمل میں آئی ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدراس کی تالیفات ناگپور وغیرہ مقامات کے آس پاس بھی پڑھی جاتی تھیں۔

محمد مہدی واصف کی اس کتاب کی ابتدائی حکایت یہ معلوم ہوتی ہے:

"دو عورت ایک بچے کے واسطے لڑتی تھیں اور شاہد نہیں رکھتی تھیں۔ دونوں قاضی
کے آگے گئیں اور انصاف چاہیں۔ قاضی نے جلاد کو بلایا اور فرمایا کہ اس بچے کو
دو ٹکڑے کر اور دونوں عورتوں کو دے۔۔۔۔۔"

اور آخری حکایت اس نسخہ میں یہ ہے:

"ایک شخص ایک نویسندے کے آگے گیا اور کہا ایک خط لکھ دے۔ نویسندہ نے
کہا: میرے پاؤں درد کرتے ہیں۔ اس شخص نے کہا تجھ کو کسی جگہ بھیجنا نہیں
چاہتا ہوں جو ایسا عذر کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تیری بات سچ ہے۔۔۔۔۔"

بتایا گیا ہے کہ یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ اس کے آخر کا صرف ایک ورق غائب ہے۔

کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کی طرح شروع زمانے میں فورٹ سینٹ کالج مدراس میں بھی بعض داستانوں کے ترجمے کیے گئے تھے لیکن یہ سلسلہ زیادہ مدت تک جاری نہ رہ سکا کچھ عرصے کے بعد ''ڈرامے'' سے دلچسپی لی جانے لگی۔

یوروپی ممالک کی تہذیبی زندگی میں ڈرامے کو بہت اہمیت حاصل رہی تھی۔ مختلف یوروپی اقوام نے جب ہندوستان کے مختلف مقاموں پر اجتماعی طور سے سکونت اختیار کی تو تفریح طبع کے لیے ڈراموں کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ کچھ مدت کے بعد ڈراموں سے انھوں نے اپنے مذہب کی تلقین واشاعت کا کام بھی لینا شروع کر دیا اور اس طرح ہندوستانیوں میں بھی رفتہ رفتہ اس صنف کا چلن ہونے لگا۔ ان تبلیغی ڈراموں میں ہندوستانی عوام کی خاطر سے ہندوستانی (اردو) زبان کا استعمال ہوتا تھا۔ اس صورت حال کے دوہرے فوائد حاصل ہوئے یعنی

الف- ڈرامے سے متعلق یوروپ کے تھیٹروں کی اصطلاحیں بھی ہندوستانیوں کی زبانوں پر جاری ہونے لگیں،

اور

ب- ڈراموں کے مکالموں وغیرہ کے واسطے سے زبان اردو کو فروغ حاصل ہونے لگا۔

فورٹ سینٹ جارج کالج زبانوں اور انگریزی علوم کی ترویج کے علاوہ انگریزی تہذیب و معاشرت کی توسیع واشاعت کے کاموں سے بھی دلچسپی کے سلسلے کو جاری رکھا تھا چنانچہ مذکور ہے:

> ''1827 (43-1242ھ) میں فورٹ سینٹ جارج کالج کے لیے ایک مالدار ارمنی تاجر کا مکان نوے ہزار روپے کے سرمایہ سے خریدا گیا۔ اس عمارت کا ایک شاندار کمرہ 'کالج ہال' کے نام سے موسوم کیا گیا جہاں برسوں مختلف ڈرامائی تماشے ہوتے رہے۔''

2- گرین آوے

گرین آوے (Green away) نام کے ایک شخص مدراس کی افواج میں کپتان کے عہدے پر مامور تھا۔ وہ فوج کی چھیالیسویں رجمنٹ سے متعلق تھا۔ وہ فورٹ سینٹ جارج کالج کا فارغ التحصیل تھا اور دکھنی زبان میں مہارت رکھتا تھا، اور شعر بھی کہہ لیتا تھا۔

کپتان گرین آوے کو ڈرامے کی صنف سے دلچسپی تھی۔ اس نے الف لیلہ کے ایک قصہ ''علی بابا اور چالیس چور'' کو اردو میں ڈرامے کی صورت میں ڈھال دیا۔ اس کا یہ ڈرامہ 1268ھ (1852) میں مدراس کی تعلیم الاخبار پریس میں پہلی بار چھپ کر شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے اس سلسلے میں جو لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''داستان الف لیلہ کی سوراتوں کا براہِ راست عربی سے اردو میں پہلی بار ترجمہ فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کی طرف سے 'حکایتِ جلیلہ' کے نام سے کیا گیا تھا۔ اس کے مترجم مذکورہ کالج کے ایک استاد شمس الدین احمد تھے اس داستان کی دوسری جلد بھی جس کے مترجم منشی شمس الدین احمد ہی تھے، 1255ھ (1839) میں اسی کالج کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں مزید سوراتوں کا قصہ ہے۔ حکایات جلیلہ کا ماخذ شیخ احمد بن محمد محمود کی عربی الف لیلہ ہے یہ کتاب 1818 میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ منشی شمس الدین احمد کی حکایات جلیلہ کالج کے نصاب میں شامل کر لی گئی تھی'' 6

قرائن اس حق میں ہے کہ کپتان گرین آوے نے حکایات جلیلہ سے استفادہ کیا ہو۔ خوبی یہ ہے کہ اس شخص نے تالیف کو تصنیف اور ترجمہ کو تخلیق بنا دیا ہے۔

حکایاتِ جلیلہ کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے:

''دو جلدیں گورنر مدراس لفٹنٹ جنرل رائٹ آنریبل سر فرڈرک آڈم کی توجہ اور ایما سے مدراس کے مدارس کے لیے ترجمہ کی گئیں............ یہ کتاب مدراس میں طبع ہوئی تھی۔''

اوپر کپتان گرین آوے کے ڈرامہ ''علی بابا چالیس چور'' کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہ کتاب امتدادِ زمانہ سے نایاب ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال کا خدا بھلا کرے، کہ انھوں نے اس کا ایک نسخہ بڑی کاوش سے حاصل کیا اور اسے اپنے مقدمے کے ساتھ جنوری 1984 میں شائع کر دیا۔ اس کتاب کے قدیمی نسخہ مطبوعۂ مدراس کے سرورق کی عبارت اس طرح تھی:

''علی بابا یا چالیس چور
ہندوستان میں ترجمہ از کیپٹن گرین آدے، چھیالیس ویں رجمنٹ
مالکین لیتھو میں مترجم کی اجازت سے تعلیم الاخبار پریس مدراس میں منشی سید
حسین وغلام حسین اینڈ کمپنی کے لیے طبع ہوا۔
قیمت چار آنے 1852''

یہ ڈرامہ دس سین (نوبت) پر منحصر ہے۔ ہر سین کے شروع میں اس طرح کا بیان ہوتا ہے:

''نوبت اول۔ ایک جنگل ہے جس میں ایک طرف پہاڑ سا ایک بڑا پتھر ہے۔
علی بابا لکڑ ہارا اور احمد اس کا بیٹا گدھا ساتھ لیے ہوئے کلہاڑی ہاتھ میں لے کر
آتے ہیں.....''

ڈاکٹر افضل الدین اقبال نے اس ڈرامے کے بارے میں جو رائے قلمبند کی ہے مختصراً اس طرح ہے:

''اس کا موضوع حسن وعشق اور حسد وظلم کا برا انجام ہے۔ اردو میں خصوصاً دکنی زبان میں یہ پہلا اور قدیم ترین ڈراما ہے جو اب تک دستیاب ہوا ہے..........
کیپٹن گرین آدے نے، واقعات کے انتخاب، ترتیب اور تسلسل میں مہارت دکھائی ہے۔ وہ قصہ میں کشمکش، تذبذب اور تصادم پیدا کرنے میں کامیاب ہیں۔ ڈرامے کا پلاٹ مربوط ہے......... فطرتِ انسانی کے تقاضوں کے مطابق کرداروں کی سیرت متعین کی ہے.......... مکالمے ڈرامے کے ماحول سے مطابقت رکھنے والی اُس وقت کی معیاری زبان میں لکھے گئے ہیں اور نہایت برجستہ اور معنی خیز ہیں......... یہ فنی اعتبار سے مکمل اور بہترین ڈرامہ ہے۔''8

د - مطبعے

کہا جاتا ہے کہ عیسائی مبلغین (مشنری) کی توجہ عوام کی طرف زیادہ رہی ہے۔ان تک اپنی بات کو آسانی سے اور بہتر طور پر پہنچانے کے لیے مدراس کے آس پاس کے علاقوں میں جو چھاپے خانے لگائے گئے تھے ان میں انگریزی کے ساتھ ساتھ جنوبی ہند کی زبانوں یعنی تمل، تیلگو، کنڑ اور سنسکرت کے چھاپنے کا انتظام کیا گیا تھا۔مطبوعہ کتابوں کی افادیت اور ترویج پر خیال کر کے مصلحتاً ایک مدت تک پریس قائم کرنے پر حکومت انگریزی کی طرف سے پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔

چھاپے خانوں کے لیے حروف وغیرہ کے چھاپے بنانے والوں میں زیادہ کاریگر مدراس کے رہنے والے تھے۔ان مقامی کاریگروں کی وجہ سے سرکار کمپنی کی طرف سے عائد کی جانے والی پابندیوں کو تادیر جاری رکھنا عملاً آسان نہیں تھا۔ناچاران پابندیوں کو اٹھالینا پڑا۔

کچھ مدت کی محنت، غور و فکر اور کاوش کے بعد مدراس کے علاقوں میں یکے بعد دیگرے ایسے چھاپے خانے بھی قائم کیے جانے لگے جن میں عربی اور فارسی کے خطوں میں بھی کتابوں کے چھاپنے کا انتظام ہو گیا تھا۔شروع شروع میں یہ مطبعے انگریزوں اور ہندوؤں کے تھے۔ان میں سب سے زیادہ اہمیت مطبع سرکاری کو حاصل تھی جو 1272ھ (1856) میں بھی کام کر رہا تھا۔

اپنی ضرورتوں کے پیش نظر مسلمانوں نے بھی پریس کی اہمیت کو محسوس کیا اور انھوں نے بھی اپنے چھاپے خانے قائم کرنے شروع کر دیے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا پہلا چھاپہ خانہ 1252ھ (1836) کے قریب (یعنی اس زمانے میں جب دہلی میں اکبر شاہ ثانی فرمانروا تھے) کام کرنے لگا تھا۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے ان کے کئی مطبعے قائم ہو گئے۔ مدراس کے بعض قابلِ ذکر مطابع یہ تھے۔

1- کالج کا مطبع

فورٹ سینٹ جارج کالج کا مطبع 1791 (1205ھ) میں لگ گیا تھا۔ اس میں انگریزی کے علاوہ تیلگو اور کنڑ زبانوں میں چھپائی ہوتی تھی۔ پہلی کتاب جو اس پریس میں چھپی تھی ڈاکٹر ہنری ہیرس (Henry Harris) کی ہندوستانی زبان کا تجزیہ اور اس کی قواعد ولغت (Analysis,Grammer & Dictionary of Hindustany Language) تھی۔ کوئی ربع صدی کے بعد اس پریس میں عربی خط میں چھپائی شروع ہوگئی چنانچہ پہلی مطبوعہ کتاب وسیط النحو کے بارے میں لکھا ہے:

> ''وسیط النحو عربی زبان میں صَرف ونحو کی ایک معیاری کتاب ہے...... جو تراب علی نامی نے 1813 میں مکمل کی تھی۔ ولیم اُلیور (William Oliver) کی کوششوں سے یہ کتاب 1820 میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آئی۔''2

اس کے سرورق پر مطبع کا نام '' کالج پریس'' لکھا ہے اسی پریس میں منشی محمد ابراہیم بیجاپوری کی کتاب دکنی انوار سہیلی (دکنی انجمن) 1240ھ/1824 چھپی تھی۔3

2- مطبع احمدی

اس مطبع کے مالک احمد حسین تاجر کتب مدراس تھے یہ اپنی تجارتی ضرورتوں کے مطابق قصے کہانی وغیرہ کی کتابیں بھی چھاپتے رہتے تھے۔ مثال کے طور پر انھوں نے قصہ مریم کو چار اور قصوں کے ساتھ چھاپا تھا۔4

3- مطبع جامع الاخبار

یہ سید رحمت اللہ کا مطبع تھا۔ اس میں وہ خود مہتمم کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ یہ پریس

انھوں نے 1258ھ (1842) میں نکالا تھا وہ جامع الاخبار کے نام سے ہر دوشنبہ کو ایک اخبار بھی نکالتے تھے۔ جس کے کچھ شماروں کی نقلیں ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد میں محفوظ ہیں۔5

اس پریس میں بیشتر علمی اور ادبی کتابیں چھپتی تھیں چنانچہ کتاب ''گلدستۂ ہند'' کے بارے میں لکھا ہے:

''1268ھ (1852) میں مدراس کو آتے وقت منشی غلام دستگیر صاحب ولد ملک حسین خاں صاحب دکھنی بارہ ہزاراں کی اصلاح سے یہاں کے خاص و عام کو میسر ہونے کے واسطے مطبع جامع الاخبار میں چھپوائے۔''

4- مطبع مظہر العجائب

س مطبع کا بھی وہی معاملہ تھا یعنی یہ بھی 1268ھ (1852) سے پہلے قائم ہو چکا تھا چنانچہ اسی سال میں کتاب '' اظہر الصلاح' یہیں سے چھپی تھی۔7 یہ پریس 1857 کے ہنگاموں کے بعد بھی بدستور کام کر رہا تھا۔ 1276ھ (60-1859) میں اسی پریس میں کتاب ''ریاض العارفین'' کی طباعت عمل میں آئی تھی۔8

5- مطبع تعلیم الاخبار

یہی وہ مطبع ہے جس میں کپتان گرین آوے کا ڈرامہ ''علی بابا چالیس چور'' چھپا تھا۔ اس کے سرورق کے اندراج سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لیتھو کا پریس تھا اور اس کے مالکان: ''منشی سید حسین و غلام حسین اینڈ کمپنی'' تھے اور یہ ڈراما 1268ھ (1852) میں چھپا تھا۔9 یہ مطبع اس سے کچھ پہلے قائم ہوا تھا۔

اس مطبع سے بھی ایک ہفتہ وار اخبار ''تعلیم الاخبار'' کے نام سے نکلتا تھا۔ اس کا پہلا شمارہ 2 محرم 1268ھ / 17۔ نومبر 1851 کو نکلا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نوآموز سرداروں کی تعلیم میں اس اخبار کا بھی بڑا حصہ رہا ہے۔

6- مطبع اعظم

یہ والی ارکاٹ نواب غلام محمد غوث خاں اعظم کا مطبع تھا، اور 1264ھ (1848) میں قائم ہوا تھا۔ فورٹ سینٹ جارج کالج کے علاوہ سرکار کمپنی بہادر کے ضروری کاغذ بھی اس مطبع میں چھپتے تھے۔

اس مطبع سے بھی ایک ہفتہ وار اخبار ''اعظم الاخبار'' نکلتا تھا جسے اس زمانے میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

7- مطبع عزیزیہ

یہ بھی اس زمانے کے قابلِ ذکر مطبعوں میں تھا۔ اس میں 1268ھ (1852) میں طباعت کا کام شروع ہوا تھا۔

یہ مدراس کے صرف چند قدیم مطبعوں کا ذکر ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ طباعت اور مطبعوں کے اعتبار سے مدراس کو سارے ملک میں برتری حاصل رہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدراس میں پڑھنے پڑھانے کا شوق بھی دوسرے مختلف مراکز کے مقابلے میں زیادہ رہا ہے۔

OOO

حواشی

مدراس

1-	نوابانِ کرناٹک و پرنسانِ ارکاٹ		ص 4 تا 5
2-	ایضاً		ص 9 تا 10
3-	ایضاً		ص 7 تا 8

الف - شاعری

4-	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد 2	ص 163 تا 164
5-	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص 80 تا 81
6-	عروس الاذکار		ص 75
7-	ایضاً		ص 204
8-	محبوب الزمن .	جلد 2	ص 1125 تا 1126
9-	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص 84 تا 88
10-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد 1	ص 83

11-	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص106تا114
12-	سخن شعرا		ص454

ب - نثر

1-	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص10تا13
2-	ایضاً		ص42تا48
3-	بمبئی۔ کے اردو مخطوطات		ص51تا53
4-	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد2	ص163تا165
5-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص172تا173
6-	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد2	ص164
7-	بمبئی کے اردو مخطوطات		ص53
8-	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد2	ص184تا185
9-	بمبئی کے اردو مخطوطات		ص53تا54
10-	محبوب الزمن	جلد2	ص1125تا1126
11-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص240تا241
12-	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد2	ص164
12-الف	چاپہائے آثار سعدی		ص115
13-	بمبئی کے اردو مخطوطات		ص52
14-	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص92تا94
15-	سنسکرت مینوسکرپٹس پنجاب	جلد2	ص84
16-	ایضاً	جلد2	ص111
17-	ایضاً	جلد2	ص225
18-	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص90
19-	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد6	ص153تا154

-20	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص88تا90
-21	ایضاً		ص90تا91
-22	قاموس الکتب	جلد3	ص72
-23	ایضاً	جلد3	ص608
-24	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد2	ص46
-25	ایضاً	جلد3	ص39تا40
-26	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص96
-27	ایضاً		ص96
-28	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص55
-29	قاموس الکتب	جلد1	ص36
-30	تذکرہ مخطوطات	جلد5	158تا159
-31	ایضاً	جلد5	ص160
-32	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے	جلد6	ص94تا95
-33	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی		
-34	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص355
-35	مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی	جلد3	ص26تا27
-36	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص99تا100
-37	ایضاً		ص 101
-38	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد2	ص149
-39	ایضاً	جلد2	ص127
-40	ایضاً	جلد2	ص173تا174
-1	اردو کا پہلا نثری ڈرامہ		ص10تا13
-2	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے		ص97

3- ایضاً ص 97 تا 99

4- تذکرہ مخطوطات جلد 5 ص 152

5- اردو کا پہلا نثری ڈرامہ ص 15

6- ایضا ص 17

7- آصفیہ کے اردو مخطوطات جلد 1 ص 154

8- اردو کا پہلا نثری ڈرامہ ص 26 تا 27

ج - مطبعے

1- ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے ص 45 تا 46

2- ایضاً ص 61

3- ایضا ص 131

4- مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی جلد 5 ص 82

5- تذکرہ مخطوطات جلد 5 ص 137

6- آصفیہ کے اردو مخطوطات جلد 1 ص 241

7- مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی جلد 2 ص 164

8- آصفیہ کے اردو مخطوطات جلد 2 ص 262

9- اردو کا پہلا نثری ڈرامہ ص 14

ضمیمہ

غیر ممالک میں اردو

i- نیپال

ii- برما

iii- جزائر انڈمان

iv- پنانگ

v- مکہ معظمہ

نیپال 467

1- برجیس 467

2- بدخشی 468

3- خورشید 468

برما 471

1- ظفر 471

2- مسرور 473

3- آزاد 473

جزائر انڈمان 475

1- جعفر 476

2- منیر 477

3- کیفی 478

پنانگ 481

1- شیخ 482

مکہ معظمہ 485

حواشی 487

نیپال

1- برجیس

واجد علی شاہ کے لکھنؤ سے روانہ ہو جانے کے بعد ان کی ملکہ حضرت محل کی سرپرستی میں شاہزادہ برجیس قدر کی 2/ اگست 1857 کو تاج پوشی عمل میں آئی۔ کوئی دو برس سے زیادہ مدت تک وہ اودھ کی شمالی سرحد کے اندر کشاکش میں مبتلا رہے، پھر 1860 سے 1892 تک نیپال میں مقیم رہے۔ فروری 1893 میں انھوں نے کلکتہ میں واجد علی شاہ کی جانشینی کا دعویٰ کیا اور اسی سال 14 اگست کو اپنے دو بچوں اور چند نیپالی وفاداروں کے ساتھ زہر سے ہلاک کیے گئے۔ 1

یہ یقینی بات ہے کہ بتیس برس کی مدت میں نیپال میں جہاں پہلے سے بھی اردو بولنے والے بستے تھے اور خود راجا کے مقربوں سے ایک دو شعر بھی کہتے تھے، برجیس قدر کے رفقا میں سے بعض لوگوں نے کاٹھمنڈو کے وسط میں شعر و سخن کے سلسلے شروع کر دیے تھے۔

ڈاکٹر کوکب قدر نے برجیس قدر کے کلام کے کچھ منتشر اوراق کا پتا دیا ہے جو اَب مغربی بنگال کی اردو اکادمی کی ملکیت ہیں۔ انھوں نے اُنتالیس صفحوں پر برجیس قدر کے کلام کا نمائندہ انتخاب بھی شائع کیا ہے۔ علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں "دیوان برجیس قدر" کا ایک قلمی نسخہ بخط شاعر موجود ہے جو اڑتالیس اوراق پر محیط ہے۔

اس میں پہلا شعر یہ ہے:

لکھا مضمون یکتائی جو میں نے اس کی وحدت کا ‏ ‏ نمونہ ہے ہر اک مصرع یہ انگشتِ شہادت کا

اور آخری شعر یہ ہے:

دیکھو مجھ کو نہ رلاؤ، ہو طوفاں برپا ‏ ‏ یہ اشک گر کر نہ مری انکھ سے دریا ہو جائے

برجیس قدر اپنے نام کے جزو اول یعنی برجیس کے علاوہ شہید بھی تخلص کرتے تھے۔ ان کے کلام کا نمونہ اپنے موقع پر درج کیا جا چکا ہے۔ اس مقام پر یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گوکل پرشاد رسا نے ان کا حال اسی طرح لکھا ہے:

''مرزا برجیس قدر ولی عہد شاہ اودھ جو 1857 میں بغاوت کر کے وطن سے دور ہوئے تھے۔''4

2- بدخشی

افسوس ہے کہ کسی تذکرے میں ان کے حالات نہیں ملے۔ ڈاکٹر کوکب قدر نے ان کی ایک بیاض کے حوالے سے ان کا ذکر کیا ہے:

''بیاض حضرت خواجہ نعیم الدین بدخشی میں برجیس قدر کے حق میں یہ دعائیہ قطعہ خواجہ صاحب مغفور کے اپنے قلم سے درج ہے:

ترے دوست دشمن کریں سب مدارا ‏ ‏ کرم اور احساں ہے ہم پر تمھارا

دعا گو ہے تیرا ہمیشہ بدخشی ‏ ‏ بلند تیرا اقبال کا ہو ستارا''5

یہ بھی مذکور ہے کہ بدخشی نے 1295ھ کے کسی طرحی مشاعرہ کا ذکر کیا ہے جس میں مصرعۂ طرح تھا

مقراضِ موج دامنِ دریا کتر گئی

بیان کیا گیا ہے کہ برجیس قدر نے اس مصرع پر اُنتیس دفعہ طبع آزمائی کی تھی۔

3- خورشید

مرزا برجیس قدر کے بڑے صاحبزادے مرزا خورشید قدر جو اپنے والد کے ساتھ زہر سے ہلاک کیے گئے۔ ان کی شاعری بھی موروثی تھی چنانچہ 1295ھ (1878) کے قریب وہ بھی

طرحی مشاعروں کے لیے طبع آزمائی کرتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ مذکورہ مصرع طرح پر دو دفعہ گرہ لگائی تھی۔ افسوس ہے کہ کسی تذکرے میں ان کا مذکور بھی نہیں ملتا ہے۔

مذکورہ تین کے علاوہ برجیس قدر کے رفیقوں میں اور بھی کئی شاعر یقیناً رہے ہوں گے لیکن اب ان کا نام اور سب کلام بھی نایاب ہے۔

برما

انگریزوں کے اقتدار کے زمانے میں برما کو بھی ہندوستان میں شامل سمجھا جاتا تھا چنانچہ اس وقت انگریزی حکومت کو "گورنمنٹ آف انڈیا اینڈ برما" کہا جاتا تھا۔ مہرشی شیو برت لال ورمن نے برما کے مرکزی شہر رنگون کے بارے میں اپنے تأثرات اس طرح قلمبند کیے ہیں:

"رنگون کو ہندوستان کا ایک حصہ ضرور کہا جاتا ہے مگر اس کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہاں آکر جو عجیب وغریب تماشا نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کو حد درجہ کی آزادی ہے۔ جو چاہیں کسی قسم کی بندش نہیں..... مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ جو یہاں آئے شیر و شکر ہو گئے۔ ان کے میل سے جو قوم پیدا ہوئی ہے وہ زیر بادی کہلاتی ہے اور خوبصورت بھی ہے مگر اس قوم کی عورتیں اتنی آزاد نہیں ہیں......"1

ہندوستان اور برما کے مابین اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں بھی آمد و رفت کے سلسلے جاری تھے اور برما کے مسلمانوں میں زبان اردو کم و بیش سمجھی اور بولی جانے لگی تھی چنانچہ پہلے حصے میں محمد صالح نامی ایک شخص کا ذکر کیا جا چکا ہے جس نے اردو میں اپنے مذہب سے متعلق ایک کتاب لکھی تھی۔

1- ظفر

دلی کی حکومت پر قابض ہو جانے کے بعد آخری مغل تاجدار مرزا ابوظفر بہادر شاہ ثانی کو انگریزوں نے ملک بدر کر دیا تھا چنانچہ مذکور ہے:

''بادشاہ کو جلا وطن کر کے رنگون بھیج دیا۔ ان کے ساتھ نواب زینت محل اور ان کے بیٹے جواں بخت بھی گئے۔ پانچ برس خدا جانے کس رنج و محن میں کاٹے۔ آخر 1279ھ/1862 میں داعی اجل کو لبیک کہا۔''[2]

بادشاہ کی گرفتاری، رنگون پہنچنے اور وہاں کے شب و روز کا احوال مولانا امداد صابری نے تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :

''بہادر شاہ ظفر کو قلعہ میں اسیری کے ایام میں پلنگ تک نہیں دیا گیا..... ان کا قافلہ پہرے چوکی بدلتا ہوا کلکتہ پہنچا وہاں جہاز پر گوروں کے سخت پہرہ کے ساتھ سوار کرا دیا گیا۔ رنگون میں جہاز سے اتارتے ہی گوروں کی زیر حراست صدر بازار رنگون کے ایک دو منزلہ بنگلے میں لے گئے..... ایک کھڑی چار پائی دی گئی...... ابتدا میں نواب زینت محل کے زیورات فروخت ہوتے تو ان سے پیٹ پلتا تھا...... بہادر شاہ سے قید خانے میں ملاقات کرنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی...... ایک انگریزی اخبار سے منقول ہے کہ بادشاہ، اس کی بیگم، دو بیٹوں جواں بخت اور عباس اور ایک بیٹے کی بیوی کو کشادہ جگہ میں رکھا گیا تھا۔ چلنے پھرنے کی اجازت تھی، اس پر بھی بادشاہ اس مکان میں رہتے تھے..... 7/نومبر 1862 مطابق 14/ جمادی الاول 1279ھ بروز جمعہ فوت ہوئے۔''[3]

منشی امیر احمد علوی نے اسی سلسلے میں تحریر کیا ہے کہ :

''(زینت محل نے) شوہر کی وفات سے پانچ سال بعد تک انگریزی حکومت سے کوئی امداد قبول نہ کی..... مجبور ہو کر 1867 سے پانچ سو روپے ماہوار کی پنشن منظور کر لی۔ اسی قدر وظیفہ مرزا جواں بخت کا بھی مقرر ہو گیا۔ انھوں نے

بہ مقام مولمین (ملک برما) 1884 میں انتقال کیا۔ قبر کا پتا نہیں چلا۔ زینت محل
17 / جولائی 1886 کو رخصت ہوئیں اور شوہر کی قبر کے پاس دفن کی
گئیں.....اب دونوں قبروں کو ملا کر ایک تعویذ بنا دیا گیا ہے..... بہادر شاہ کے
پوتے سکندر بخت قبر کی مجاوری کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو فاتحہ خوانی کے لئے
آمدورفت کی اجازت ہے۔" 4

ان حالات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہ اور شاہزادے کے اثر سے اُس علاقے میں زبانِ اردو کی توسیع و اشاعت نہ ہونے کے برابر ہوئی ہوگی۔ رنگون کے زمانۂ قیام کا جو کلام بادشاہ سے منسوب ہے اس کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا آسان نہیں ہے۔ نمونہ یہ ہے

کون نگر میں آئے ہم، کون نگر میں باسے ہیں　　جائیں گے اب کون نگر کو من میں اب ہراسے ہیں
دنیا ہے یہ رین بسیرا بہت گئی رہ گئی تھوڑی سی　　ان سے کہہ دو سونہ جاویں نیند میں جو کہ نداسے ہیں

2- مسرور

یہ ذکر آ چکا ہے کہ بہادر شاہ کے زمانے میں بعض ہندوستانی رنگون وغیرہ مقامات تک سیر و سیاحت کے طور پر جاتے رہتے تھے۔ عبدالغفور خاں نساخ نے مسرور کے حال میں لکھا ہے:

''مسرور تخلص سید محمد علی ولد سید علی طباطبائی نواسہ میر شیر علی افسوس، باشندۂ کلکتہ
شعر عاشقانہ اچھا کہتے تھے۔ کلام اپنا راقم کو دکھلاتے تھے۔ اطراف ایران و
پنجاب و ہندوستان و رنگون وغیرہ بہت سے ملک و شہر کی سیر کی تھی۔ عین شباب
میں تیسویں شہر ذی الحجہ 1280ھ کو انتقال کیا۔''

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے:

دل اور پھر گیا ہے اس یار بدگماں کا　　تاثیر آہ دیکھی، دیکھا اثر فغاں کا
کان تک اس کے پہنچتی مری فریاد نہیں　　بھول جانے کے سوا کچھ اسے یاد نہیں

3- آزاد

بعد کے زمانے میں ہندوستان کے بعض شاعروں نے برما کے مختلف شہروں میں رہائش بھی اختیار کر لی تھی۔ سید ظہیر الدین مدنی نے آزاد تخلص کے ایک شاعر کے بارے میں لکھا ہے:

''آزاد، سید امیر الدین ولادت 1841 / 1257ھ عرف سید میاں ولد سید قطب الدین عرف میر صاحب....ان کا وطن سورت تھا۔علوی کے شاگردوں میں سے تھے۔صرف ونحو اور علم عروض میں مہارت رکھتے تھے۔1882 / 1300ھ سے کچھ قبل آزاد برما چلے گئے تھے اور بہ مقام ''پرم'' مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے تھے۔1890 / 1308ھ میں وفات پائی۔

غزل کے علاوہ آزاد قصیدے اور نعتیں بھی لکھتے تھے۔اپنے استاد علوی کی مدح میں انھوں نے جو قصیدہ لکھا ہے اس کے دو شعر یہ ہیں:

فروغ صبح تاب عید کا عالم میں جوبن ہے   مہر رمضانِ ہلال نیم شب ہے غرہ روشن ہے
ہماری طبع پر وہ مہر علوی نور افگن ہے   ہر اک مطلع فروغ صبح تاب روز روشن ہے

اور ایک نعت کے دو شعر یہ ہیں:

درس خواں ہوں بہارِ بوستان عشق احمد کا   نہ کیوں ہو بلبل دل کو سبق یادِ محمدؐ کا
تمنا ہے یہی آزاد کی وہاں اپنے مولا سے   تصدق ہو کے مرجاؤں رسولؐ اللہ کے مرقد کا

جزائر انڈمان

1857 کے ہنگاموں کے سلسلے میں مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے لکھا ہے کہ:

''جب (انگریزوں کی) آتش انتقام ٹھنڈی ہوئی تو سینکڑوں (ہندوستانی) جزائر انڈمان یعنی کالے پانی بھیجے گئے۔''[1]

ان مظلوموں میں مختلف ممالک اور اقوام کے افراد شامل تھے چنانچہ منیر شکوہ آبادی نے کہا ہے کہ:

چینی، برمی، ملائی، مدراسی — اہل آسام، ہنگلی، تاتاری
اپنے دیدار سے معاف کریں — اپنی باتوں سے دیں سبک باری
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت — اشک شادی ہیں آنکھوں سے جاری

بغاوت کے جُرم میں جن ہندوستانیوں کو کالے پانی کی سزا دی گئی تھی ان میں تقریباً سب مسلمان تھے اور ان میں بھی بیشتر پڑھے لکھے اور معزز گھرانوں کے افراد تھے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی کے حال میں مذکور ہے کہ:

''علامہ جزیرہ انڈمان پہنچے۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی صدر امین بریلی وکول، مفتی مظہر کریم دریابادی اور دوسرے مجاہد علما وہاں پہلے پہنچ چکے تھے۔ ان علما کی

برکت سے یہ بدنام جزیرہ دارالعلوم بن گیا۔ ان حضرات نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ وہاں بھی قائم رکھا۔''2

جزیرہ کی آب و ہوا کا ذکر علامہ خیر آبادی نے اس طرح کیا ہے:

''اس کی غذا حنظل سے زیادہ کڑوی، اس کا پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں، اس کا آسمان غموں کی بارش کرنے والا، اس کا بادل رنج و غم برسانے والا، اس کی زمین آبلہ دار.....''3

اور ان سب پر گوروں کے ظلم و ستم مستزاد، اس کے باوجود ان مظلوموں نے مختلف علوم و فنون سے متعلق عربی، فارسی اور اردو کی نظم و نثر میں کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے بعض یہ ہے :

1- علم الصیغہ مفتی عنایت احمد کاکوروی علم صرف کی کتاب

2- تواریخ حبیب اللہ ایضاً

3- رسالہ الثورۃ الہندیہ علامہ فضل حق خیر آبادی

4- قصائد فتنۃ الہند ایضاً

1- جعفر

مولانا محمد جعفر تھانیسری اپنے زمانے کے معروف مبلغوں میں سے تھے۔ 1857 کے ہنگاموں میں گرفتار ہوئے اور ان کے لیے پھانسی کا حکم ہوا۔ شہادت کے خیال سے مولانا نہایت خوش ہوئے اس لیے انگریزی عدالت نے ان کو منہ مانگی موت (=شہادت) نہ دینے کا فیصلہ کیا اور دائم الحبس بہ عبور دریائے شور یعنی کالے پانی کی سزا دی گئی۔ مولانا نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ:

''گیارھویں جنوری 1866 کو یہ قافلہ جزیرہ انڈمان (پورٹ بلیئر) میں پہنچا۔ یہاں منشی سید اکبر زماں اکبر آبادی 1857 کے باغی علما میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے مکان میں لے جا کر رکھا۔ مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی ایک جگہ رہے۔ میاں عبدالغفار بھی ان کے پاس رہے.....''4

مولانا اٹھارہ برس انڈمان میں رہے۔ 1883 میں مع رفقا کے رہا ہو کر ہندوستان واپس آئے۔ مولانا نے چند مذہبی رسالوں کے علاوہ دو کتابیں لکھیں:

سوانح احمدی اور تاریخ عجیب

ثانی الذکر مولانا کے ''کالا پانی'' کے واقعات پر مشتمل ہے اور مطبع منشی نول کشور لکھنؤ میں 1880 میں چھپ کر شائع ہوگئی تھی۔

2- منیر

منشی محمد اسماعیل نام، منیر تخلص، شکوہ آباد کے رہنے والے، میر علی اوسط رشک کے شاگرد تھے۔ فرخ آباد، کانپور، لکھنو وغیرہ کے بعد باندہ میں آگئے تھے۔ 1857 کے ہنگاموں میں نواب باندہ نے شکست کے بعد راہ فرار اختیار کی۔ ان کے بعض متوسلین کے ساتھ منیر بھی گرفتار ہوئے۔ اسی دوران ان کے ایک دوست مصطفیٰ بیگ نے نواب جان طوائف کو قتل کر کے منیر کو پھنسا دیا۔ خود منیر کا بیان یہ ہے:

مصطفیٰ بیگ ایک صاحب ان میں ہیں   کج رووں میں بڑھ کے چرخ پیر سے
کر کے خون ناحق نواب جان   مجھ کو پھنسوا دیا تزویر سے
خون میرا وہ سمجھتے تھے حلال   تھا جو میں ذریتِ شبیر سے

مقدمہ چلا اور منیر کو انڈمان بھیج دیا گیا۔ وہاں پر وہ مولوی فضل حق خیر آبادی کے ساتھ بستے تھے:

قید میں، میں اور وہ رہتے تھے ایک ہی جگہ   عین سمندر میں تھے غرقۂ بحر محن

وہاں جو حالات گزر رہے تھے ان کا اندازہ اس شعر سے کیا جاسکتا ہے:

جب لختِ جگر کھا کے لگی پیاس منیر   کالا پانی سفید پوشوں کو ملا

جزیرہ کا حال منیر نے اس طرح نظم کیا ہے:

زندان غم کے حصہ میں ہیں اور سال و ماہ   آتی نہیں ہے عید جہاں یہ وہ شہر ہے
دنیا میں غیر شہر خموشاں نہیں ہے کچھ   اس ملک کے نصیب میں کل ایک شہر ہے
عاشورہ اپنی وادیٔ غربت میں ہے مدام   اک روز سال بھر ہے جہاں یہ وہ شہر ہے
پیاسے ہیں ایک دوسرے کی آبرو کے لوگ   کس درجہ خشک دیکھئے دریائے دہر ہے

ایک دوسرے کی آبرو کے پیاسے غالباً وہ جرائم پیشہ لوگ رہے ہوں گے جن کو سزا کاٹنے

کے لیے جزیرہ میں بھیجا گیا تھا، ورنہ 1857 کے ہنگاموں کی بدولت جو مظلوم وہاں پہنچے تھے ان میں علاوہ مولانا محمد جعفر تھانیسری کے ''بیسیوں راجے اور نواب اور زمیندار اور مولوی، مفتی، قاضی ڈپٹی کلکٹر و منصف و صدر امین و صدر الصدور، رسالہ دار و صوبہ دار و جمعدار وغیرہ'' تھے۔ ان سے جس قسم کی مشقتیں لی جاتی تھیں اور جس طور پر ایذائیں دی جاتی تھیں ان کا حال جاننے کے لیے مولانا فضل حق خیرآبادی کی ''الثورۃ الہندیہ'' کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

منیر شکوہ آبادی خوش قسمت تھے کہ ان کو وہاں کے کمشنر کے دفتر میں ملازمت مل گئی تھی جس کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ ذلت آمیز مشقتوں سے بچ گئے اور سزا کی مدت میں بھی تخفیف ہو گئی چنانچہ کہتے ہیں:

تھے قید ہم جزیرۂ دریائے شور میں — نیرنگ گردش فلک نیلہ رنگ سے
منشی تھے محکمہ میں کمشنر کے ہم وہاں — محفوظ تھے مشقتِ بیل وکلنگ سے
انعام میں معاف ہوئے ہم کو دو برس — شکر خدا رہا ہوئے کام نہنگ سے

رہائی سے متعلق ایک اور نظم میں سوار ہونے کی تاریخ منیر نے اس طرح کہی تھی:

کوچ ٹھہرا مقام غربت سے — اب وطن چلنے کی ہے تیاری
رخصت اے دوستان زندانی — الوداع اے غم گرفتاری
دال چاول سے کہہ دو رخصت ہوں — پانی میں ڈوبے یہ نمک کھاری
مچھلیوں سے کہو کہ ہٹ کے سڑیں — گھاس کھو دے یہاں کی ترکاری

ہندوستان کے لیے جہاز میں سوار ہونے کی تاریخ منیر نے اس طرح کہی تھی:

روز سہ شنبہ نہم ماہ صفر مسعود ہو

1282ھ

کلکتہ پہنچے اور پھر وہاں سے کانپور کے لیے روانہ ہو گئے۔

3- کیفی

امیر مینائی نے ان کا حال اپنے تذکرے میں اس طرح قلمبند کیا ہے:

''کیفی تخلص ایوب خاں ولد انور خاں۔ فارسی شیخ احمد علی احمد تخلص سے پڑھی اور

فن شعر میں بھی انھیں سے اصلاح لی۔ اشعار اساتذہ کے بہ کثرت یاد ہیں۔
مجید الدین احمد خاں عرف مجو میاں مرادآبادی کے مختار تھے۔ 1276ھ میں
جب مجو میاں نے پھانسی پائی یہ بہ جرم مختاری مقید ہو کر جزیرۂ انڈمان کو بھیجے گئے
اور محبوس دائمی ہوئے۔ اب تک وہیں ہیں۔ ستر برس کی عمر ہے۔ کلام ان کا
زمانۂ غدر میں سب تلف ہو گیا۔"[5]

جزیرہ انڈمان میں بہ کثرت علما فضلا اور شعرا ہنگامہ 1857 کی بدولت جمع ہو گئے تھے۔
افسوس ہے کہ ان کی علمی فتوحات کا اب تفصیلاً کہیں ذکر نہیں ملتا۔

پنانگ

منیر شکوہ آبادی نے جزائر انڈمان میں پہنچ کر دیکھا کہ وہاں: ع

چینی، برمی، ملائی ، مدراسی

وغیرہ مختلف علاقوں اور ملکوں کے لوگ قید تھے۔ ان میں ملائی (= ملایا) کے باشندے بھی تھے۔ اس جزیرہ کا سب سے معروف شہر پنانگ تھا۔ شیو برت لال نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے کہ:

''(پانی کے جہاز سے) رنگون سے چل کر راستہ میں تین دن لگے۔ آخر 13 کو پنانگ میں پہنچا''۔1

شیو برت لال کا کہنا ہے کہ:

'' مجمع الجزائر ہند تمام مسلمانوں سے آباد ہے۔''2

معلوم ہوتا ہے کہ جن دنوں دہلی میں اکبر شاہ ثانی بادشاہ تھے۔ پنانگ وغیرہ مقامات پر انگریزی افواج مقیم تھیں اور ان میں ہندوستانی مسلمان سپاہی ہوتے تھے۔ اس زمانے کے ماحول کے مطابق وہ ہندوستانی سپاہی عموماً مذہب پسند لوگ ہوتے تھے۔

1- شیخ احمد

شیخ احمد نامی ایک سپاہی جو 'لائٹ کمپنی، 24 رجمنٹ'' میں بہ مقام پنانگ تعینات تھا، مذہبی موضوعات سے متعلق کتابوں کا شائق تھا۔ اسے خود تو اتنی فرصت نہ ملتی ہوگی کہ اپنی پسند اور ضرورت کی کتابوں کو نقل کر لیتا اس لیے اس نے اپنے ایک دوست سے جس کا نام مرزا دوست محمد تھا فرمائش کر کے چند کتابوں کی نقل تیار کرائی۔

ان نقلوں کی موجودگی ان حقائق پر دلالت کرتی ہے کہ:

الف- اس زمانے میں اردو کی کتابیں اور رسالے پنانگ میں دستیاب تھے،

ب- وہاں ایسے لوگ موجود تھے جو کتابوں کی نقل تیار کر سکتے تھے، اور

ج- ان کتابوں کے شائق اور طالب بھی وہاں ایسے تھے جو ان کو تا دیر بہ حفاظت رکھ سکتے تھے۔

قوی امکان ہے کہ اس شہر میں اردو سمجھنے اور بولنے والوں کا بھی ایک حلقہ رہا ہوگا۔

شیخ احمد سپاہی کے لیے جو قلمی نسخے تیار کیے گئے تھے، ان میں سے درج ذیل ادارۂ ادبیات اردو کے کتاب خانے میں موجود ہیں:

1- تنبیہ النسا مصنف خواجہ رحمت اللہ زمانہ تصنیف قبل 1195ھ 3

ترقیمہ: تمام شد نسخہ تنبیہ النساء بہ پاس خاطر شیخ احمد تحریر یافت

2- رسالہ اعمال۔ مصنف غالباً مرزا دوست محمد 4

ترقیمہ: یہ کتاب تمام ہوئی شیخ احمد سپاہی لئیٹ (= لائٹ) کمپنی کے واسطے لکھی گئی..... نوشتہ خطِ خام احقر العباد منشی دوست محمد بہ وقت نماز عصر بہ مقام پنانگ تحریر یافت۔

3- نصیحت المسلمین مصنف خرم علی سال تصنیف 1248ھ 5

ترقیمہ- تمت تمام شد نصیحت المسلمین بپاس خاطر شیخ احمد پنشن سپاہی تحریر یافت در شہر پنانگ

4- قیامت نامہ مصنف محمد عبداللہ سال تصنیف 1239ھ 6

ترقیمہ- تمام شد کار من نظام شد نسخہ قیامت نامہ بہ پاس خاطر شیخ احمد سپاہی لئیٹ کمپنی 24- رجمنٹ.... از خط خام مرزا دوست محمد تحریر یافت

5- ہدایت المومنین مصنف حسن قنوجی سال تصنیف 1243ھ 7

ترقیمہ- شکر اللہ تعالیٰ کہ اس کے فضل و کرم سے بخیر و خوبی یہ کتاب ہدایت المومنین کی تمام ہوئی۔

ان پانچوں کتابوں کا ایک ایک قلمی نسخہ اور بھی ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد میں ہے۔ 8 قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ان میں کسی نسخے پر بھی مرزا دوست محمد (کاتب) نے سالِ کتابت نہیں لکھا ہے۔ ڈاکٹر زور کا کہنا ہے کہ:

"غالباً اواخر تیرھویں صدی (ہجری) کی کتابت ہے۔"

اور اسی لیے ان کا اس مقام پر ذکر کیا گیا ہے۔

مکہ معظّمہ

1857 کے ہنگاموں سے پریشان ہو کر اکثر مسلمان شرفا اور علما مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے چنانچہ مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی نے لکھا ہے:

''مکہ معظمہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حاجی امداد اللہ تھانوی، شاہ عبدالغنی دہلوی، مولانا یعقوب دہلوی، مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی، مولانا محمد مظہر مجددی جیسے حضرات ہدایت و اصلاح کی ایک جماعت بنائے بیٹھے تھے۔ نواب فیض احمد خاں رئیس دتاولی، مولوی واعظ الحق بہاری حکیم نوازش حسین بہاری اور شہزادہ فیروز شاہ بھی اس جماعت کے رکن ہو گئے۔''1

اسی زمانے کے معروف و ممتاز لوگوں میں ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی بھی تھے۔ جب حالات دگرگوں ہوئے تو وہ بھی حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ لکھا ہے کہ:

''مکہ معظمہ جا کر مولوی رحمت اللہ کیرانوی کے پاس مقیم ہو گئے اور اپنا مطب وہاں کھول لیا۔''2

ان حضرات کی بدولت وہاں پر اردو سمجھنے اور بولنے والوں کا ایک حلقہ بن گیا۔ ان میں سے بعض نے تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا چنانچہ حاجی امداد اللہ صاحب کا نام اس اعتبار سے اہمیت رکھتا

ہے۔ یہ بھی ہوا کہ بعض گھرانوں نے اردو کی کتابوں کو محفوظ کر لیا۔ کتاب ہشت بہشت کے ایک نسخے کا تعارف کراتے ہوئے افسر صدیقی امروہوی نے اس پر لکھی ہوئی یہ عبارت نقل کی ہے:

''یہ بیت مصنف یعنی جناب مولانا مولوی محمد باقر آ گہ نور اللہ مرقدہٗ کے ہاتھ کے مسودہ جوان کی دختر نیک اختر کے پاس ہے جو مکہ معظمہ میں تشریف رکھتے تھے موجود تھا اس میں لکھی ہوئی تھی اور وہ میرے یہاں کی کتابوں میں نہ تھی.....''3

افسوس ہے کہ اردو زبان وادب کے اس مقدس مرکز کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے ورنہ امکان ہے کہ وہاں اس زبان کی قابل قدر تصنیفات دستیاب ہو جائیں۔

ooo

حواشی

نیپال

1-	اقلیم سخن کے تاجدار		ص132 تا 135
2-	گلستان سخن	جلد 1	ص312
3-	علی گڑھ کے اردو مخطوطات	جلد 1	ص363
4-	ارمغان گوکل پرساد		ص71
5-	اقلیم سخن کے تاجدار		ص331

برما

1-	شیو کا سفرنامہ		ص237 تا 238
2-	واقعات دارالحکومت	جلد 1	ص737
3-	مجاہد شعرا		ص187 تا 195
4-	بہادر شاہ ظفر		ص163 تا 165
5-	سخن شعرا		ص234
6-	سخنوارن گجرات		ص159

جزائر انڈمان

1-	واقعات دارالحکومت دہلی	جلد 1	ص240
2-	باغی ہندوستان		ص153
3-	ایضاً		ص192
4-	غدر کے چند علما		ص114 تا 127
5-	انتخاب یادگار		ص318

پنانگ

1-	سادھو فروری مارچ 1912		ص240
2-	سادھو مئی 1912		ص78
3-	تذکرہ مخطوطات	جلد 1	ص173
4-	ایضاً	جلد 1	ص180 تا 181
5-	ایضاً	جلد 1	ص177 تا 178
6-	ایضاً	جلد 1	ص179 تا 180
7-	ایضاً	جلد 3	ص287 تا 288

مکہ معظمہ

1-	غدر کے چند علما		ص135
2-	ایضاً		ص101
3-	مخطوطات انجمن کراچی	جلد 5	ص327 تا 328

ماخذ

الف - اردو کتابیں

(متن میں جن کتابوں یا رسالوں وغیرہ سے بحث کی گئی ہے ان کے نام یہاں تحریر نہیں کیے گئے ہیں)

1-	آب بقا	خواجہ محمد عبدالروف عشرت	مرتب: مرزا جعفر علی نشتر
		نامی پریس، لکھنؤ	باراول 1918
2-	آب حیات	شمس العلما محمد حسین آزاد	اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ
		پہلا فوٹو آفسیٹ اڈیشن	1982
3-	آصفیہ اسٹیٹ سنٹرل	حیدرآباد کے اردو مخطوطات	نصیر الدین ہاشمی
	لائبریری	جلد اول مطبع ابراہیمیہ، حیدرآباد	باراول 1961
		دوسری جلد مطبع اعجاز مشین پریس	حیدرآباد اشاعت اول
			1961
4-	اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد	مولانا امداد صابری	مکتبہ شاہراہ
	شعرا	دہلی	باراول 1959

5-	اردو ادب میں سفرنامہ	ڈاکٹر انور سدید	لاہور 1988
6-	اردو داستان	ڈاکٹر سہیل بخاری	اسلام آباد 1987
7-	اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری	ڈاکٹر فرمان فتحپوری	کراچی 1998
8-	اردو کا پہلا نثری ڈرامہ اور کیپٹن گرین آوے	ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال	حیدرآباد 1984
9-	اردو کے ہندو مثنوی نگار	عطاء اللہ پالوی اشاعت اول	دی آرٹ پریس پٹنہ 1982
10-	اردو مثنوی شمالی ہند میں	ڈاکٹر گیان چند جین	انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ 1969
11-	اردو میں زرعی کتب (کتابیات)	مرتب زینت قاضی اسلام آباد	طبع اول 1087
12-	اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ	ڈاکٹر محمد ایوب قادری لاہور	طبع اول 1988
13-	اڑیسہ میں اردو	حفیظ اللہ نیولپوری	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دلی 2001
14-	اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ	ڈاکٹر محمد عزیز انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ	اشاعت اول 1955
15-	افسانۂ لکھنؤ	آغا محمد شرف	قلمی نسخہ مملوکہ سید مسعود حسن رضوی ادیب
	ایضاً	ایضاً دہلی	مرتب سید محمود نقوی 1985
16-	اقلیم سخن کے تاجدار	ڈاکٹر کوکب قدر سجاد علی میرزا	کلکتہ بار اول 2004

17- انتخاب دواوین — مولوی امام بخش صہبائی — مرتب ڈاکٹر تنویر احمد علوی دہلی 1987

18- امیر نامہ — امیر علی خان بہادر — مطبوعہ کلکتہ 1873

19- انتخاب رنگی — مرتب ڈاکٹر محمد انصار اللہ — علی گڑھ 1981
(مولوی محمد عظیم اللہ رنگی) تاج پرنٹنگ ورکس

20- انتخاب یادگار (تذکرہ) — امیر احمد امیر مینائی — یوپی اردو اکادمی لکھنؤ 1986
پہلا اڈیشن

21- ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے — ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال — حیدرآباد 2003

22- بحر الفصاحت — حکیم نجم الغنی خاں — مطبع منشی نولکشور لکھنؤ 1969

23- برار کی تمدنی و علمی تاریخ مسلم عہد حکومت میں — ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل — ناگپور 2001

24- بستانِ تفاسیر — تفسیر فتح العزیز کے تبارک کے سیپارہ کا ترجمہ ہندی زبان میں حسب الحکم ناوضا محمد علی بن محمد حسین رکھے — مطبع محمدی ممبئی 1263

25- بلوچستان میں اردو — ڈاکٹر انعام الحق کوثر — مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد طبع اول 1986

26- بمبئی میں اردو — ڈاکٹر میمونہ دلوی نئی دلی — 1970

27- بنی — محمد واجد علی شاہ اختر — مطبع سلطانی کلکتہ 1294-95

28- بہادر شاہ ظفر — منشی امیر احمد علوی — سرفراز قومی پریس لکھنؤ 1955

29- بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد سید رئیس احمد جعفری کتاب منزل، لاہور
دوسری اشاعت 1975
30- بہادر شاہ اور پھول مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی کتب خانہ علم و ادب دہلی طبع
والوں کی سیر سوم
31- بہارستان ناز (تذکرہ) حکیم فصیح الدین رنج مرتب خلیل الرحمان دلودی
مجلس ترقی ادب لاہور 1965
32- بہار میں اردو زبان و سید اختر احمد اختر اور ینوی پٹنہ 1957
ادب کا ارتقا
33- تاریخ ادب اردو رام بابو سکسینہ ترجمہ اردو۔ مرزا محمد عسکری
مطبع منشی تیج کمار لکھنو 1969
34- تاریخ ادبیات مسلمانان مدیر خصوصی گروپ کیپٹن پنجاب یونیورسٹی لاہور
پاکستان و ہند - اردو ادب سید فیاض محمود 1917
حصہ سوم
35- تاریخ اودھ حکیم محمد نجم الغنی خاں رامپوری جلد چہارم
مطبع منشی نولکشور لکھنؤ 1919
36- تاریخ راجگان ہند یا وقائع حکیم محمد نجم الغنی خاں رامپوری ہمدم برقی پریس لکھنؤ
راجستھان 1927
37- تاریخ لاہور کنہیالال ہندی مرتب کلب علی خاں فائق
مجلس ترقی ادب لاہور طبع دوم 1987
38- تاریخ مگدھ مولوی فصیح الدین بلخی عظیم آبادی انجمن ترقی اردو ہند دہلی
1983
39- تاریخ ناگپور ڈاکٹر شرف الدین ساحل شمی فائن آرٹس ناگپور
1983

40-	تاریخ نوابان کرناٹک	الحاج قادر علی	گوہر پریس مدراس
	ویرنسان ارکاٹ		
41-	تحقیق نامہ	مشفق خواجہ	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی
		طبع اول	لاہور 1991
42-	تذکرہ اردو مخطوطات	ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
	جلد اول	ترقی اردو بیورو نئی دلی	1984
	جلد دوم	ایضاً	ایضاً
	جلد سوم	ایضاً	ایضاً
	جلد چہارم	ایضاً	ایضاً
	جلد پنجم	ایضاً	ایضاً
	ایضاً-جلد ششم	مرتبین محمد اکبرالدین صدیقی	وڈاکٹر محمد علی اثر
43-	(تذکرہ) مختصر تعارف	حافظ محمد زکریا رائچوٹی	الکٹرک قومی پریس بنگلور
			1959
	خانوادۂ اقطاب ویلور		
44-	تذکرۃ الذاکرین	سید آغا اشہر لکھنوی	جھانسی 1969
45-	تذکرۃ الکاملین	پروفیسر رام چندر	مطبع منشی نولکشور
		کانپور بار چہارم	1897
46-	تذکرہ اہل دہلی	سر سید احمد خاں	مرتب قاضی احمد میاں اختر
		انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	جوناگڑھی
			1955
47-	تذکرہ گلستان بے خزاں	میر قطب الدین باطن	یوپی اردو اکادمی لکھنو 1982
48-	تذکرہ گلستان سخن	مرزا قادر بخش صابر گورگانی	مرتبین خلیل الرحمان داودی
			وڈاکٹر وحید قریشی

		حصہ اول وحصہ دوم	مجلس ترقی ادب لاہور
			1966
49-	تذکرہ محبوب الزمن	محمد عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری	جلد اول ودوم
		مطبع رحمانی حیدرآباد	1339ھ
50-	تذکرۂ نادر	میرزا کلب حسین خاں نادر	مرتب: سید مسعود حسن رضوی
	(دیوان غریب)		ادیب، لکھنؤ 1957
51-	تذکرہ نعت گویان بریلی	ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب	بریلی 1986
52-	تذکرہ ہزار داستان عرف	مصنف	لالہ سری رام دہلوی
	خمخانۂ جاوید		
	جلد اول	دہلی	1328ھ/1910
	جلد دوم	امپیریل بکڈپو پریس دہلی	1329ھ/1911
	جلد سوم	دلی پرنٹنگ ورکس دہلی	1335ھ/1917
	جلد چہارم	ہمدرد پریس دہلی	1345ھ/1926
	جلد پنجم	مرتب پنڈت برجموہن دتا	1359ھ/1940
		تریہ کیفی دہلی	
	جلد ششم	مرتب خورشید احمد خاں یوسفی	مقتدرہ قومی زبان
		اسلام آباد	1410ھ/1990
53-	(تذکرہ) ہندو شعرا	خواجہ عشرت لکھنوی	لکھنؤ بار اول 1391
54-	(تذکرہ) یادگار شعرا	اسپرنگر	مترجم طفیل احمد
		یوپی اردو اکادمی	لکھنؤ 1985
55-	(تذکرہ) یادگار ضیغم	محمد عبداللہ خاں ضیغم	1304ھ
56-	(تذکرہ) یوروپین	محمد سردار علی	نظام دکن پریس
	شعرائے اردو		

		حیدرآباد دکن	1344ھ
57-	ترجمہ حدائق البلاغت	مولوی امام بخش صہبائی	مطبع منشی نول کشور لکھنؤ
58-	تقویت الشعرا	امام الدین طالب	سلطان المطابع لکھنؤ
59-	تلاش غالب	نثار احمد فاروقی	کتابیات لاہور 1989
60-	تلاش وتعارف	ڈاکٹر حنیف نقوی	نصرت پبلشرز لکھنؤ 1987
61-	61-تواریخ ضلع کانپور	جلد اول ودوم	منشی درگاہی لال مطبع شعلہ طور کانپور
62-	تواریخ نادر العصر	منشی نولکشور	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ 1990
63-	تلخیص معلا	ڈپٹی کلب حسین خاں نادر لیتھوکلر پرنٹرس علی گڑھ	مرتب ڈاکٹر محمد انصار اللہ 1976
64-	جامع الحکایات ہندی	شیخ صالح محمد عثمانی	مرتب پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول 1963
65-	جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات	ڈاکٹر حامد اللہ ندوی بمبئی	1990
66-	جائزہ مخطوطات اردو	مشفق خواجہ مرکزی اردو بورڈ	لاہور طبع اول 1979
67-	جمے جی متر ار مان- حیات وخدمات	ڈاکٹر رئیس انور علی مرکز کلکتہ	1985
68-	جواہر سخن جلد 3	جلد سوم ہندوستانی اکیڈمی	مولوی محمد مبین کیفی چریاکوٹی الہ آباد طبع اول
69-	جواہر اخلاق		

70-	چمن انداز (تذکرہ مراۃ خیالی کا دوسرا حصہ)	درگاہ پرشاد کھتری دہلوی نادر تخلص	اکمل المطابع دہلی1838
71-	دیوان ذوق	خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق دہلوی علمی پرنٹنگ ورکس دہلی	مولف شمس العلما محمد حسین آزاد 1351ھ/1933
72-	دیوان	ریاض البحر دیوان بحر	شیخ امداد علی بحر مطبوعہ
73-	دیوان شاداں	مہاراجا چندو لال شاداں مطبوعہ محبوب پریس حیدر آباد	مرتب راجا کشن پرشاد شاد دکن دیوان اول سال ترتیب:1239ھ
74-	دیوان ظفر	بہادر شاہ ثانی ظفر تخلص اعجاز پبلشنگ ہاؤس	پیش لفظ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نئی دہلی بار اول1997
75-	دیوان غالب	مطبوعہ اکتوبر1491 کالی داس گپتا رضا	عکسی مع پیش لفظ دلی پبلیکیشنز بمبئی 1986
76-	دیوان غالب	:چوتھا ایڈیشن-مطبع نظامی کانپور -جون، جولائی	1962
77-	دیوان غالب-کامل - تاریخی ترتیب سے	مرتب کالی داس گپتا رضا ساکار پبلیکیشنز	بمبئی1988
78-	ذات شریف	مرزا محمد ہادی رسوا	مطبوعہ
79-	ذخیرہ شیرانی میں اردو مخطوطات	سید جمیل احمد رضوی مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد1986
80-	راجستھان میں اردو زبان و ادب-1857 تک	ڈاکٹر ابو الفیض عثمانی	راجستھان اردو اکادمی جے پور1992
81-	رسالہ قواعد صرف و نحو اردو	شیخ امام بخش صہبائی	مطبع منشی نولکشور لکھنؤ

82-	راجستھان میں اردو زبان وادب کے لیے غیر مسلم حضرات کی خدمات	ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی	اربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان ٹونک 1985
83-	رہنمائے سیر دہلی	خواجہ حسن نظامی طبع دوم دہلی	1922
84-	سرگذشت غالب	(مرزا اسداللہ خان غالب)	مرتب: میرزا محمد بشیر بھرتپوری
85-	سرمایۂ زبان اردو	سید ضامن علی جلال لکھنو	1304ھ
86-	سرود غیبی	خیابان تواریخ مطبع منشی نولکشور	سید محمد علی جویا مرادآبادی مقیم جے پور لکھنو 1292ھ/1857
87-	سنسکرت اردو لغت	ڈاکٹر محمد انصاراللہ مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد طبع اول 1993
88-	سیر المنازل	مرزا سنگین بیگ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی	مرتب ڈاکٹر شریف حسین قاسمی 1982
89-	شاہان اودھ کے کتب خانے ڈاکٹر اے اشپرنگر	مترجم محمد اکرام چغتائی انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	1973
90-	شاہ حسین حقیقت اور ان کا خاندان	شرف احمد ادارۂ ادبیات پاکستان	کراچی بار اول 1977
91-	شعرائے اردو کے تذکرے	ڈاکٹر سید حنیف نقوی	نسیم بک ڈپو لکھنو بار اول 1976
92-	صوبہ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات	محمد عتیق صدیقی انجمن ترقی اردو ہند	علی گڑھ پہلی بار 1962
93-	صہبائی ایک مختصر تعارف	ڈاکٹر محمد انصاراللہ لیتھو کلر پرنٹرس	علی گڑھ 1968
94-	عجایب القصص	شاہ عالم ثانی مرتب مس راحت افزا مجلس ترقی ادب لاہور	مقدمہ ڈاکٹر سید عبداللہ طبع اول 1985

95-	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے اردو مخطوطات	ڈاکٹر عطا خورشید	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ 1995
96-	عمر رفتہ	خان بہادر نقی محمد خان خورجوی	ٹائز پریس کراچی 1958
97-	عود ہندی	مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی	مطبع نامی منشی نولکشور لکھنو 1331ھ (1913)
98-	فسانہ عجائب	مرزا رجب علی بیگ سرور رام نرائن لال ارن کمار پبلشرز	مرتب محمد اکبر آبادی الہ آباد 1990
99-	فہرست قلمی کتاب خانہ ذاتی نواب سید حیدر علی خان، بہادر جعفری	گوالٹولی کانپور مرتب ڈاکٹر محمد انصار اللہ	1964
100-	فہرست (قلمی) کتابخانہ ذاتی ٹی اب سید قیصر حسین خاں قیصر ٹکاپوری	کانپور مرتب ڈاکٹر محمد انصار اللہ	1964
101-	فہرست مخطوطات اردو	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور پٹنہ بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ	مرتب عابد امام زیدی جلد اول 1962
102-	فہرست مخطوطات اردو مملوکہ رضا لائبریری	رامپور مرتب امتیاز علی خاں عرشی جلد اول	ہندوستان پرنٹنگ ورکس رامپور 1967
103-	فہرست مخطوطات اردو کتابخانہ گنج بخش	مرتب سید عارف نوشاہی مغربی پاکستان اردو اکیڈیمی لاہور	1978
104-	فہرست نمائش	ادارہ تحقیقات اردو پٹنہ	مرتب قاضی محمد سعید

		جلد اول-حصہ مخطوطات وغیرہ	ادارہ تحقیقات اردو پٹنہ 1959
105-	قاموس الکتب اردو	جلد اول-مذہبیات انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	نگراں ڈاکٹر مولوی عبدالحق 1961
	ایضاً	جلد دوم-تاریخیات	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی 1974-75
	ایضاً	جلد سوم-عمرانیات	ایضاً 1978-80
106-	قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)	ڈاکٹر احمد خاں مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد 1987
107-	قصہ اگر گل	سعادت خاں ناصر مرتب خلیل الرحمان داودی	مجلس ترقی ادب لاہور 1967
108-	قطعہ منتخب (تذکرہ)	عبدالغفور خاں نساخ	مرتب ڈاکٹر انصار اللہ نظر انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی 1974
109-	قیصر التواریخ (تواریخ اودھ)	سید کمال الدین حیدر مطبع نامی نولکشور	لکھنؤ 1896
110-	کامٹی کی ادبی تاریخ	ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل	بزم غالب کامٹی 1986
111-	کتابیات پاکستان کے اخبارات و رسائل- 1974 تک	ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد 1987
112-	کچھ غالب کے بارے میں	حصہ اول قاضی عبدالودود جلد ا	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ 1995
113-	کلام بلیغ میرٹھی	عنایت کردہ خلیل الرحمان داؤدی	

114-	کلکتہ کے قدیم اردو مطابع اوران کی مطبوعات	سید مقیت الحسن عثمانیہ بکڈپو کلکتہ	1980
115-	کلیات ذوق (اردو)	شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی دوسرا ایڈیشن	مرتب ڈاکٹر تنویر احمد علوی ترقی اردو بیورو نئی دہلی 1989
116-	کلیات ظفر	بہادر شاہ ثانی ظفر تخلص مرتب عمر فیضی	سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 1968
117-	کلیات عیش	حکیم آغا جان عیش	مرتب ڈاکٹر حبیب بانو ترقی اردو بیورو نئی دہلی 1992
118-	کلیات ناسخ	شیخ امام بخش ناسخ	مطبع حسنی لکھنو 1259ھ
119-	کلیات منیر	محمد اسماعیل منیر شکوہ آبادی مطبع ثمر ہند	لکھنو 1297ھ
120-	گجرات کی تمدنی تاریخ	مولوی سید ابوظفر ندوی	مطبع معارف اعظم گڈھ 1962
121-	گذشتہ لکھنو	مولانا عبدالحلیم شرر	مرتب شمیم انہونوی لکھنو 1965
122-	گلدستہ نازنینان	مولوی کریم الدین	1845
123-	لکھنو کا دبستان شاعری	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی غضنفر اکیڈمی	کراچی طبع ثانی 1987
124-	لکھنو میں اردو نثر	ڈاکٹر محمد شعیب	نئی دہلی 2001
125-	مجموعہ مکتوبات آزاد	مولانا محمد حسین آزاد	مطبوعہ
126-	مجموعہ نثر غالب	مرزا اسداللہ خان غالب مجلس ترقی ادب لاہور	مرتب خلیل الرحمان داودی 1967

127- مجموعہ سخن حصہ اول

128- محاسن کلام غالب عبدالرحمان بجنوری ۔ انجمن ترقی اردو ہندنئی دہلی
1983

129- مخطوطات انجمن ترقی اردو (اردو) مرتب افسر صدیقی امروہوی انجمن ترقی اردو پاکستان
کراچی جلد اول
ایضا ایضا جلد دوم1967
ایضا ایضا جلد سوم1975
ایضا ایضا جلد چہارم
ایضا ایضا جلد پنجم1978
ایضا ایضا جلد ششم1982

130- مخطوطات متفرقہ ۔ تفصیلی فہرست پنجاب پبلک لائبریری لاہور مرتب منظور احسن عباسی
1964

131- مخطوطات ذخیرہ احسن مارہروی۔ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مرتب سید محمد حسن فقیر امروہوی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ 1983

132- مرقع غالب پرتھوی چندر لکشمی پرنٹنگ ورکس دہلی پہلی بار1966

133- مرحوم دہلی کالج ڈاکٹر مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو ہند دہلی 1945

134- مجد الدولہ آغا میر ڈاکٹر محمد انصاراللہ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی
1988

135- مقالات شیرانی (حافظ محمود شیرانی) جلد نہم مرتب ڈاکٹر مظہر محمود
شیرانی مجلس ترقی ادب
لاہور1999

136-	مقدمہ شعر و شاعری	مولوی الطاف حسین حالی	نیشنل پریس الہ آباد بار سوم 1955
137-	منتخب العالم (دیوان)	منیر شکوہ آبادی	
138-	مولانا باقر آگاہ ویلوری شخصیت اور فن	ڈاکٹر ذاکرہ غوث تمل ناڈو، اردو پبلیکشنز مدراس	1995
139-	نانک ساگر	محمد عمر و نور الہی	اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ 1982
140-	ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر	ڈاکٹر شرف الدین ساحل	مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی بمبئی 1993
141-	ناگپور کا مسلم معاشرہ- گونڈ اور بھوسلہ عہد میں	ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل علیم پرنٹرس ناگپور	1996
142-	ناسخ- حیات و تصانیف	ڈاکٹر محمد صدر الحق انجمن ترقی اردو پاکستان	کراچی طبع اول 1978
143-	نظم آخریں- میر رشک کا تیسرا دیوان	غیر مطبوعہ مرتب ڈاکٹر محمد انصار اللہ	1966
144-	نفس اللغہ	حصہ اول میر علی اوسط رشک	مع دیباچہ نشتر طبع اول نیر پریس لکھنو
145-	نمونۂ منثورات	مولوی احسن مارہروی مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد 1986
146-	واقعات دار الحکومت دہلی	جلد اول دوم بشیر الدین احمد دہلوی	شمسی مشین پریس آگرہ 1337ھ/1919
147-	واجد علی شاہ کی ادبی اور ثقافتی خدمات	ڈاکٹر کوکب قدر سجاد علی مرزا نئی دہلی	1995

148-	وزیرنامہ	امیر علی خاں بہادر	مطبع نظامی کانپور 1293ھ
149-	ویلور - تاریخ کے آئینہ میں	ڈاکٹر راہی فدائی	کڈپہ 1997
150-	بادی ہریانہ-شاہ محمد رمضان شہید ہمی کے حالات	پروفیسر منظور الحق صدیقی	حرا پبلیکشنز لاہور 1993
151-	ہندوستان میں چھاپہ خانہ- آغاز وابتدائی تاریخ	اے کے پرولکر ترقی اردو بورڈ نئی دہلی	مترجم علی ابن الحسین زیدی 1979
152-	یادگار غالب	مولوی الطاف حسین حالی	غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی دوسرا عکسی ایڈیشن 1996
153-	یادنامہ داؤدی- خلیل الرحمان داودی	مرتبین تحسین فراقی و جعفر بلوچ دارالتذکیر لاہور	2003
154-	اردو مخطوطات-خدا بخش جنوبی ایشیائی علاقائی سمینار	1987 کے مقالات خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ	1999
155-	دیوان غالب جدید نسخہ حمیدیہ	مرتب مفتی محمد انوار الحق مفید عام اسٹیم پریس آگرہ	1921
156-	مکتوبات آزاد	محمد حسین آزاد	مرغوب بک ایجنسی لاہور - بار دوم
157-	باغی ہندوستان	مولانا محمد فضل حق خیرآبادی مترجم عبدالشاہد خاں شروانی مکتبہ قادریہ لاہور	طبع ثالث 1298ھ/1987

158-	شیو برت لال ورمن اور ان کی علمی وادبی خدمات	ڈاکٹر ذکیہ خاتون رائل پرنٹرز	علی گڑھ 2000
159-	غدر کے چند علما	مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی	نیا کتاب گھر دہلی

ب۔ فارسی کی کتابیں

1-	امیر نامہ	محمد امیر علی خان بادر امیر (رزیر السلطان)	مطبوعہ کلکتہ؟
2-	پنج آہنگ میں مکاتیب غالب	مرتب کالیداس گپتا رضا مطبوعہ	بمبئی 1989
3-	تذکرۂ آزردہ	مفتی صدرالدین خاں آزردہ	مرتب ڈاکٹر مختار الدین احمد مشمور۔ ماہی تحریر دہلی
4-	تذکرہ شعرا	ابن امین اللہ طوفان مرتب	قاضی عبدالودود پٹنہ 1954
5-	تذکرہ بہار بے خزاں	احمد حسین سحر مرتب نعیم احمد دہلی	1968
6-	تذکرہ ریاض الفصحا	غلام ہمدانی مصحفی طبع اول	مرتب: مولوی عبدالحق دہلی 1934
7-	تذکرہ سرور	عمدہ منتخبہ میر محمد خان بہادر سرور	مرتب خواجہ احمد فاروقی دہلی 1961
8-	تذکرہ صبح گلشن	سید علی حسن خان بہادر بھوپال	شوال 1295 ھ
9-	تذکرہ عروس الاذکار	نصیرالدین نقش حیدرآبادی	مرتب افسر صدیقی امروہوی کراچی 1975
10-	تذکرہ گلزار ابراہیم	علی ابراہیم خاں خلیل	مرتب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور علی گڑھ بار اول 1934

11-	تذکرہ گلشن ہند	مرزا علی لطف مرتب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور	علی گڑھ بار اول 1443
12-	تذکرہ گلشن بے خار	نواب مصطفیٰ خان شیفتہ (طبع اول) دہلی	1253ھ/1837
13-	ایضاً ایضاً	لکھنؤ (پہلا آفسیٹ ایڈیشن)	1982
14-	تذکرہ گلشن ہمیشہ بہار	نصر اللہ خاں خویشگی	مرتب ڈاکٹر اسلم فرخی کراچی 1967
15-	تذکرہ مجموعۂ نغز	حکیم قدرت اللہ قاسم مرتب محمود شیرانی	دہلی 1973
16-	تذکرہ مخزن شعرا	قاضی نور الدین حسین خاں فائق	مرتب مولوی عبدالحق اورنگ آباد، دکن 1933
17-	ترجمہ متون فارسی بہ زبانہاے پاکستانی	مولف اختر راہی	لاہور 1986
18-	تلاش غسالہ	حکیم حبیب الرحمان مرتب ڈاکٹر عارف نوشاہی	مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور 1995
19-	رسالہ ذکر مغنیان ہندوستان	عنایت خاں راسخ	مرتب سید علی حیدر پٹنہ 1961
20-	فہرست چار ہائے آثار سوری در شبہ قارہ	تالیف سید عارف نوشاہی	لاہور 1984
21-	فہرست کتابہائے فارسی چاپ سنگی وکمیاب کتابخانہ گنج بخش	جلد یکم مولف سید عارف نوشاہی	لاہور 1986
22-	فہرست مخطوطات شیرانی	جلد دوم مرتب ڈاکٹر محمد بشیر حسین	دانشگاہ پنجاب، لاہور 1969
23-	فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی موزۂ ملی پاکستان کراچی	مرتب سید عارف نوشاہی لاہور	1983
24-	قول فیصل	مولوی امام بخش صہبائی	مطبع نظامی کانپور 1278

ج۔متفرقات

اے ڈسکرپٹیو کیٹلاگ آف پرشین، اردو اینڈ امریک مینوسکرپٹس۔ پنجاب یونیورسٹی

25-	جلد 1	مرتبہ اس ایم عبداللہ لاہور	1942
26-	جلد 2	کیٹلاگ آف دی سنسکرت مینوسکرپٹس۔ پنجاب یونیورسٹی	
27-	مرتب پنڈت بالا سہائے شاستری	لاہور	1941
28-	ہندی ساہتیہ کا برہت اتہاس (ریت کال)	مدیر ڈاکٹر نگیندر	
29-	ناگری پرچارنی سبھا	کاشی	سمبت 1973/2030 بکری

د۔رسالے وغیرہ

1-	اردو	سہ ماہی	کراچی جلد 15	نمبر 1
	ارمغان گوکل	گوکل پرشاد رسا	مرتب	ڈاکٹر فرمان فتحپوری
2-	اردو	سہ ماہی	کراچی جلد 59	نمبر 1
	شاگردان ناسخ	ڈاکٹر محمد انصار اللہ		
3-	اردو ادب	سہ ماہی	علی گڑھ جلد 4	نمبر 1 1954
	تذکرہ شعرائے فرخ آباد	مرتب	ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو	
4-	اردو ادب	سہ ماہی	علی گڑھ جلد x	نمبر 3 1972
	مخطوطۂ دیوان ناسک کا واحد نسخہ	ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری		
5-	الزبیر	سہ ماہی	اردو اکادمی بہاولپور	سفرنامہ نمبر
6-	روح ادب	سہ ماہی کلکتہ	جلد 2 نمبر 5	بنگال میں اردو شاعری نمبر

7-	قومی زبان	کراچی	16 فروری	1963
8-	معاصر	پٹنہ	حصہ 17	جولائی 1960
		سفر آشوب	مرتب	قاضی عبدالودود
9-	معاصر	پٹنہ حصہ 18	جولائی 1962	خلاصہ سوانح لکھنؤ
		مرتبین	قاضی عبدالودود،	سید حسن
10-	نگار	ماہنامہ	لکھنؤ	سالنامہ 1950
11-	نخلستان	سہ ماہی	اودے پور	شمارہ 1، 2 اپریل و
				جولائی 1964
				نمبر 3، 1964
		سلسلۃ الشعرا۔	مرتب	محمد انصار اللہ نظر
		تلامذۂ ناسخ		
12-	ماہنامہ	سادھو	لاہور	ایڈیٹر مہرشی شیوبرت
				لال و منشی سورج نراین مہر
			فروری و مارچ	1912
				پہلی قسط
		مہرشی شیوبرت لال کا		
		سفرنامہ		
13-	ایضاً مئی	1912 - مہرشی شیو کا		دوسری قسط
		سفرنامہ		
14-	مارتنڈ ماہنامہ	لاہور	ایڈیٹر بابو شیوبرت لعل	جنوری 1912
			ورمن	
		میرا سفرنامہ	پہلی قسط	

○○○

’تاریخ ادب اردو جلد سیزدہم‘ انیسویں صدی عیسوی کی تاریخ ادب اردو کا ایک حصہ ہے جس میں بہادر شاہ ثانی کے زمانے کی علمی و ادبی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ تاریخ اس اعتبار سے عدیم المثل ہے کہ اس میں مختلف مراکز کی علمی و ادبی فتوحات کے حوالے سے اردو زبان و ادب کی تاریخ لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس جلد میں روہیل کھنڈ (رام پور، بریلی، بدایوں، مرادآباد، شاہجہان پور)، فرخ آباد، کانپور، الہ آباد اور لکھنؤ میں اردو زبان و ادب کی صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ جلد 1838 سے 1857 تک کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ زمانہ ہندوستان کی ادبی ہی نہیں سیاسی و ثقافتی تاریخ کے اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اردو کے سلسلے میں تو اس کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں ان مراکز کی علمی و ادبی فتوحات پر غزل، قصیدہ، نوحہ و سلام، مخمس، تاریخ گوئی، کبت، داستانیں، تذکرے، مذہبی نثر اور مطبعے و اخبارات کے ذیلی عنوانات کے تحت گفتگو کی گئی ہے۔

پروفیسر محمد انصار اللہ اردو کے معروف و ممتاز محقق ہیں ان کے ادبی ذوق کی تربیت قاضی عبدالودود اور پروفیسر نذیر احمد کی تحریروں کے زیر اثر ہوئی ہے۔ ان کا پہلا تحقیقی مضمون نگار لکھنؤ میں شائع ہوا تھا۔ ادبی تاریخ سے ان کی گہری دلچسپی ہے اور ان کی 60 سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

ISBN: 978-93-5160-094-7
9 789351 600947
NCPUL
New Delhi
₹ 259/-

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025